www.KitaboSunnat.com
صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
ہندوستان میں
مؤلف: اکبر علی خان قادری
طٰہٰ پبلی کیشنز

صحابۂ رسول ﷺ ہندوستان میں

سرزمینِ پاک و ہند میں اشاعتِ اسلام کی ایمان افروز داستان

اکبر علی خان قادری

طٰہٰ پبلی کیشنز
19- ملک جلال دین (وقف) بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور
Ph:042-6120422Mob:0333-4470509

طٰہٰ پبلی کیشنز قارئین کی خدمت میں ادبی وسیاسی حوالے سے معتبر کتب پیش کر کے دادو تحسین پا چکا ہے۔اب ہم اسلامی موضوع پر ایک اور اچھوتی کتاب لائے ہیں۔قارئین کا اعتماد ہی ہمارا منافع ہے۔ (ادارہ)

ناشر : محمد عفیف طٰہٰ
اہتمام : محمد لبیب جمیل
اشاعت اوّل : مئی ۲۰۰۳ء
اشاعت دوم : جولائی ۲۰۰۹ء
قیمت : ۲۰۰ روپے
بیرون ملک : ۱۰ امریکی ڈالر
نیرّ اسد پرنٹرز، لاہور

انتساب

www.KitaboSunnat.com

غزواتِ ہند کے محرکِ اوّل مشہور صحابی رسول

امام الامۃ فی الحدیث

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے نام

جنھوں نے اپنی گورنری کے دوران بحرین و عمان میں جہاد ہند کی فضیلت کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں اس قدر اُجاگر کر دیا تھا اور لوگوں میں جہادِ ہند کے لیے اتنا زیادہ جوش و خروش پیدا کر دیا تھا کہ جب حضرت عثمان بن ابوالعاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہند پر حملہ کے لیے لشکر تیار کرنا چاہا تو انہیں کسی دقت اور مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑا۔

حضرت سیدنا ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ:

وعدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم غزوة الهند فان ادركتها انفق فيها نفسي و مالي فان اقتل كنت افضل الشهداء وان ارجع فانا ابوهريرة المحرر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے غزوہ ہند کا وعدہ فرمایا۔ پس اگر میں نے اس کو پالیا تو اپنا جان و مال اس میں خرچ کروں گا۔ پھر اگر مارا گیا تو افضل شہداء میں سے ہوں گا اور اگر واپس لوٹ آیا تو میں ابو ہریرہ جہنم سے آزاد ہو چکا ہوں گا۔ (مسند احمد، سنن نسائی)

www.KitaboSunnat.com

فہرست

باب سوم

باب چہارم

باب پنجم

www.KitaboSunnat.com

پیش لفظ

برصغیر پاک و ہند جسے قدیم کتب تاریخ میں ہند بھی کہا جاتا رہا ہے۔انسانی تہذیب وتمدن کے قدیم ترین گہواروں میں سے ایک ہے۔ اسلام کے ماننے والے دنیا کے کسی اور خطے میں اتنی بڑی تعداد میں آباد نہیں ہیں جتنے یہاں ۔ عام لوگوں کا خیال ہے کہ یہاں اسلام محمد بن قاسم ثقفی کے حملے کے وقت پھیلا جبکہ مستشرقوں اور متعصب ہندوؤں کا کہنا ہے کہ یہاں اسلام محمود غزنوی کے حملوں کے ساتھ آیا۔ یہ پروپیگنڈہ اس قدر زوردار طریقے سے کیا گیا ہے کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ عرب و ہند ایک دوسرے کے لیے ہمیشہ سے اجنبی ملک تھے' نہ ہند والے عربوں کو جانتے تھے اور نہ ہی عرب والے ہندوؤں کو انہی حالات میں اسلام کا ظہور ہوا۔ عرب میں اسلام پھیلا۔ ایران فتح ہوا مگر ہند اس سے بے خبر ہی رہا کیوں کہ عربوں کو ہند سے واقفیت نہ تھی اور ہند والے تو ویسے ہی ہند سے باہر کسی چیز کو نہ جانتے تھے۔

مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ عرب و ہند کے تعلقات ہزارہا برس پہلے سے موجود تھے۔ جب اسلام کا ظہور ہوا تو عرب و ہند ایک دوسرے کے لیے اجنبی نہ تھے۔ آغازِ اسلام کے وقت سے ہی اسلام کا پیغام ہند میں پہنچ چکا تھا۔ عرب میں صدہا برس سے مختلف ہندی قومیں آباد تھیں۔ عہدِ رسالت میں ان میں اسلام پھیل چکا تھا۔ ان کے ذریعے اس کا پیغام ہند کے لوگوں تک بھی پہنچ چکا تھا۔ عرب والے تاجر تھے۔ ان کے بحری بیڑے عرب و ہند کے ساحلوں کے درمیان سفر کرتے رہتے تھے۔ ظہورِ اسلامؑ کے بعد عربوں کے یہ تجارتی اسفار

اسلام کی ہند وسندھ آمد کا سب سے بڑا ذریعہ بنے۔ تاریخ کے اکثر ادوار میں ہند کے بڑے بڑے راجہ ایران کے زیر اثر رہے ہیں۔ عہد فاروقی میں ایران جب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ہاتھوں فتح ہو گیا تو ہند کے بہت سے علاقے فتح ایران کے توسط سے اسلام کے زیر اثر آ گئے اور ہند میں اسلام کی ترویج واشاعت کی راہیں کھل گئیں۔

مستند روایات کی شہادت سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ اہل ہند نے عہد رسالت ہی میں اسلام کے بارے میں معلومات اور آگاہی کے لیے دربار رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے تعلق پیدا کرنے کے لیے کوششیں شروع کر دی تھیں۔ خود نبی کریم ﷺ ہند کو اسلام کے ایک بڑے مرکز کے طور پر دیکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ہند میں جہاد کی خصوصی فضیلت ارشاد فرمائی۔ عہد صحابہ میں برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کی باقاعدہ طرح اس وقت ڈلی جب مشہور صحابی رسول حضرت عثمان بن ابوالعاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی پاک ﷺ کے وصال کے صرف چار سال بعد ہند پر چڑھائی کی۔ اس کے بعد یہ سلسلہ جاری وساری رہا۔ بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جہاد و تبلیغ کے لیے برصغیر میں تشریف لائے۔ چنانچہ یہ ایک ثابت شدہ امر ہے کہ برصغیر میں اسلام محمد بن قاسم یا محمود غزنوی کے دور میں نہیں بلکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دور مبارک میں آیا۔

قبل از اسلام عرب و ہند کے تعلقات' ظہور اسلام کے وقت ہند کی حالت' ہند میں اسلام کی اشاعت اور یہاں تشریف لانے والے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم وہ بڑے بڑے عنوانات ہیں جن کا احاطہ اس کتاب میں کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ہند میں اسلام کی قدامت کو سمجھنے کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

اکبر علی خان قادری

مدینۃ العلم

پل فتح گڑھ لاہور

باب اوّل

قبل از اسلام عرب و ہند کے تعلقات

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ آغاز اسلام کے وقت برصغیر پاک و ہند کا خطہ جو اس وقت ہندوسندھ کہلاتا تھا عربوں کے لیے ایک اجنبی علاقہ تھا اور عرب ہندیوں کے لیے ایک اجنبی قوم تھے لیکن یہ ایک غلط فہمی ہے جسے بعض اسلام دشمن مورخوں اور مصنفوں نے فروغ دیا ہے اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام برصغیر میں مسلمان حملہ آوروں کے ذریعے پھیلا۔ وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ مسلمان حملہ آور محمود غزنوی وغیرہ برصغیر میں مال غنیمت کے لالچ میں آئے اور انھوں نے نہ صرف یہاں کے لوگوں کا مال و دولت لوٹا بلکہ انہیں زبردستی اپنے مذہب میں بھی داخل کرلیا۔ ان کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ ظہورِ اسلام سے پہلے عرب و ہند ایک دوسرے کے لیے اجنبی خطے تھے نہ عرب لوگ برصغیر پاک و ہند کے رہنے والوں سے آشنا تھے اور نہ یہاں کے لوگ عربوں سے کوئی تعلق رکھتے تھے حالانکہ یہ بات حقیقت سے کوسوں دور ہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت ہندوستانی لوگ عرب کے مختلف علاقوں میں آتے جاتے تھے اور بہت سے وہاں مستقل آباد تھے۔ مکہ اس دور کا بہت بڑا تجارتی اور مذہبی مرکز تھا۔ شام اور یمن کے درمیان یہ شہر تجارت کی سب سے بڑی منڈی تھا۔ قریشی تاجر یہاں سے شام اور یمن کو تجارتی قافلے لے کر آتے جاتے رہتے تھے۔ ہندوستان کے

تاجر اور صناع اس شہر میں مستقل سکونت اختیار کیے ہوئے تھے۔ ہندی کاریگر مکہ میں تلواریں بناتے تھے۔ مکہ کی مذہبی مرکزیت سے بھی ہندوستان کے لوگ آگاہ تھے۔ نیز وہ کعبہ کی عظمت کے بھی قائل تھے اگرچہ اس باب میں وہ جاہلی عربوں کی طرح مشرکانہ اعتقادات رکھتے تھے۔ عربوں کے اشعار میں ہندوستان کا اور یہاں کی چیزوں اور باشندوں کا ذکر ملتا ہے نہ صرف یہ کہ ہندی لوگ عرب میں آتے جاتے اور وہاں مستقل سکونت رکھتے تھے بلکہ عرب لوگ بھی ہندوستان اور چین کی طرف تجارتی سفر کیا کرتے تھے اور ہزارہا سال سے یہاں کی تجارت کے واحد مالک تھے۔ چنانچہ یہ کہنا کہ ظہور اسلام کے وقت عرب و ہند میں اجنبیت اور بُعد تھا مسلمہ تاریخی حقائق کا انکار ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ عرب و ہند کے تعلقات طلوعِ اسلام سے بہت پہلے ہزاروں سالوں سے استوار تھے۔

فرانس کا مشہور مستشرق ڈاکٹر گستاؤلی بان اپنی کتاب تمدن ہند (اردو ترجمہ از مولوی سید علی بلگرامی) میں ''ہندوستان کے تعلقات یورپ کے ساتھ زمانہ قدیم اور زمانہ متوسط میں'' کے عنوان کے تحت رقم طراز ہے۔

''بہت ہی قدیم زمانے میں یورپ و ہند میں پیداوار کا تبادلہ ہوا کرتا تھا۔ اگرچہ دور دراز راہ سے ان دونوں دنیاؤں میں تجارت تھی لیکن یہ ایک دوسرے سے واقف نہ تھے۔ یہ تجارت ایشیائے کوچک کے ذریعہ سے ہوا کرتی تھی اور مال یا تو تاتار و ایران سے ہو کر آتا تھا یا مصر سے جہاں وہ بحر احمر و خلیج فارس کے اندر سے پہنچایا جاتا تھا۔ اس زمانہ کے تاجر عرب تھے۔''

اس اقتباس سے واضح ہو جاتا ہے کہ عرب زمانہ قدیم سے ہند کے واقف تھے۔ یہاں آتے جاتے تھے۔ ہند کے ساتھ ان کے گہرے تعلقات تھے۔ بلکہ وہ ہزاروں سال پہلے سے ہند کی تجارت کے واحد مالک تھے۔ یہاں کا سارا سامان تجارت انہیں کے ذریعے یورپ اور دنیا کے دیگر علاقوں تک جاتا تھا۔ لی بان نے جو تاتار و ایران کا ذکر کیا ہے تو اس طرف سے ہونے والی تجارت باقاعدہ نہ تھی اور بہت ہی محدود تھی۔ چنانچہ اس مقام پر چند سطر بعد لی بان نے یہ وضاحت کی ہے کہ کشمیر اور ایران کی طرف سے تجارت کا خشکی کا راستہ زیادہ مقبول نہیں تھا۔ اصل تجارتی راستہ سمندری ہی تھا جس کے زمانہ قدیم میں واحد مالک و قابض عرب تھے۔

اس بات کو لی بان نے تمدن ہند ہی میں آگے چل کر ہندی علوم کے عنوان کے تحت علوم وفنون کے باب میں ان الفاظ کے ساتھ لکھا ہے۔ ''سن مسیحی سے بہت پہلے عربوں کے تجارتی تعلقات ہندوستان سے قائم تھے اور عرب ہی مشرق ومغرب کے باہم ملنے کا ذریعہ تھے۔''

ڈاکٹر تاراچند کی کتاب جو اردو میں ''تمدن ہند پر اسلامی اثرات'' کے نام سے چھپی ہے' میں اس حقیقت کو بڑی صراحت سے بیان کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عرب حملہ آوروں خصوصاً محمد بن قاسم کے حملوں سے بہت پہلے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دور مسعود میں برصغیر میں اسلام کی اشاعت کا آغاز ہو چکا تھا۔

عرب وہند کے تعلقات ہزاروں سال پرانے ہیں

عرب تاجر ہزاروں سال سے ہندوستان کے ساحلوں پر آتے تھے وہ یہاں کی چیزیں دوسرے ممالک کو لے جاتے اور دوسرے ممالک کی اشیاء ہندوستان میں لاتے تھے۔ ان کے تعلقات یہاں کے لوگوں اور حکمران راجوں' مہاراجوں سے بڑے اچھے اور گہرے ہوا کرتے تھے۔ سید سلیمان ندوی نے اپنی کتاب ''عرب وہند کے تعلقات'' میں اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے۔

''ہندوستان اور عرب دنیا کے وہ ملک ہیں جو ایک حیثیت سے ہمسایہ اور پڑوسی کہے جا سکتے ہیں۔ ان دونوں کے بیچ صرف سمندر حائل ہے جس کی سطح پر ایسی وسیع اور لمبی چوڑی سڑکیں نکلی ہیں جو ایک ملک کو دوسرے سے باہم ملاتی ہیں۔ یہ دونوں ملک ایک سمندر کے دو آمنے سامنے کے خشکی کے کنارے ہیں۔ اس جل تھل سمندر کا ایک ہاتھ اگر عربوں کے ارض حرم کا دامن تھامے ہے تو اس کا دوسرا ہاتھ ہندوؤں کے آریاورت کے قدم چھوتا ہے۔ دریا کنارے کے ملک فطرۃً تجارتی ہوتے ہیں۔ یہی پہلا رشتہ ہے جس نے ان دونوں قوموں کو باہم آشنا کیا۔ عرب تاجر ہزاروں برس پہلے سے ہندوستان کے ساحل تک آتے تھے اور یہاں کے بیوپار اور پیداوار کو مصر اور شام کے ذریعے سے یورپ تک پہنچاتے تھے اور وہاں کے سامان کو ہندوستان' جزائر ہند' چین اور جاپان تک لے جاتے تھے۔

عربوں کا راستہ یہ تھا کہ وہ مصر و شام کے شہروں سے چل کر خشکی کی راہ بحر احمر کے کنارے کنارے حجاز کو طے کر کے یمن تک پہنچتے تھے اور وہاں سے بادبانی کشتیوں میں بیٹھ کر کچھ تو افریقہ اور حبشہ کو چلے جاتے تھے اور کچھ وہیں سے سمندر کے کنارے کنارے حضر موت' عمان' بحرین اور عراق کے کناروں کو طے کر کے خلیج فارس کے ایرانی ساحلوں سے گزر کر یا تو بلوچستان کی بندرگاہ تیز میں اتر پڑتے تھے یا پھر آگے بڑھ کر سندھ کی بندرگاہ دیبل (کراچی) میں چلے جاتے تھے اور پھر اور آگے بڑھ کر گجرات اور کاٹھیاواڑ کی بندرگاہ تھانہ (بمبئی) کھمبایت چلے جاتے تھے۔ پھر آگے بڑھتے تھے اور سمندر سمندر کالی کٹ اور راس کماری پہنچتے تھے اور پھر کبھی مدراس کے کنارے پر ٹھہرتے تھے اور کبھی سراندیپ (لنکا) انڈمان ہو کر خلیج بنگال میں داخل ہو جاتے تھے اور بنگال کی ایک دو بندرگاہوں کو دیکھتے ہوئے برما اور سیام ہو کر چین چلے جاتے اور پھر اسی راستے سے لوٹ آتے تھے۔''

دنیا کی پہلی سمندری تاجر قوم

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ ''دنیا کی پہلی دریائی تاجر قوم کا نام فینیشن ہے۔ یہ یونانی نام ہے۔ عبرانی میں ان کا نام کنعانی ہے اور آرامی بھی ان کو کہتے ہیں۔ اہل عرب ان کو ارم کہتے ہیں اور یہی نام قرآن پاک میں ہے۔ عاد ارم ذات العماد ''بڑے بڑے ستونوں اور عمارتوں والے عاد ارم'' اور اسی مناسبت سے عربی تخیل کے ذریعہ سے ''بہشت ارم'' ہماری زبان میں بھی بولتے ہیں۔

یہ کون قوم تھی؟ محققین کا بیان ہے کہ یہ عرب تھے جو ساحل بحرین کے پاس سے اٹھ کر شام کے ساحل پر جا بسے تھے۔ بحرین گویا مشرق میں مشرقی ملکوں کی بندرگاہ ان کی تھی اور تائر شام میں بحر روم (میڈیٹرینین سی) کے کنارہ ان کی مغربی بندرگاہ تھی جہاں سے وہ یونان کے جزیروں میں اور یورپ کے شہروں اور شمالی افریقہ کے کناروں تک چلے جاتے تھے اور ادھر مشرق میں وہ ایران' ہندوستان اور چین تک کی خبر لیتے تھے''

(عرب و ہند کے تعلقات)

لی بان اس قدیم تاجر قوم جو اصل میں قدیم عرب تھے کے بارے میں لکھتا ہے۔ ”زمانہ قدیم میں عربوں ہی کی بدولت یورپ کے تعلقات اقصائے ممالک ایشیا کے ساتھ قائم رہے۔ عربوں کی تجارت محض عربستان کی پیداوار تک محدود نہ تھی بلکہ وہ ان اجناس کی تجارت کرتے تھے جو افریقہ اور ہندوستان سے آتی تھیں۔ ان کی تجارت اکثر ان اشیاء کی تھی جو سامان عیش و عشرت میں شامل ہیں مثلاً ہاتھی دانت' مصالحہ جات' خوشبو' عطریات' جواہرات' سونے کا سفوف' لونڈی غلام وغیرہ وغیرہ۔ بہت دنوں تک یہ تجارت فینیقین (فینیشین) کے ذریعہ سے جن کی زبان عربی سے بہت مشابہ تھی ہوا کی۔ یہ لوگ سامان تجارت کو لا کر اپنے بڑے شہروں میں جن میں سے ایک صور تھا جمع کرتے تھے اور پھر وہاں سے اسے تمام عالم میں پھیلاتے تھے۔“

(لی بان' تمدن عرب' حالات یمن میں)

قدیم عربوں کے ہند پر اثرات

اس اقتباس سے جہاں یہ پتہ چل رہا ہے کہ عرب قدیم سے ہند کے ساتھ تعلق رکھتے تھے وہیں یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ انہیں عربوں کے قدیم آباؤ اجداد جو فینیقی کہے گئے ہیں ہند کے ساتھ گہرے روابط رکھتے تھے۔ ان کے اثرات ہند پر کتنے گہرے تھے اس کے لیے ایک اقتباس ملاحظہ کریں۔

”یہ سب کو معلوم ہے کہ ہندوستان کی تمام تحریریں بلکہ تمام آرین تحریریں بائیں طرف سے لکھی جاتی ہیں لیکن اس آریاورت کی ابتدائی تحریریں حیرت سے سنا جائے گا کہ سامی طرز تحریر کی طرح داہنی طرف سے شروع ہوتی تھیں۔ علاوہ اس کے گنتی کے لکھنے کا طریقہ بھی اسی تاجر قوم سے شاید سیکھا گیا تھا۔“ (عرب و ہند کے تعلقات)

قدیم عرب یعنی فینیقی نہ صرف ہند سے تجارت کرتے تھے بلکہ ان کے استاد بھی تھے۔ محولہ بالا بیان سے واضح ہوتا ہے کہ تحریر اور گنتی جیسے بنیادی اور اہم علوم ہندیوں نے قدیم عربوں سے ہی سیکھے تھے۔ سامی طرز تحریر کی اس گواہی کے علاوہ ایسے شواہد بھی ہیں جن سے عرب و ہند کے تعلقات کی قدامت کا پتہ چلتا ہے نیز معلوم ہوتا ہے کہ ہندی لوگ زمانہ قدیم میں عربی سے

واقف تھے۔ سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے:

"لیکن اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ مہابھارت کے زمانہ میں بھی ہندوستان میں ایسے لوگ تھے جو عربی زبان سے واقف تھے۔ گو مشکل سے اس کا یقین آ سکتا ہے تاہم چونکہ ایک بڑے پنڈت نے اس کو مانا ہے اس لیے مجھے اس کے انکار کی جرأت نہیں"

(سید سلیمان ندوی' عرب ہند کے تعلقات)

یہ مشہور اور بڑے پنڈت ستیاتھ پرکاش کے مصنف سوامی دیانند جی ہیں۔ انھوں نے اپنی اسی تصنیف ستیارتھ پرکاش میں اس بات کی صراحت کی ہے۔

یہ حوالے تو ہندوؤں کے عربوں اور عربی زبان کے ساتھ تعلق کو ظاہر کرتے ہیں جیسے ان کے ابتدائی طرز تحریر کا سامی یعنی عربی طرز پر ہونا گنتی کے لیے عربی اعداد کو اختیار کرنا' ان دونوں امور کی مفصل تحقیق انسائیکلو پیڈیا آف بریٹانیکا میں موجود ہے۔

انسائیکلو پیڈ آف بریٹانیکا کا مضمون نگار لکھتا ہے۔

"ہندوستانی حروف کی ابتدا کا مسئلہ ابھی شکوک سے گھرا ہوا ہے۔ ہندوستانی تحریر کے قدیم ترین نمونے وہ کتبات ہیں جو چٹانوں پر کندہ ہیں۔ یہ پالی زبان (وہ پراکرت جو جنوبی بدھ مذہبی تحریروں کے لیے استعمال کی جاتی تھی) کے وہ مذہبی احکام ہیں جن کو سن ۲۰۳ ق م میں موریہ خاندان کے شہنشاہ اشوک نے کندہ کرایا تھا اور یہ شمالی ہند میں شمالی مغربی سرحد پر پشاور کے مضافات اور گجرات میں گرنار سے لیکر مشرقی ساحل پر کٹک کے ضلع میں جوگادہ اور دھولی تک پھیلے ہوئے ہیں انتہائے مغرب کے وہ کتبات جو کپوردا گڑھی یا شہباز گڑھی اور منصورہ کے قرب و جوار میں ہیں دوسرے کتبان کے حروف تہجی سے بالکل جداگانہ حروف میں لکھے گئے ہیں۔ وہ داہنی جانب سے بائیں جانب پڑھے جاتے ہیں۔ ان کو عموماً "آرین پالی" کہا جاتا ہے۔ یہ حروف یونانی اور اراینا کے ہندی ستھین حکمرانوں کے سکوں میں بھی استعمال کیے گئے ہیں۔ رہے دوسرے حروف جو بائیں جانب سے داہنی جانب پڑھے جاتے ہیں۔ "ہندی پالی" حروف کہلاتے ہیں۔ مقدم الذکر نے جن کو کھروشتی (خروشتی) یا گندھارا (لیپی) حروف بھی کہا جاتا ہے اور جو بظاہر کسی سامی اور (شاید آرامی) زبان سے ماخوذ ہیں ہندوستان کی بعد کی

تحریروں میں کوئی اثر نہیں چھوڑا ہے۔ دوسری طرف ہندی پالی (یا براہمی) حروف جن سے موجودہ ہندوستانی حروف ماخذ ہیں بہت زیادہ مشکوک الاصل ہیں اور اگرچہ اشوک کے وقت تک اس خط نے بہت زیادہ ترقی کر لی تھی اور اس کو علمی مقاصد میں حیرت انگیز طور پر استعمال کیا جانے لگا تھا' تاہم اس کے بعض حروف کا قدیم فینیقی حروف سے (جو شاید خود مصری ہیروفلیفی خط سے ماخوذ تھے) تشابہ یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ شاید یہ بنی سامی الاصل ہوں۔ اس کے اپنے ملک میں روشناس ہونے کے وقت اور...... کا پتہ شاید اب کبھی نہ چلے۔ بہر حال پروفیسر بولر نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ شاید عراق کے تاجروں نے آٹھویں صدی ق م میں ان حروف کو یہاں روشناس کرایا ہو۔ تاہم موریہ اور اندھرا کتبات میں ان حروف نے جو مکمل شکل اختیار کر لی ہے اور جس وسیع حلقہ میں وہ پھیلے ہوئے ہیں ان چیزوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کے تسلیم کرنے میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ ہندوستان میں اشوک کے بہت پہلے فن کتابت کا مختلف اغراض ومقاصد کے لیے استعمال ورواج موجود تھا۔ یہ واقعہ کہ اس عہد کے ادبیات میں تحریر کا کہیں بھی ذکر نہیں ہے شاید اس بنا پر ہو کہ برہمن اپنی مقدس تصانیف کو ضبط تحریر میں لانا پسند نہیں کرتے تھے۔

اب رہا ہندوستان میں اعداد کا سوال تو عیسوی سنہ کے ابتدائی دور میں خروشتی کتبات میں جو طریقہ ہے وہ یہ ہے کہ ابتدائی تین عدد لکیروں کے ذریعہ سے ظاہر کیے جاتے ہیں۔ 4 ایک جھکے ہوئے کراس (صلیب) کی طرح ہے اور ۵-۹ تک اس طرح: ۴ (+) وغیرہ تا ۴ (+) ۱۔ اس کے علاوہ ۱۰' ۲۰ اور ۱۰۰ کے لیے خاص اعداد ہیں اور باقی دہائیوں کو یوں لکھا جاتا ہے۔ مثلاً ۵۰=۲۰ (+) ۲۰ (+) ۱۰۔ اس طریقہ کے متعلق ثابت ہو چکا ہے کہ یہ سامی اور شاید ارامی ہے۔ براہمی کتبات میں چھٹی صدی عیسوی تک ایک دوسری قسم کے اعداد استعمال کیے گئے ہیں۔ ایک سے تین تک کے لیے آری لکیریں ہیں' پھر ۴-۹ تک اکائیوں اور ۱۰' ۹۰' ۱۰۰ اور ۱۰۰۰ کے لیے خاص علامات ہیں۔ یہ طریقہ بہت ممکن ہے کہ مصر سے ماخوذ ہو اور کسور اعشار یہ کے لیے یہ طریقہ جو سب سے پہلے گجرات کے کتبہ میں ملتا ہے شاید یہیں کے منجمین یا ریاضی دانوں کی ایجاد ہو۔"   (بحوالہ عرب وہند کے تعلقات)

نیز ستیارتھ پرکاش کا سابق میں گزرا ہوا حوالہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ مہابھارت کی جنگ کے وقت ہندو عوام نہیں تو کم از کم خواص میں ایسے لوگ موجود تھے جو عربی زبان سے واقف تھے۔

ہند کے قدیم عربی پر اثرات

زمانہ قدیم سے اگر اہل ہند کا یہ عالم تھا کہ اہل عرب اور عربی زبان ان پر اس قدر گرفت رکھتی تھی کہ وہ حروف واعداد تک اس سے لیتے تھے اور اس کی جڑیں ان کے ادب تک پہنچی ہوئی تھیں تو دوسری طرف اہل عرب بھی ان سے کم متاثر نہ تھے۔ ان کے قدیم ادب میں بھی ہند اور اہل ہند کو بڑی پذیرائی حاصل تھی۔ وہ ہند سے کس قدر متاثر تھے۔ سید سلیمان ندوی کے الفاظ اس حقیقت کو یوں بیان کرتے ہیں۔

''یہ عجیب حیرت انگیز بات ہے کہ ''ہند'' کا لفظ عربوں کو ایسا پیارا معلوم ہوا کہ انھوں نے ملک کے نام پر اپنی عورتوں کا یہ نام رکھا۔ چنانچہ عربی شاعری میں یہ نام وہ حیثیت رکھتا ہے جو فارسی میں لیلیٰ اور شیریں کا ہے۔'' (عرب و ہند کے تعلقات)

حضرت ہندہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مشہور صحابیہ ہیں۔ حضرت ابوسفیان کی بیوی اور حضرت معاویہ کی والدہ ہیں۔ مسلمان ہونے سے پہلے اسلام دشمنی میں بہت مشہور تھیں۔ حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مشہور صحابی ہیں۔

نیز عربی ادبیات میں ہندوستانی اشیاء کا ذکر ہمیں قدیم زمانے سے ملتا ہے۔ مثلاً ہندی تلوار جسے عرب کئی ناموں سے یاد کرتے تھے جیسے سیف ہند' مہند' ہندوانی اور ہندی وغیرہ۔ ہندی نیزے جو عربوں کے ہاں خطی اور سمہری نیزوں کے نام سے مشہور تھے۔ اسی طرح مشک' کافور' عوذ' (اگر) قرنفل (لونگ)' زنجبیل (سونٹھ)' فلفل (مرچ)' قسط (کٹھ)' ساج (ساگوان)' داذی (تاڑی' شراب کی ایک قسم)' سندھی کپڑے جنہیں عرب مسندہ اور مسندیہ کہتے تھے' دجاج ''سندی'' (سندھی مرغی)' دیک ''سندی'' (سندھی مرغا) وغیرہ کا ذکر عربی ادبیات میں ہمیں کثرت سے ملتا ہے۔

چند اشعار اور ادبی حوالے جن میں ہندی اشیاء کا ذکر ہے یہاں تحریر کیے جاتے ہیں۔

طرفہ بن عبد اپنے معلقہ میں کہتا ہے۔

وظلم ذوی القربیٰ اشد مضاضۃً
علی المرء من وقع الحسام المهند

ترجمہ:۔ آدمی پر اپنوں کا ظلم تکلیف میں ہندی تلوار کی کاٹ سے زیادہ شدید ہے۔

دیوان حاتم طائی میں ہے۔

ساذخر من مالی دلاصاً وسابجاً
واسم خطیاً وعضباً مهنداً

ترجمہ:۔ میں عنقریب اپنے مال سے عمدہ زرہیں' پکے رنگ والے خطی نیزے اور تیز ہندی تلواریں ذخیرہ کروں گا۔

فضل بن عبدالصمد نے کہا ہے۔

انعت قوساً ذی انتقاء
جاء بها جالب بروصاء

ترجمہ:۔ میں نے تعریف کی ہے اس کمان کی جو صاف ستھری ہے جسے منگوانے والے نے بھڑوچ (ہندوستان کا ایک ساحلی مقام جسے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فتح کیا تھا) سے منگوایا ہے۔

امراءالقیس کہتا ہے۔

اذا قامتا تضوع المسك منهما
نسیم الصبا جاءت بریا القرنفل

ترجمہ: جب وہ دونوں کھڑی ہوتی ہیں تو ان سے مشک کی خوشبوئیں پھیلتی ہے جیسے نسیم صبح قرنفل (لونگ) کی خوشبو لائی ہو۔

نابغہ شیبانی کا شعر ہے۔

من الخضرات خلت رضاب فیها
سلافة قرقف شیبت بمسك

ترجمہ: باحیا دوشیزاؤں کا لعاب دہن لونگ کی ایسی شراب کی طرح ہے جس میں مشک ملا ہوا ہو۔

نابغہ شیبانی ہی کا ایک شعر ہے۔

قد عبق العبير بها و مسك

يخالطه من الهندى عود

ترجمہ:۔ اس کے بدن پر زعفرانی خوشبو اور ایسا مشک لپٹا ہے جو عود ہندی (اگر) میں مخلوط ہے۔

ایک دوسرے مقام پر نابغہ نے کہا ہے۔

كان رضاب المسك فوق لثاتها

وكافور دارى و راحاً تصفق

ترجمہ:۔ گویا محبوبہ کے مسوڑھوں پر مشک محلول اور کافور داری اور شراب مچل رہے ہیں۔

اعشیٰ کا قول ہے۔

كان القرنفل و الزنجبيل باتا بفيها دارياً مشوراً

ترجمہ:۔ گویا اس کے (محبوبہ کے) منہ میں شہد کے ساتھ لونگ اور سونٹھ نے مشک داری میں رات گزاری ہے۔

زنجبیل سونٹھ کو کہتے ہیں' تازہ ہو تو ادرک کہا جاتا ہے۔

نابغہ شیبانی کہتا ہے۔

وقبة لاتكاد الطير تبلغها

اعلى محاريبها بالساج مسقوف

ترجمہ:۔ وہ قبہ اتنا بلند ہے کہ پرندے بھی اس کو نہیں پہنچ سکتے اس کی سب سے اونچی محراب پر ساگوان کی چھت ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دو ہزار برس پہلے کے عرب اور ہندی سامانِ تجارت

تاریخی کتب کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دو ہزار سال قبل عرب تاجر مصر جاتے تھے۔ ان کے پاس دیگر سامان تجارت کے علاوہ

آب دار فولاد' تیز پات اور مصالحے دستیاب ہوتے تھے۔ یہ خالص ہندوستانی اشیاء ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ عرب ہزاروں سال پہلے ہندوستان سے تجارتی مال لاتے تھے۔

''مسیح سے دو ہزار برس پہلے جو عرب تاجر بارہا مصر کو جاتے دکھائی دیے ہیں ان کا سامان یہ تھا۔ بلسان' صنوبر اور دوسری خوشبودار چیزیں' یمن کی ملکہ حضرت سلیمان کے لیے جو تحفہ سنہ ۹۵۰ ق م میں شام لائی تھی وہ بھی ''خوشبو کی چیزیں بہت سا سونا اور بیش قیمت جواہر'' تھے۔ حزقیال نبی (سنہ ۵۲۸ ق م) کے زمانہ میں اوزال (یمن) سے فولاد' تیز پات اور مسالہ' عرب ہی ملک شام کو لے جاتے تھے۔ حزقیال نبی کہتے ہیں کہ ''اوزال (یمن) سے تیرے بازار میں آبدار فولاد' تیز پات اور مسالہ پہنچ آتے ہیں'' یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ لوبان اور قسم قسم کے خوشبو پھول خود یمن میں پیدا ہوتے تھے مگر آبدار فولاد (تلوار)' تیز پات اور مسالوں کا ملک ہندوستان ہی تھا' اور تلوار' تیز پات اور مسالوں کا ملک وہی آج بھی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ عربوں کے ہندوستان کے تجارتی تعلقات مسیح سے کم از کم دو ہزار برس پہلے سے ہیں۔'' (عرب و ہند کے تعلقات)

حضرت یوسف علیہ السلام سے واسکوڈے گاما تک ہندوستان کی تجارت کے مالک عرب ہی تھے

الفنسٹن کی تاریخ ہند میں یہ صراحت موجود ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں عربوں کے تجارتی کارواں مصر جایا کرتے تھے بلکہ عربوں ہی کے کسی تجارتی قافلے نے حضرت یوسفؑ کو مصر پہنچایا تھا۔ الفنسٹن نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے وقت سے لے کر مارکو پولو اور واسکوڈے گاما کے دور تک ہندوستان کی تجارت کے مالک عرب ہی رہے ہیں۔

سید سلیمان ندوی کا بیان ہے۔

''عربوں کا ملک تین طرف سے سمندروں سے گھرا ہے۔ ملک میں آبادی کے مطابق کافی سرسبزی اور شادابی بھی نہیں۔ ایسا ملک قدرتی طور سے تجارتی ہوگا۔ پھر خوش قسمتی سے اس کی چاروں طرف دنیا کے بڑے بڑے ملک واقع ہیں۔ ایک طرف عراق' دوسری طرف شام'

تیسری طرف مصر اور افریقہ' سامنے ہندوستان ایک رخ پر ایران' ان تمام ملکوں سے عربوں کے براہ راست پرانے تعلقات تھے یہاں ہم کو صرف ہندوستان سے بحث ہے۔ بحرین' عمان' حضر موت' یمن' حجاز یہ مقامات ہیں جو بحر احمر' بحر ہند اور خلیج فارس پر آباد ہیں اور قدرۃً انہی کو اس بحری تجارت کا موقع حاصل تھا۔ اس سے پہلے عربوں کی ہندوستانی بحری آمد ورفت کا نقشہ دکھایا گیا ہے کہ ہندوستان کے ساحل سے جہازات چل کر یمن کی بندرگاہ میں پہنچتے تھے اور وہاں سے ان کا سامان اونٹوں پر لاد کر خشکی کے راستہ سے بحر احمر کے کنارے کنارے شام اور مصر آتا تھا اور وہاں سے بحر روم ہو کر یورپ چلا جاتا تھا۔

ہم کو جب سے دنیا کے تجارتی حالات کا علم ہے ہم عربوں کو کاروبار میں معروف پاتے ہیں اور اسی راستہ سے ان کے قافلوں اور کاروانوں کو شام اور مصر تک آتے جاتے دیکھتے ہیں۔ اس وقت ہمارے پاس دنیا کی بین الاقوامی تاریخ کی سب سے پرانی کتاب تورات ہے۔ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو ہی نسل بعد حضرت یوسف کے زمانہ میں ہم اس تجارتی قافلہ کو اسی راستہ سے گزرتے ہوئے پاتے ہیں اور یہ وہی کارواں ہے جو حضرت یوسف کو مصر پہنچاتا ہے۔ (پیدائش ۳۶:۳۵)۔ اس راستہ کا ذکر یونانی مورخوں نے بھی کیا ہے۔ الغرض حضرت یوسف کے عہد سے لے کر مارکو پولو اور واسکوڈے گاما کے زمانہ تک ہندوستان کی تجارت کے مالک عرب ہی رہے۔" (عرب و ہند کے تعلقات)

اس اقتباس سے عربوں کو قدیم سے دنیا بھر میں جو بین الاقوامی تجارتی مرکزیت حاصل تھی وہ خوب واضح ہو جاتی ہے۔ ہندوستان اور دیگر دور دراز ممالک سے یمن اور وہاں سے مال تجارت کی مصر و شام ترسیل کے بارے میں اطہر مبارکپوری رقمطراز ہیں۔

جنوبی عرب میں ہندوستانیوں کی بحری تجارت کا اہم مرکز یمن تھا جس میں صنعاء' قصر غمدان' مآرب' نجران اور عدن جیسے بڑے بڑے شہر شامل تھے۔ ابن خرداذبہ نے عدن کے بارے میں لکھا ہے:۔

وبها العنبر والعود والمسك ومتاع یہاں پر عنبر' عود' مشک ملتا ہے اور سندھ' السند والهند والصين ہندوستان' چین' زنج' حبشہ' فارس' بصرہ'

والزنج والحبشته وفارس والبصرة وجدة وقلزم۔ | جدہ اور بحر قلزم کے سامان اور مال رہتے ہیں۔

یمن کی قدیم تجارت میں ہندوستانی اشیاء کی کثرت اوران کی نکاسی کا اندازہ اس بیان سے ہوتا ہے:

وکانت التجارة قدیما فی ید الیمنیین وکانوا هم العنصر الظاهر فیها فعلی یدهم کانت تنقل غلات حضرموت و ظفارووارداات الهندالی الشام و مصر۔

قدیم زمانہ میں تجارت اہل یمن کے ہاتھ میں تھی اور یہ لوگ تجارت میں غالب عنصر تھے ان کے ہاتھوں حضرموت اور ظفار کے مال اور ہندوستان کی چیزیں شام اور مصر جایا کرتی تھیں۔ (عرب و ہند عہدِ رسالت میں)

عرب و ہند کی قدیم تجارتی شاہراہ کے نشیب وفراز کی کہانی

تقریباً تین سو سال قبل مسیح میں مصر پر یونانیوں نے قبضہ کرلیا۔مصر سے ہندوستان تک کی تجارتی شاہراہ ان کے تصرف میں آ گئی۔مصر سے شام تک کا راستہ بھی ان کے ہاتھ میں تھا جس سے عربوں کی تجارت بری طرح متاثر ہوئی۔

انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا میں ہے۔

''جنوبی مغربی عرب (حضرموت اور یمن) کی خیر و برکت کا سب سے بڑا سبب اس زمانہ میں یہ تھا کہ مصر اور ہندوستان کے درمیان کا تجارتی سامان پہلے سمندر کی راہ سے یہاں آتا تھا اور پھر خشکی کی راہ سے مغربی ساحل پر جاتا تھا۔یہ تجارت اس زمانہ میں بند ہوگئی کیونکہ مصر کے بطلیموسی بادشاہوں نے ہندوستان سے اسکندریہ تک براہ راست ایک راستہ بنالیا''۔

(بحوالہ عرب و ہند کے تعلقات)

انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کے مضمون نگار کا یہ خیال کہ ''یہ تجارت اس زمانہ میں بند ہوگئی تھی۔'' درست نہیں' مصر پر یونانیوں کے قبضے نے عربوں کی تجارت کو متاثر ضرور کیا تھا اور اس کی پہلی رونقیں برقرار نہیں رہی تھیں مگر وہ بالکلیہ بند نہیں ہوئی تھی۔یونانی مؤرخ آ گاتھر شیدس جو دو سو سال قبل مسیح میں تھا کا بیان ہے۔

''جہازات ہندوستان کے ساحل سے سبا (یمن) آتے ہیں اور وہاں سے مصر پہنچتے ہیں''۔
(بحوالہ عرب و ہند کے تعلقات)

حضرت مسیح علیہ السلام سے سو برس پہلے آرٹی میڈروس کہتا ہے۔

''سبا (یمن کی ایک قوم) آس پاس کے لوگوں سے تجارتی اسباب خریدتے ہیں اور وہ اپنے ہمسایوں کو دیتے ہیں اور اسی طرح دست بدست وہ اسباب شام اور جزیرہ تک پہنچ جاتا ہے۔''
(بحوالہ عرب و ہند کے تعلقات)

سید سلیمان ندوی کی تحقیق ہے۔

''اس قسم کے اور دوسرے بیانات سے بھی یہ ثابت ہے کہ عرب اس زمانہ میں بالکل مٹ نہیں گئے بلکہ یونانیوں کے ساتھ ساتھ ان کا کام بھی باقی رہا۔''

(عرب و ہند کے تعلقات)

الفنسٹن کی بھی یہی تحقیق ہے۔اس کی تاریخ ہند میں تصریح موجود ہے کہ یونانیوں کے زمانے میں مصر کی راہ سے عربوں کا ہند سے تعلق بالکل ختم نہیں ہو گیا بلکہ جنوب مغربی عرب کا تجارتی تعلق ہند سے بدستور قائم رہا البتہ یہ ضرور ہوا کہ یونانیوں کے اثرات کی وجہ سے اس تجارت میں کس قدر کمی آ گئی۔

مصر کی راہ سے یورپ والوں کا ہندوستان سے جو قدیم تعلق عربوں کے ذریعے قائم تھا اس کے نشیب و فراز پر گفتگو کرتے ہوئے سید سلیمان ندوی رقمطراز ہیں۔

''یورپ اور ہندوستان کا راستہ نہایت اہم تھا اور ہے اور اسی کے ذریعہ تاریخ میں بڑے بڑے انقلابات ہوئے ہیں۔گزر چکا ہے کہ یہ راستہ پہلے خالص عربوں کے ہاتھوں میں تھا' جب یونانیوں نے حضرت مسیح سے تقریباً ۳ سو برس پہلے مصر پر قبضہ کیا تو وہ اس دریائی شاہراہ پر قابض ہو گئے۔حضرت مسیح کے ۶ سو برس بعد جب اسلام آیا اور عربوں نے عروج پایا تو چھٹی صدی مسیحی میں وہ مصر سے لے کر اسپین تک چھا گئے اور ساتھ ہی بحر روم پر بھی وہ قبضہ پا گئے اور بحر روم کے اہم جزیروں کریٹ اور سائپرس وغیرہ کو بھی انھوں نے اپنے مقبوضات میں داخل کر لیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا میں تجارت اور سوداگری کی یہ سب سے بڑی سڑک عربوں کے ہاتھ میں آگئی اور صدیوں تک وہ اس پر قابض رہے۔ چودھویں صدی عیسوی میں یورپ کی عیسائی قوموں نے عربوں کو رومی سرزمینوں سے نکالنے کی پوری کوشش کی مگر عین اس وقت جب وہ اسپین اور شمالی افریقہ میں کامیاب ہو رہے تھے اور راستہ کو صاف کر رہے تھے کہ ایشیائے کوچک سے ترکوں نے سر نکالا اور پھر بحر روم کا یہ راستہ مسلمانوں ہی کے پاس رہ گیا۔ اس دقت نے یورپ کی قوموں کو مجبور کیا کہ وہ ہندوستان کا کوئی دوسرا راستہ پیدا کریں۔ اسی کوشش کا نتیجہ ہے کہ شمالی افریقہ اور بحر روم کو چھوڑ کر جنوبی افریقہ کے راستہ سے ہندوستان کا سراغ لگایا گیا۔ اس راستہ میں ڈچ، پرتگال اور بعد کو انگریز اور فرانسیسی بھی شریک ہو گئے اور ہندوستان کی وہ تجارت جو عربوں کے ہاتھوں میں تھی اس کو ان سے لڑ بھڑ کر چھیننے لگے۔ اس کشمکش میں اہل مغرب اور اہل مشرق کی ایک سخت دریائی جنگ بھی ہندوستان کے سواحل پر ہوئی۔ اس جنگ میں مشرق کو شکست ہوئی اور یہی شکست اہل مشرق کی تمام آئندہ شکستوں کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ اس جنگ میں مصری' عربی اور دکن کی مختلف ہندو اور مسلمان سلطنتوں کے جنگی جہازوں کے بیڑے ایک ساتھ مل کر یورپین جہاز راں قوموں کے جہازوں سے لڑتے تھے۔ اس شکست کا یہ نتیجہ ہوا کہ تقریباً اس زمانہ سے آج تک تمام جزائر ہند اور سواحل کی تجارت اہل یورپ کے ہاتھ میں آگئی۔ مدارس کے عرب تاجروں کو جن کو موپلا کہتے ہیں جو اس وقت ہندوستان کے اس گوشہ اور جزیروں کی تجارت کے مالک تھے ان کے جہازوں کو ہر طرح تباہ و برباد کر دیا گیا۔

اس کے بعد بھی بحر روم کے قریب تر راستہ کی ملکیت کا خیال اہل یورپ کے دل سے دور نہیں ہوا۔ چنانچہ اس کو اور قریب تر کرنے کے لیے بحر احمر (ریڈسی) اور بحر روم کے درمیان کی پتلی خشکی کھود کر نہر سویز نکالی گئی اور پھر مصر اور سویز پر قبضہ ضروری خیال کیا گیا تاکہ یورپ اور ہندوستان کا یہ اہم تاریخی راستہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے۔

یہ وہ واقعات ہیں جو ہندوستان اور اس کے جزائر پر یورپین قوموں کے تاجروں کی آمد و رفت کے سلسلہ میں ہندوستان کی ہر تاریخ میں لکھے ہوئے ملتے ہیں۔ ان واقعات سے

عربوں اور ہندوؤں کے تجارتی تعلقات کی تاریخ کے مختلف دور نمایاں ہوتے ہیں۔

(عرب و ہند کے تعلقات)

یہ تو اس سمندری راہ کی کہانی تھی جو ہندوستان سے یمن اور یمن سے مصر کو جاتی تھی۔ اس بحری راستے کے علاوہ عرب اور ہند کے درمیان تعلق کا ایک دوسرا قدیم راستہ بھی تھا جو خلیج فارس سے ہو کر جاتا تھا۔ خلیج فارس کے ساحلوں کے عرب اور پارسی ہزاروں سالوں سے خشکی اور تری کی راہ سے سامان تجارت لاتے اور لے جاتے تھے۔ یہ راستہ ہمیشہ کھلا رہا اور یونانی یا کسی دوسری قوم کے قبضے سے بچا رہا۔ اس کے مالک ہمیشہ عرب ہی رہے۔ وہ ہندوستان کے تمام ساحلی مقامات اور بحر ہند کے ایک ایک جزیرے سے ہوتے ہوئے بنگال اور آسام تک جاتے۔ وہاں سے سمندر سمندر چین پہنچتے۔ پھر اسی راہ سے واپس خلیج فارس ہوتے ہوئے عرب سواحل پر آجاتے۔

سید سلیمان ندوی کہتے ہیں۔

"ہندوستان اور عرب کا دوسرا تجارتی راستہ جس کا تعلق خلیج فارس سے تھا وہ بدستور عربوں کے ہاتھوں میں ہمیشہ نظر آتا رہا ہے۔ البتہ عمان' حضرموت اور عراق میں مختلف سلطنتوں کے ادلنے بدلنے اور بندرگاہوں کے ٹوٹنے اور بننے سے تجارتی مرکز اس شہر سے اس شہر اور اس بندرگاہ سے اس بندرگاہ میں منتقل ہوتا رہا۔" (عرب و ہند کے تعلقات)

عرب میں ہندوستانی مال کے بڑے بڑے مراکز اور منڈیاں

اسلام کے عروج اور ایرانیوں کے آخری دور میں خلیج فارس کی راہ سے ہندوستانی تجارت کا سب بڑا مرکز عراق کی بندرگاہ ابلہ تھی' جسے ۱۴ھ میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے فتح کیا۔

سید سلیمان ندوی نے ابلہ کے حالات میں لکھا ہے۔

"عربوں کے سنہ ۱۴ھ میں عراق پر قبضہ کرنے سے پہلے ایرانیوں کے زمانہ میں ہندوستان کے لیے خلیج فارس کا سب سے بڑا اور مشہور بندرگاہ ابلہ تھا جو بصرہ کے قریب واقع

تھا۔ ابلہ سے ہندوستان کی تجارتی آمدورفت اس کثرت سے تھی کہ اہل عرب ابلہ کو ہندوستان ہی کا ایک ٹکڑا سمجھتے تھے۔ چین اور ہندوستان سے آنے والے جہازات یہیں ٹھہرتے اور یہیں سے روانہ ہوتے تھے۔ ہندوستان کے بیوپار اور پیداوار کو عربوں کی نگاہ میں جو اہمیت حاصل تھی اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک عرب سیاح سے پوچھا کہ ہندوستان کے متعلق تمہاری رائے کیا ہے؟ اس نے تین مختصر فقروں میں اس بلاغت کا جواب دیا جس سے زیادہ بلیغ کوئی جواب نہیں ہوسکتا۔ اس نے کہا "**بحرھا در وجبلھا یاقوت وشجرھا عطر**" اس کے دریا موتی ہیں' اس کے پہاڑ یاقوت ہیں اور اس کے درخت عطر ہیں۔

عراق کی فتح کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فکر ہوئی کہ عراق کی یہ بندرگاہ بھی عربوں کے قبضہ میں آئے' چنانچہ سنہ ۱۴ھ میں آپ نے اس پر قبضہ کرنے کا حکم دیا اور لکھا کہ "اس کو مسلمانوں کا تجارتی شہر (قیروان یعنی کاروان) بنادیا جائے" چنانچہ اس وقت سے لے کر سنہ ۲۰۶ھ تک یہ بندرگاہ قائم رہی۔ رنگوں کی لڑائی میں سنہ ۲۵۶ھ میں یہ تباہ ہوگئی۔ عراق کی دوسری مشہور بندرگاہ بصرہ کے نام سے سنہ ۱۴ھ ہی میں عربوں نے بنالی تھی مگر وہ ابلہ کی تجارتی حیثیت کو فنا نہ کرسکا اور اس کی وجہ غالباً یہ ہوئی کہ بصرہ خالص تجارتی مرکز ہونے کے بجائے عربوں کا جنگی اور سیاسی مرکز زیادہ بن گیا۔ مگر اس پر بھی ہندوستان' چین اور حبشہ کی تجارت کا رخ رفتہ رفتہ ادھر مڑنے لگا اور اس نے سیاسی انقلابات کے باوجود بڑی رونق حاصل کرلی خصوصاً پہلی صدی ہجری کے آخر میں سندھ پر عربوں کے قبضہ ہو جانے کے سبب سے یہ ہندوستان کی آمدورفت کا مرکز بن گیا۔ کشتیوں اور جہازوں کے داخلہ کا محصول اس قدر بڑھ گیا تھا کہ یہ بغداد کی خلافت کا بڑا مالیہ ہوگیا۔ آخر میں سنہ ۳۰۲ھ میں مقتدر باللہ کے زمانہ میں اس کی سالانہ میزان ۲۲۵۷۵ دینار رہ گئی تھی۔" (عرب وہند کے تعلقات)

قاضی اطہر مبارک پوری کا بیان ہے۔

"ابلہ قدیم زمانے سے ارض الہند اور فرج الہند والسند کے لقب سے مشہور تھا' حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے جب ۱۴ھ میں ابلہ کو فتح کیا تو اس کی مرکزیت کے بارے میں

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جو مکتوب لکھا اس میں تحریر تھا:

اما بعد فان اللہ ولہ الحمد	اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ابلہ پر فتح دی
فتح علینا الابلة وھی مرفی	ہے' یہ مقام عمان' بحرین' فارس' ہندوستان
سفن البحرمن عمان والبحرین	اور چین سے آنے والے جہازوں کی
وفارس و الھند والصین	بندرگاہ ہے۔

جب ابلہ کے قریب ۱۴ھ میں بصرہ آباد ہوا تو اس کی تجارتی مرکزیت کی وجہ سے بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہاں تجارتی کاروبار کرنے کا ارادہ کیا چنانچہ حضرت نافع بن حارث بن کلدہ ثقفی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

''اے امیر المومنین! میں نے بصرہ میں ایک جگہ اپنے لیے گھیر رکھی ہے اور وہاں پر تجارتی کاروبار شروع کر دیا ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کو اس بارے میں ایک سفارش لکھ دی۔''

(عرب و ہند عہد رسالت میں)

''ابلہ کے بعد ہندوستانی مال کی اہم منڈیاں صحار اور ظفار تھیں۔ ظفار' حضر موت کے مشرق میں واقع تھا۔ یہ قدیم زمانہ سے گرم مسالوں' خوشبوؤں اور عبادت گاہوں کے بخور کی منڈی تھا۔ صحار میں بہت بڑا بازار لگتا تھا جہاں ہندوستانی مال کی وسیع پیمانے پر خرید و فروخت ہوتی تھی۔ یہاں مدینہ منورہ کی بندرگاہ جار کا ذکر بھی خالی از دلچسپی نہیں ہوگا۔ اطہر مبارکپوری نے لکھا ہے۔

''ابلہ صحار اور عدن کی طرح عرب کے مغربی علاقہ میں بحر احمر کی مشہور قدیم بندرگاہ جار بھی بہت بڑی تجارتی منڈی تھی' یہاں پر مصر اور حبشہ کی طرح بحرین اور مشرق بعید چین تک سے تجارتی جہاز آتے تھے' جار چونکہ مدینہ منورہ کی قریبی بندرگاہ تھی' اس لیے یہاں کا مال مدینہ اور اطراف کی بستیوں میں کثرت سے فروخت ہوتا تھا' خاص شہر مدینہ کے علاوہ اطراف و جوانب میں مالدار یہودیوں کی آبادیاں تھیں اور بازار لگتے تھے۔ اس لیے جار کی بندرگاہ پر بھی ہندوستانی سامان تجارت بہ کثرت آتے تھے۔ مدینہ اور اس کے اطراف کی

تجارت بہت کامیاب تھی۔ اسی لیے جب صحابہ کرام ہجرت کر کے مدینہ آئے تو ان میں سے اکثر حضرات نے تجارتی کاروبار شروع کر کے ترقی کی' عرام بن الاصبع سلمی قدیم ترین عرب جغرافیہ دان گزرا ہے۔ اس نے اپنی کتاب "اسماء جبال تہامہ وسکانہاو مافیہامن القریٰ" الخ میں جار کے بارے میں لکھا ہے:۔

والجار علی شاطی البحر' ترفاالیه السفن من ارض الحبشه و مصرو من البحرین والصین و بها منبر' وهی قریة کبیرة اهلة و شرب اهلها من البحیرة وبالجار قصور کثیرة و نصف الجار فی جزیرة من البحر و نصفها علی الساحل و بحذاء الجار جزیرة فی البحر تکون میلاً فی میلٍ لاالعبر الیها الا فی السفن' وهی مرفاء الحبشة خاصةً یقال لها قراف و سکا نها تجار کنحواهل الجار یوتون بالماء من فرسخین.	جار بحراحمر کی ساحلی بستی ہے یہاں پر حبشہ اور مصر سے اور بحرین اور چین سے جہاز آ کر لگتے ہیں یہاں پر علاقائی سرکاری مرکز ہے' یہ بستی بہت بڑی اور آباد ہے یہاں کے لوگ تالاب سے پینے کا پانی حاصل کرتے ہیں اور جار میں بہت سے قلعہ جات ہیں' جار کی نصف آبادی سمندر کے اندر جزیرہ میں ہے اور نصف آبادی ساحل پر ہے' جار کے محاذات میں سمندر کے اندر ایک اور جزیرہ ہے جو ایک میل لمبا چوڑا ہے' کشتیوں کے ذریعہ وہاں جایا جاتا ہے۔ یہ جزیرہ خاص طور سے حبشہ کے جہازوں کی بندرگاہ ہے۔ اس کو قراف کہتے ہیں یہاں کے باشندے تاجر ہیں جیسا کہ جار کے باشندے تاجر ہیں یہاں کے لوگ دو فرسخ سے پینے کا پانی لاتے ہیں۔

مدینہ کی یہ بندرگاہ قدیم مسافت کے حساب سے مدینہ سے ایک رات ایک دن کی دوری پر واقع ہے۔

غالب گمان ہے کہ مدینہ میں ہندوستان کی جو اشیاء فروخت ہوتی تھیں وہ بحرین سے براہ سمندر جار آتی تھیں کیونکہ ریگستان کے دور دراز راستے کے مقابلے میں یہ آسان تھا۔ جب اس بندرگاہ پر چین تک کے تجارتی جہاز آتے تھے تو عرب اور چین کے درمیان کے ملک

ہندوستان سے تجارتی اشیاء براہ راست یہاں جاتی رہی ہوں گی۔"

(عرب و ہند عہدِ رسالت میں)

ان بندرگاہوں اور منڈیوں کے علاوہ اندرون عرب میں بڑے بڑے سالانہ بازار لگتے تھے۔ جن میں ساحلی شہروں اور منڈیوں سے ہندوستان کا سامان تجارت کثرت سے آتا تھا اور اس کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ بڑے اور اہم بازار تیرہ تھے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ دومۃ الجندل، صحار، دبا، شحر، رابیہ، حضرموت، ذوالمجاز، خیبر، مشقر، منیٰ، حجر، عکاظ، عدن، صنعاء، علامہ ابوعلی مرزوقی نے کتاب الازمنہ والامکنہ میں اسواق عرب کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

ہندوستانی مال کی خرید و فروخت کے لیے دبا کا بازار خاص طور پر مشہور تھا۔ یہ دبا (دبئی) نام کی بندرگاہ کے علاقہ میں لگتا تھا۔ جو ہندوستان کے تجارتی بیڑوں کی بہت بڑی بندرگاہ تھی۔

کتاب الازمنۃ والامکنۃ میں ہے۔

وکانت احدی فرض الهند	دبا ہندوستان کے جہازوں کی بندرگاہ تھی۔
یجتمع بها تجار الهند والسند و	یہاں ہند، سندھ، چین اور اہل مشرق و مغرب
الصین و اهل المشرق والمغرب.	کے تاجر اکٹھے ہوتے تھے۔

عدن کا بازار بھی ہندوستانی مال کی بہت بڑی منڈی تھا۔ یہاں کا انتظام ملوک حمیر کے پاس تھا۔ بعد میں یہ انتظام ابنائے فارس کے ہاتھ آ گیا۔ یہاں کے حسن انتظام کا شہرہ فارس اور ہند میں بہت زیادہ تھا۔ کتاب الازمنۃ والامکنۃ میں لکھا ہے۔

حتیٰ ان تجار البحر لترجع بالطیب	یہاں تک کہ بحری تاجر یہاں کے حسن انتظام
المعمول تفخربه فی السند و الهند	کو سندھ و ہند میں فخریہ ذکر کرتے اور خشکی کے
و ترتحل به تجار البر الی فارس.	تاجر فارس میں اس کا چرچا کرتے۔

عرب کے کچھ علاقوں میں ہندوستانی اشیاء اس کثرت سے آتی تھیں کہ وہ علاقے ان ہندوستانی اشیاء کے حوالے سے شہرت پا گئے۔ آہستہ آہستہ لوگوں نے ان اشیاء کو ہند کے بجائے عرب کے ان علاقوں کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیا۔ اطہر مبارکپوری کا بیان ہے۔

"عرب میں ہندوستانی تجارت کے ان بڑے بڑے مرکزوں کے علاوہ بعض علاقوں

میں ہندوستان کی چیزیں اس قدر مشہور ہوگئی تھیں کہ ان ہی علاقوں کے نام سے منسوب تھیں حالانکہ وہ ہندوستانی ہوتی تھیں۔" (عرب و ہند عہد رسالت میں)

آگے لسان العرب کے حوالے سے خطی اور سمہری نیزوں کی تحقیق بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"مثلاً خطی ان نیزوں کو کہتے تھے جو ارض خط کی طرف منسوب تھے حالانکہ وہ دراصل ہندوستان کے بیداور بانس سے بنتے تھے۔ خط بحرین اور عمان کے پورے ساحل کو کہتے ہیں جس میں قطیف' عقیر اور قطر جیسے بڑے بڑے علاقے شامل تھے۔ ان علاقوں میں ہندوستان کے بیداور بانس سے بھری ہوئی کشتیاں جاتی تھیں اور ان سے نیزے بنائے جاتے تھے۔ اسی طرح سمہری نیزے جو عرب میں بہت مشہور ہیں وہ بھی اسی علاقہ خط میں تیار ہوتے تھے اور سمہر نامی ایک شخص ان کو ہندوستان کی لکڑیوں سے تیار کرکے فروخت کرتا تھا۔"

(عرب و ہند عہد رسالت میں)

مشک داری کی تحقیق لسان العرب کے حوالے سے یوں بیان کی ہے۔

"نیز بحرین کے علاقہ میں دارین نام کی ایک مشہور بندرگاہ تھی جہاں کا ہندوستانی مشک سارے عرب میں مشہور تھا' عربی ادبیات و اشعار میں مشک دارین اور داری کے نام سے اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ لسان العرب میں خطی نیزے کے بیان کے ضمن میں ہے:۔

کما قالوا مسك دارين وليس هنالك ولكنها مرفأ السفن التي تحمل المسك من الهند.

جیسے مشک دارین کہتے ہیں حالانکہ مقام دارین میں مشک نہیں ہوتا بلکہ وہ ان کشتیوں کی بندرگاہ ہے جو ہندوستان سے مشک لاتی ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ پورا علاقہ خط اور علاقہ دارین ہندوستان کے تجارتی مال کے لیے مشہور تھا اور یہاں پر ہندوستان سے آئے ہوئے بیداور بانس اور مشک اندرون عرب جاتے تھے اور ان کی بھاری مقدار یہاں ہر وقت موجود رہتی تھی۔"

(عرب و ہند عہد رسالت میں)

عرب تاجر ہندوستان سے کن کن اشیاء کی تجارت کرتے تھے

ہندوستان سے عرب تاجر کون کون سی اشیاء تجارتی دوسرے ملکوں کو لے جاتے تھے اور دوسرے ملکوں کی کونسی چیزیں ہندوستان پہنچاتے تھے اس کی کچھ تفصیل مختلف قدیم کتب کے حوالے سے مولانا عبدالمجید سالک نے اپنی کتاب ''مسلم ثقافت ہندوستان میں'' میں بیان کی ہے۔ان کا بیان ہے۔

''ہندوستان سے عرب کون کونسا مال برآمد کرتے تھے' ابوزید سیرانی کے اس بیان سے معلوم ہوگا۔ ہندوستان کے سمندروں میں موتی اور عنبر ملتا ہے۔ اس کے پہاڑوں میں جواہرات اور سونے کی کانیں ہیں۔اس کے ہاتھیوں کے منہ میں ہاتھی دانت ہے۔اس کی پیداوار میں آبنوس' بید' عود' کافور' لونگ' جائفل' بکم' صندل اور ہر قسم کی خوشبو کی چیزیں ہوتی ہیں۔اس کے پرندوں میں طوطے اور مور ہیں اور اس کی زمین کا فضلہ مشک اور زباد ہے (زباد ایک جانور کا پسینہ ہے)۔اس کے علاوہ دوسرے عرب سیاحوں نے ہندوستان کی اشیائے برآمد کا جو حال لکھا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صندل' کافور' لونگ' جائفل' کباب چینی' ناریل' سن کے کپڑے' روئی کے مخملی کپڑے اور ہاتھی' سراندیپ سے یاقوت' موتی' بلور اور سنباذج جس سے جواہرات درست کیے جاتے ہیں۔ملیبار سے سیاہ مرچ' گجرات سے سیسہ' دکن سے بکم' سندھ سے کٹھ بانس اور بید' کارومنڈل اور ملیبار کے بیچ میں ایک راس ہیلی ہے۔ اس سے الائچی برآمد ہوتی تھی اور غالباً ہیلا پچی کہلاتی ہوگی جس طرح عود کا نام جو کارومنڈل سے جاتا تھا۔عربوں نے مندل رکھ دیا۔اسی طرح مختلف کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اشیاء کے علاوہ نارنگی' لیموں' ریوند چینی' جاوتری' کیلے' دار چینی' توتیا' ساگوان کی لکڑی' تلواریں' کافور' سونٹھ' چھالیہ' ہلیلہ' بلیلہ' بھانوہ' نیل' باریک کپڑا' گینڈے کی کھال اور بے شمار دوسری چیزیں ہندوستان سے برآمد ہوتی ہیں۔ اس کے بدلے میں ہندوستان مصر سے زمرد کی انگوٹھیاں' مرجان' دہنج (ایک قیمتی پتھر)' شراب' روم سے ریشمی کپڑے' سمور' پوستین اور تلواریں' فارس سے گلاب کا عرق' بصرہ سے کھجوریں اور عرب سے گھوڑے منگواتا تھا۔''

عہدِ رسالت میں عرب و ہند کے تعلقات

قاضی اطہر مبارکپوری نے اپنی تصنیف ''عرب و ہند عہد رسالت میں'' میں دور رسالت میں ہندیوں اور عربوں کی باہم شناسائی کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اپنی تحقیق کا خلاصہ یوں تحریر کیا ہے۔

''سندھ اور ہند عربوں کے نزدیک دو الگ الگ ملک تھے جو ان کے مشرق میں سمندر پار پڑتے تھے۔سندھ کا ملک ہندوستان' کرمان اور بجستان وغیرہ کی حدود سے گھرا ہوا تھا' اس کے بعد ہندوستان کا ملک پڑتا تھا جو مشرق میں چین کی حدود سے ملتا تھا اور عرب دونوں ملکوں کو ملا کر ہند بھی بولتے تھے جس طرح تاریخ نے اپنے کو دہرایا اور اب پھر ایک ملک ہندوستان کے تقریباً یہی دونوں علاقے بھارت اور پاکستان کے دو نام سے یاد کیے جانے لگے اور دونوں کے لیے جامع لفظ ہندوستان ہے۔

قدیم ترین عرب جغرافیہ نویس ابن خردا ذبہ نے بلاد سندھ میں ان شہروں کو شمار کیا ہے:
قیقان (گیگان قلات) بنہ (غالباً بنوں) مکران' مید' قندھار (گندھارا) قصدار' بوقان' قندابیل' فنز بور' ارمابیل' دیبل' (قریب کراچی) قنبلی' کنبایا (کھبنائت) 'سہبان' سدوسان' راسک' الرور (الور) ساوندری' مولتان' سندان (سنجان' بمبئی) مندل' بیلمان (بھیلمان گجرات) سرست' کیرج' مرمد' قالی (پالی' جوناگڑھ) دہنج (گجرات) بروص (بھڑوچ)۔

واضح رہے کہ ان شہروں کے ناموں میں ترتیب کا التزام نہیں ہے بلکہ صرف ملک سندھ کے تمام شہروں کے نام دیے گئے ہیں' عام طور سے ان حدود کے باشندوں کو عرب سندھی سمجھتے اور کہتے تھے' سندھ شاہان فارس کے اثر و اقتدار کے ماتحت یوں رہا کرتا تھا کہ یہاں کے راجے مہاراجے ان کے باج گزار اور فرماں بردار ہوتے تھے اور ضرورت کے وقت وہ یہاں سے فوج کے لیے آدمی بھی لیتے تھے۔ایران کے بادشاہ اردشیر نے سندھ کے مہاراجوں کو اپنی طرف سے خاص خاص القاب سے بھی نوازا تھا' چنانچہ اس نے قفص شاہ' مکران شاہ' قیقان شاہ' قشمیر ان شاہ سے سندھ کے ان مہاراجوں کو نوازا تھا جو یہاں حکمران تھے اور اس

کے ماتحت تھے اور ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے حلقہ میں ذاتی نام کے بجائے اپنے لقب سے مشہور تھا۔

عربوں کی تقسیم کی رو سے سندھ کے بعد ہندوستان کا ملک آتا تھا جو حدود چین تک چلا گیا تھا اور سندھ و ہند کے درمیان ساحل کی جانب قامہل نامی شہر تھا' یہ مقام غالباً بیکانیر جیسلمیر یا جوناگڑھ کے اطراف میں کہیں تھا جہاں سندھ اور ہندوستان کی سرحدیں ملتی تھیں' یاقوت حموی نے لکھا ہے:

قامهل مدينة في اول حدود الهند' وسن صيمور الىٰ قامهل من بلدا لهند و من قامهل الىٰ مكران' والبدهة وما وراء ذلك الىٰ حد الملتان كلها من بلادالسند...... وبين المنصورة وقامهل ثمان مراحل و من قامهل الىٰ كنباية نحو اربع مراحل-	قامہل سندھ کے بعد ہندوستان کی شروع سرحد میں واقع ہے اور چیمور سے قامہل تک ہندوستان ہے اور قامہل سے مکران' بدھ اور ملتان کی حد کے نیچے تک کا پورا علاقہ سندھ میں شامل ہے اور سندھ کے شہر منصورہ اور قامہل کے درمیان آٹھ مرحلہ کا فاصلہ ہے اور قامہل سے کھمبایت تک تقریباً چار مرحلے ہیں۔

قامہل اور چیمور (بمبئی) کے درمیانی علاقہ سے مراد گجرات ہے جسے یاقوت حموی نے ہندوستان کا علاقہ بتایا ہے اور اس سے آگے کے ساحلی علاقہ کو جس میں کوکن' ملیبار' معبر اور اس کے آگے کلہ' شلاہط (سلہٹ) قمار اور مملکت مہراج وغیرہ شامل ہیں۔ ان کو مراد نہیں لیا ہے۔

ابن خرداذبہ نے ہندوستان کے سواحل اور ان کے اطراف و جوانب کے راجوں' مہاراجوں کے یہ القاب بتائے ہیں: بلہرا' جابہ' طافن' ملک جزر' غابہ' رہمی' ملک قامرون' ملک زانج (فتحب) اور مہراج' فارس کے بادشاہ اردشیر نے ہندوستان کے مہاراجوں کو بھی اپنے لقب سے نوازا تھا چنانچہ یہاں کے ایک راجہ کو ریحان شاہ کا لقب دیا تھا۔

دور رسالت میں عربوں کا تعلق سندھ اور ہند کے ان ساحلی علاقوں سے تھا اور وہ عام طور سے ان مقامات پر آتے جاتے تھے اور یہاں کی اشیاء و اشخاص اور اقوام سے اچھی طرح واقف

تھے اور ان مقامات کے رہنے والے بھی ذاتی طور سے یا سن سنا کر عربوں سے واقف تھے۔''

(عرب و ہند عہد رسالت میں)

عرب و ہند کے تجارتی تعلقات اور عرب ہندوستان سے کیا کیا اشیاء لاتے تھے' اس کی تفصیل اطہر مبارکپوری نے کچھ یوں بیان کی ہے۔

''ہندوستان کے مختلف علاقوں سے مختلف قسم کی تجارتی اشیاء عرب جایا کرتی تھیں اور پھر وہاں کے مختلف بازاروں اور دوسرے ملکوں میں جا کر فروخت ہوتی تھیں' ہم ان کی اجمالی فہرست قدیم عرب جغرافیہ نویس ابن خرداذبہ کی کتاب المسالک والممالک سے پیش کرتے ہیں۔

ابن خرداذبہ نے پہلے اجمالی طور سے بتایا ہے کہ ہندوستان سے ہر قسم کا عود' صندل' کافور' ماخور' جوز بوا' قرنفل' قاقلہ' کبابہ' نارجیل' نباتاتی کپڑے' روئی کے مخملی کپڑے اور ہاتھی دیار عرب میں جاتے تھے۔ سرندیپ سے ہر قسم اور ہر رنگ کے یاقوب' موتی بلور' سنبادج' ملی اور سنجان (سندان) سے فلفل' کلہ سے رصاص قلعی' جنوب سے بقم اور داذی یعنی تاڑی اور سندھ سے قسط' بانس اور بید کی لکڑیاں عرب میں بھیجی جاتی تھیں۔

اس کے بعد تفصیل سے جس مقام سے جو چیز جاتی تھی اس کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ سندھ میں قسط' بانس اور بید ہوتے ہیں۔ دریائے سندھ سے اوتکین تک چار دن کی مسافت ہے۔ اس پورے علاقہ کے پہاڑوں میں بانس کی پیداوار ہوتی ہے۔ سندان میں ساگوان اور بانس ہوتے ہیں' کم کم (کوکن) ساگوان کا ملک ہے' جزیرہ رامی میں گینڈے اور بید پیدا ہوتے ہیں۔ کلہ میں بھی بید کے جنگل ہیں' باتبن' سنجلی او کیشکان میں چاول ہوتا ہے۔ کنجہ اور لوا میں چاول اور گیہوں دونوں ہوتے ہیں۔ نیز سمندر' بالوس اور قمار میں چاول زیادہ ہوتا ہے۔ مثلاً شلاہط (سلہٹ) میں قرنفل یعنی لونگ ہوتی ہے۔ کامرون وغیرہ سے عود مقام سمندر میں لائی جاتی ہے' سرندیپ کے پہاڑوں پر عود پیدا ہوتی ہے درہمی (بنگال) میں روئی کا مخملی کپڑا اور عود ہندی ہوتا ہے۔ جزیرہ تیمومہ' قمار اور صنف میں بھی عود ہوتا ہے۔ عود قماری سے بہتر عود صنفی ہوتی ہے۔ یہ عمدہ اور وزنی ہونے کی وجہ سے پانی پر تیرتی نہیں بلکہ ڈوب جاتی ہے۔ نیز سرندیپ

میں مشک اور زباد ہوتے ہیں' زانج کے پہاڑوں میں کافور ہوتا ہے' تیومہ میں بھی کافور ہوتا ہے اور جزیرہ بالوس کا کافور بہت ہی عمدہ ہوتا ہے۔ سرندیپ میں عطر اور قسم قسم کی خوشبوئیں ہوتی ہیں۔ جابہ عطر کا دیس ہے شلاہط میں صندل اور سنبل ہوتا ہے' کلہ میں رصاص قلعی کی کان ہے' جزیرہ رامی کے باشندے سمندر میں تیر کر اور کشتیوں پر عرب تاجروں کے جہاز تک آتے ہیں اور لوہے کے بدلے عنبر فروخت کرتے ہیں' جزیرہ نکبالوس کی دولت لوہا ہے' سرندیپ کے پہاڑوں پر اور ان کے اطراف میں ہر قسم اور ہر رنگ کے یاقوت پائے جاتے ہیں اور اس کی وادیوں میں املاس اور پہاڑوں میں عود' فلفل' عطر' خوشبو' مشک' زباد کے جانور' نارجیل اور سنبادج کی کثرت ہے یہاں کے دریاؤں میں بلور ہے اور اطراف کے سمندر سے موتی نکلتے ہیں۔ جزیرہ رامی میں بید' بقم اور سم ساعہ پائے جاتے ہیں' اس تریاق کو مسافروں نے سانپ کے زہر میں آزمایا ہے اور نشین میں ہاتھی' چوپائے' بھینسیں اور دیگر اشیاء پائی جاتی ہیں' اس کے آگے ابنیہ میں ہاتھی پایا جاتا ہے۔ رامی میں گینڈا ہوتا ہے' قامرون کے علاقہ میں گینڈا اور سونا بہت زیادہ ہے' زانج کے پہاڑوں میں سانپ اور اژدہے پائے جاتے ہیں۔

عرب جانے والی ہندوستانی اشیاء کی یہ فہرست مکمل نہیں ہے بلکہ مذکورہ اشیاء کے علاوہ بھی بہت سی تجارتی چیزیں یہاں سے جاتی تھیں مثلاً ہندی تلواریں' سندھ سے سندھی کپڑے' سندھی مرغی' پالہ اونٹ (فالج) جس کی نسل سے عرب کا مشہور بختی اونٹ ہوتا ہے' مندل سے عود ہندی' بروص (بھڑوچ) سے بھڑوچی نیزے اور ان کے بانس' کھنبائت اور سندان سے نعال' کنبایۃ یعنی کھمبائیت کے جوتے اور نارجیل' تھانہ سے عمدہ کپڑے اور اسی طرح مختلف مقامات کی مختلف چیزیں عرب میں جایا کرتی تھیں۔"

(عرب و ہند عہد رسالت میں)

سابقہ ادوار میں عرب و ہند کے تعلقات کی جتنی جہتیں مذکور ہوئی ہیں ان کی بنیاد تجارت تھی جو بر و بحر دونوں راستوں سے ہوتی تھی۔ البتہ بحری راستہ ان تعلقات کی کلید و اساس تھا۔ ہند و سندھ خصوصاً سندھ کے لوگوں کے عربوں سے گہرے تعلقات کا ایک اور سبب ان کی ایران سے ہمسائیگی تھی۔ ایرانی عربوں اور ہندیوں دونوں کے ہمسائے تھے۔ ایک طرف وہ

ہندوستان' سندھ اور بلوچستان کے راجوں' مہاراجوں کو اپنے زیر اثر رکھتے تو دوسری طرف عرب کے ساحلی علاقوں پر قبضہ واقتدار رکھتے تھے۔ چنانچہ بہت سے ہندی خصوصاً سندھ اور بلوچستان سے تعلق رکھنے والے ان کی افواج اور سیاسی وانتظامی مشینری میں شامل ہو کر عرب کے ان ساحلی علاقوں میں آباد تھے جو شاہان فارس کے زیرنگیں ہوا کرتے تھے۔ ان عربی علاقوں میں سندھیوں کا اثر ونفوذ اتنا زیادہ تھا اور ان کی قوت وشوکت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ جب حبشیوں نے یمن پر قبضہ کیا تو شہنشاہ ایران نوشیرواں نے وہاں کے عرب حاکم سے دریافت کیا:

ای الاغربة الحبشة ام السند۔ کون سے اجنبی لوگوں نے (یمن پر) قبضہ جمایا ہے حبشیوں نے یا سندھیوں نے؟۔

(سیرت ابنِ ہشام)

سید سلیمان ندوی اس حوالے سے عرب وہند کے تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''عربوں اور ہندوؤں کے درمیان تعلقات کا ایک اور ذریعہ بھی تھا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ شہنشاہ ایران کا قبضہ بلوچستان اور سندھ پر اکثر رہا۔ اس قبضہ کے تعلق سے سندھ کے بعض جنگجو قبیلوں کے فوجی دستے ایرانی فوج میں داخل تھے۔ ان جنگجو قبیلوں میں سے دو کا ذکر عربوں نے کیا ہے اور وہ جاٹ اور مید ہیں۔ یہ دونوں سندھ کی مشہور قومیں تھیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ عبداللہ بن مسعود صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک خاص شکل وصورت کے لوگوں کو دیکھا تھا۔ (یہ جنات تھے حدیث میں اس کی صراحت ہے) جن کی نسبت انھوں نے یہ بتایا کہ ''ان کا چہرہ جاٹوں کی طرح تھا''۔ اس سے معلوم ہوگا کہ اہل عرب چھٹی صدی عیسوی میں بھی جاٹوں سے واقف تھے۔ ایرانیوں کو جب شکست ہوئی تو یہ بہادر جاٹ ہوا کا رخ دیکھ کر چند شرطوں کے ساتھ مسلمانوں کے لشکر سے آ کر مل گئے۔ سپہ سالار اسلام نے ان کی بڑی عزت کی اور ان کو اپنے قبیلوں میں داخل کر لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل کے موقع پر بصرہ کا خزانہ انہی جاٹوں کی نگرانی میں چھوڑا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو رومیوں کے مقابلہ کے لیے شام کے ساحلی شہروں میں لے جا کر بسایا

اور ولید بن عبدالملک نے اپنے زمانہ میں ان کو انطاکیہ میں لے جا کر آباد کیا''۔

(عرب و ہند کے تعلقات)

اطہر مبارکپوری کا بیان ہے۔

''بعثت نبوی کے وقت عرب میں رومی' ایرانی' حبشی اور ہندی اپنے اپنے اثر و اقتدار کے ساتھ موجود تھے۔ ہندوستان کی قومیں اگرچہ عرب میں براہ راست اپنا اثر و اقتدار نہیں رکھتی تھیں مگر مختلف وجوہ سے ان کی حیثیت بلند تھی جس میں بڑا دخل ایرانیوں کے عرب پر قبضہ کو تھا' ایرانی ایک طرف ہندوستان اور سندھ و بلوچستان کے راجوں' مہاراجوں اور یہاں کے لوگوں کو اپنے اثر و اقتدار میں رکھتے تھے اور دوسری طرف عرب کے ساحلی علاقہ میں عراق سے لے کر یمن تک حاکمانہ طاقت رکھتے تھے۔ اس لیے ہندوستانیوں کو عرب کے ان حدود میں ایرانیوں کے توسط سے اقتدار نصیب ہوا اور ایران کی فوج اساورہ میں ہندوستان کے بہت سے آدمی شامل ہو کر عرب میں رہنے لگے' ہندوستان اور عرب کے قدیم ترین تجارتی تعلقات کے بعد ایران کے توسط سے اس حاکمانہ تعلق نے ان میں عرب سے مزید دلچسپی پیدا کی اور یہاں کے لوگ ہندوستانی اشیاء کی تجارت' عرب کے جہازوں اور کشتیوں پر ملازمت اور عرب میں آباد ہو کر وہاں کے اقامت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے جس کے نتیجہ میں عہد رسالت میں عرب کے اندر ہندوستانیوں کی مختلف قومیں اور جماعتیں رہنے لگیں اور ان کو عرب کے باشندے اپنی زبان میں مختلف ناموں سے یاد کرتے تھے چنانچہ عربوں نے اپنے ملک میں آباد ہندوستانیوں کو زط' اساورہ' سیابجہ' احامرہ' مید' بیاسرہ اور تکاکرہ وغیرہ کے ناموں سے موسوم کیا' کسی ملک کے آدمیوں کو اتنے زیادہ نام و لقب سے یاد کرنا اس کی صریح دلیل ہے کہ وہاں ان کی تعداد بہت زیادہ تھی اور وہ ہر طرف مشہور تھے' چوں کہ عربوں اور ہندوستانیوں میں بڑی حد تک مذہبی یک جہتی تھی اس لیے وہ بڑی آسانی سے عربوں کی زندگی میں مل جل گئے''۔

(عرب و ہند عہدِ رسالت میں)

عبدالمجید سالک کا کہنا ہے۔

''سندھ اور ایران ایک دوسرے کے ہمسائے ہیں اور ہمسایہ ملکوں کے درمیان صلح و جنگ

دونوں صورتیں پیدا ہوتی ہی رہتی ہیں۔ چنانچہ اسلام سے پہلے کبھی ایرانی لشکر دریائے سندھ تک کا علاقہ فتح کر لیتے اور کبھی سندھ کے راجہ مکران کے پہاڑوں تک بڑھ جاتے۔ ظہور اسلام کے بعد ایران کے ایک صوبے کا گورنر ہرمز اپنے جنگی جہازوں کی مدد سے بار بار سندھ کے ساحل پر حملہ آور ہوا اور یہاں سے بے شمار آدمیوں کو گرفتار کر کے لے گیا۔ جو سب کے سب جاٹ تھے کیونکہ سندھی فوج زیادہ تر جاٹوں پر مشتمل تھی۔ جب ایران پر عربوں کا حملہ ہوا تو ایرانیوں نے سندھیوں سے صلح کر لی اور ہرمز نے اپنے ہاں کے جاٹ اسیران جنگ کو موردِ عنایات کر کے ایرانی فوج میں بھرتی کر لیا۔ عہد صدیقی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میں ایک جنگ ذات السلاسل کے نام سے مشہور ہے جس میں سندھی پاؤں میں زنجیریں باندھ کر ایرانیوں کی فوج میں شریک ہوئے تھے۔ اس جنگ میں خالد بن ولید نے ہرمز کو قتل کر دیا اور ہزاروں جاٹ عربوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ اس کے بعد وہ برضا و رغبت مسلمان ہو کر عراق میں زندگی بسر کرنے لگے۔ عرب ان کو زط کہتے تھے۔

جنگ ذات السلاسل کے دو سال بعد ۱۴ ہجری میں قادسیہ کی مشہور جنگ ہوئی۔ یزدجرد شاہ ایران نے اس موقع پر حلیف ملکوں سے بھی امداد طلب کی۔ چنانچہ سندھ میں بھی سفارت بھیجی جس کے جواب میں سندھ کے راجہ نے صرف اپنی فوج ہی نہ بھیجی بلکہ سامان جنگ اور جنگی ہاتھی بھی بھیجے بلکہ اپنی خاص سواری کا سفید ہاتھی بھی روانہ کیا جس کا ثبوت یہ ہے کہ ایک طرف چچ نامہ میں لکھا ہے کہ سندھ کے راجہ کی خاص سواری کا ہاتھی سفید ہوتا تھا اور دوسری طرف جنگ قادسیہ کے ذکر میں یہ آ ہی چکا ہے کہ جنگ کے تیسرے دن فیل سفید جو تمام ہاتھیوں کا سردار سمجھا جاتا تھا۔ عربوں کے ہاتھوں مارا گیا اور پھر باقی ہاتھیوں کو بھگانا اور سپہ سالار رستم کو ہلاک کرنا مسلمانوں کے لیے آسان ہو گیا۔" (مسلم ثقافت ہندوستان میں)

ان اقتباسات سے خوب واضح ہو جاتا ہے کہ عرب میں ایرانیوں کی وساطت سے ہندی اقوام زمانہ قدیم سے آباد تھیں اور عمل دخل رکھتی تھیں۔ یہ حوالے اگرچہ اس حقیقت کو قدرے اجمالاً بیان کر رہے ہیں مگر ہم آگے چل کر اس موضوع پر زیادہ تفصیل سے روشنی ڈالیں گے۔

☆☆☆

باب دوم

ظہورِ اسلام کے وقت ہند کی حالت

قدیم ہند کا المیہ

قدیم ہند اور اس کے باشندوں کا یہ المیہ رہا ہے کہ ایک لمبے عرصہ تک انسانی تاریخ کے محققین ہند کو زمانہ ماقبل تاریخ میں غیر متمدن اور غیر مہذب حبشی اقوام کا ملک قرار دیتے رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے قدیم باشندے جنگلوں میں درندوں، حیوانوں اور جانوروں جیسی زندگی گزارتے تھے۔ حالانکہ تاریخ عالم کے مطالعہ سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ انسانی تاریخ کے کسی بھی دور میں کوئی بھی قوم وحشیانہ زندگی اور حیوانوں اور درندوں جیسے طور اطوار اپنا سکتی ہے اس حوالے سے موجودہ متمدن یورپ کے وہ لوگ جو اپنے بوڑھے والدین کو Happy Death یعنی خوش گوار موت کے نام پر زہر کا ٹیکہ لگوا کر مار ڈالتے ہیں زمانہ قدیم میں دریائے سندھ کے کنارے آباد ان جنگلی اور وحشی لوگوں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ جو اپنے بوڑھے والدین کو بیمار ہو جانے پر خود ہی کھا جاتے تھے۔ فرانسیسی مستشرق لی بان ہندوستان کے یورپ سے قدیم تعلقات کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے دارا ابن ہستاسپ کے ذیلی عنوان کے تحت لکھتا ہے۔

”قدیم اقوام میں سب سے پہلے ایرانیوں نے ہند سے تعلقات پیدا کیے۔ ہردوط جس کا زمانہ پانچویں صدی قبل مسیح ہے۔ (ہردوط کا زمانہ چار ہزار قبل مسیح ہے۔) لکھتا ہے کہ

دارا ابن ہستاسب نے اس امر کے دریافت کرنے کے لیے کہ سندھ کی ندی کس سمندر میں گرتی ہے اپنے ایک سپہ سالار اسکائی لارکس کو ہندوستان بھیجا۔ یہ اٹک کے قریب سندھ کی ندی میں سے ہوتا ہوا سمندر تک پہنچا اور پھر مغرب کی طرف سے تیرہ مہینہ کی جہاز رانی کے بعد بحر احمر تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد دارا نے اسی راستے سے آ کر شمالی ہند کو فتح کیا لیکن جن ہندوؤں کا ذکر ہردوط کرتا ہے اور جن کے متعلق خط پیکانی کتبوں میں یہ لکھا ہے کہ شہنشاہ ایران کو خراج دیتے تھے۔ فی الواقع وہ وحشی اقوام تھیں جو دریائے سندھ کے قرب وجوار میں بسی ہوئی تھیں۔ ان کی نسبت ہردوط لکھتا ہے کہ جب ان کے والدین بیمار ہوتے تو یہ انھیں کھا جایا کرتے تھے اور مثل حیوانات کے اپنی عورتوں کے ساتھ کھلے طور پر مباشرت کرتے تھے۔" (تمدن ہند)

پاک و ہند کی ان وحشی اور غیر متمدن اقوام کی دوسری غیر انسانی صفت جو ہردوط کے حوالے سے لی بان نے ذکر کی ہے یعنی اپنی عورتوں سے کھلے بندوں مباشرت کرنا۔ آج کے مہذب یورپ میں کسی وباء کی طرح عام ہے۔ انتہائی افسوسناک صورت حال یہ ہے کہ یورپ اپنی ایسی بد خصلتوں کو پوری دنیا میں عام کرنا چاہتا ہے اور جو قومیں یا طبقے اس کی ایسی غیر انسانی خصلتوں کو اپنانے کے لیے تیار نہیں انھیں غیر مہذب ہونے کا طعنہ دیتا ہے۔ یہ ثابت کرنے کے لیے کہ انسانی تاریخ کے کسی بھی دور میں کوئی بھی قوم وحشیانہ زندگی اپنا سکتی ہے۔ موجودہ یورپ کی خصلتوں اور حالتوں کا مطالعہ کافی ہے۔ کچھ آگے چل کر ہم یہ دکھائیں گے کہ برصغیر پاک و ہند خاص طور پر موجودہ پاکستان کے علاقوں میں تین ہزار سال قبل مسیح کے آغاز میں ایک ایسا عظیم تمدن تھا جسے بجا طور پر جدید یورپی تمدن کے مقابلے میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ جس طرح زمانہ ماقبل تاریخ میں وہ وحشی اقوام جن کا ذکر ہردوط نے کیا ہے برصغیر میں تھیں تو اسی دور میں یہاں ایسی متمدن قومیں بھی تھیں جن کا تمدن کسی بھی اعلیٰ تمدن سے فائق نظر آتا ہے۔

بہر حال برصغیر پاک و ہند کے قدیم باشندوں کے بارے میں انسانی تاریخ و تمدن پر کام کرنے والے محقق اکثر اسی غلط مفروضے پر چلتے رہے ہیں کہ برصغیر میں تہذیب و تمدن کا آغاز آریوں کے یہاں آنے کے بعد ہوا۔ اس سے پہلے کا دور جو قبل تاریخ کا تاریک زمانہ ہے ان کے خیال میں اس وقت برصغیر میں ایسے وحشی قبائل رہتے تھے جو حبشیوں کی مانند تھے۔

تہذیب وشائستگی ان کے قریب سے نہ گزری تھی۔انھوں نے تمدن کا کبھی ابتدائی درجہ بھی عبور نہ کیا تھا۔فرانسیسی مستشرق لی بان جس کی تصنیف تمدن ہند (اردو ترجمہ کا نام) برصغیر سے متعلق معلومات کے حوالے سے یورپ میں بڑی مقبول رہی ہے۔قدیم ہند کے حوالے سے اس کا ایک اقتباس یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

''ہند کے قدیم باشندے سیاہ فام تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدیم الایام سے ان کی دو تقسیمیں تھیں۔ایک حبشی وش جن کے بال اونی اور چہرے چپٹے تھے۔یہ مشرق اور وسط میں رہتے تھے اور دوسرے آسٹریلیا کے حبشیوں کی قسم میں سے تھے۔قد آور اور زیادہ ہوشمند اور ان کے بال لمبے تھے۔یہ جنوب اور مشرق میں بودوباش رکھتے تھے۔ان میں سے پہلی قوم اس وقت تک گونڈوانہ کے پہاڑوں میں موجود ہے اور دوسری نیلگیری کی وادیوں میں۔یہ قدیم اور وحشی اقوام جو کبھی ابتدائی تعلیم کے درجے تک بھی نہیں پہنچی،تاریخی زمانے کے پہلے سے ہند کے ساحلی جنگلوں میں رہا کرتی تھیں اور جوں جوں ملک میں تمدن ترقی کرتا گیا۔یہ بتدریج مفقود ہوتی گئیں۔''

لی بان اور اس قبیل کے دیگر مستشرقوں کے یہ خیالات،اوھامات اور مفروضات سے زیادہ درجہ نہیں رکھتے۔ان کے پاس اپنے ان خیالات کے لیے کوئی ٹھوس شہادت نہیں۔یہ صرف بے بنیاد اندازے اور قیاس ہیں جو انھوں نے خود قائم کر لیے یا اپنے قبیلہ کے دوسرے لوگوں سے نقل کر کے بیان کردیے۔اگر لی بان کی اس تصنیف تمدن ہند کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو اس کی اپنی کتاب سے اس کے ان خیالات کا ابطال ہو جاتا ہے۔چنانچہ ''اقوام ڈراویڈ کی خصائص'' کے عنوان کے تحت برصغیر کے قدیم باشندے جنھیں مستشرق دراوڑ کا نام دیتے ہیں کے خصائص بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''باوجود اس کے کہ ان ڈراویڈ اور پروٹو ڈراویڈ اقوام میں بے انتہا اختلافات ہیں تاہم بعض خصائص ان سب میں عام ہیں مثلاً جلد کا رنگ' بالوں کی کمی اور اس کی سیاہی اور چکنائی' ناک کی موٹائی اور نتھنوں کا پھولا ہونا' قد کی پستی اور کھوپڑی کی لمبائی۔یہ تو جسمانی خصائص ہیں اور روحانی خصائص میں ان کی پست اعتقادی' پوچ' لچر چیزوں کو ماننا اور ذات پرستی ہے جو ان

میں غالباً آریہ اقوام کے ہندوستان میں آنے کے قبل سے موجود ہے۔ رامائن میں جوان اقوام کا بیان ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت آریہ اقوام نے ان پر حملہ کیا تو ڈراویڈوں میں ایک درجے تک تمدن اور شائستگی موجود تھی۔ یہ فلزات کو کام میں لاتے تھے اور کشتیاں' کپڑا اور مٹی کے برتن بنانا جانتے تھے اور ان میں لکھنے کا فن بھی تھا۔''

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ ذات پرستی برصغیر میں پہلے سے تھی اور رامائن کا حوالہ بتارہا ہے کہ ان میں زیورات سازی اور دیگر اہم صنعتیں موجود تھیں جو ان کے متمدن ہونے کا کافی ثبوت ہیں۔ یقیناً ان کا تمدن جتنا رامائن میں لکھا ہے اس سے کہیں اعلیٰ تھا کیونکہ آریہ ادب میں ان لوگوں کے بارے میں پائے جانے والے حوالہ جات عموماً منفی ہیں اور اکثر و بیشتر انھیں وحشی و غیر متمدن دکھایا گیا ہے۔

جغرافیے کے بیان میں معدنیات کے عنوان کے تحت لوہے کے متعلق لکھا ہے۔

''لوہا بھی ہند میں بکثرت ہے اور عمدہ قسم کی کانیں سیلم میں ہیں جو صوبہ مدراس میں واقع ہوا ہے۔ زمانہ قدیم سے ملک کے باشندے لوہا بنانے سے واقف تھے اور پرانی سے پرانی یادگاروں میں لوہے کے بنے ہوئے دروازے ملے ہیں جن کا زمانہ بہت ہی قدیم ہے اور ثابت کرتا ہے کہ انسان کے وجود سے تھوڑے ہی دنوں بعد یہ حرفت ہند میں شروع ہوگئی تھی۔ اس وقت تک بھی دیسی چھوٹی چھوٹی بھٹیوں میں کوئلے کے ذریعے سے لوہا بناتے ہیں۔''

(تمدن ہند)

لی بان کی اس آثاریاتی و مشاہداتی تحقیق کے مطابق لوہے کا صنعتی دھات کے طور پر مختلف النوع استعمال انسان کے وجود میں آنے کے بعد سے ہند میں جاری ہے۔ کیا ایک غیر متمدن' وحشی قوم جو جنگلی جانوروں اور درندوں جیسی زندگی بسر کرتی ہو۔ ایسی صنعت کی متحمل ہوسکتی ہے جو صرف اعلیٰ متمدن معاشروں میں پائی جاتی ہو۔ ایک دوسرے مقام پر لی بان نے برصغیر کے لوگوں کی فولاد سازی اور اس سے مختلف اشیاء تیار کرنے کی قدیم صنعت اور یورپ میں لوہے سے اشیاء تیار کرنے کی جدید صنعت کا تقابل کیا ہے اور برصغیر کے لوگوں کی قدیم صنعت کو زیادہ قابل ستائش ٹھہرایا ہے۔ ''حرفتی فنون۔ لکڑی اور فلزات کا کام' جواہرات کی

صنعتیں'' کے عنوان کے تحت لی بان ہندیوں کی فولاد کی صنعت جو اس کے اپنے الفاظ کے مطابق انسان کے وجود میں آنے کے کچھ عرصہ بعد سے ہنر میں پائی جاتی تھی' کی توصیف ان الفاظ میں کرتا ہے۔

''ہندو دستکاری صرف سونے' تانبے اور کانسی ہی تک محدود نہیں ہے۔ لوہے کی دستکاری بھی اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ ہمیں اس لوہے کی لاٹ سے ہوسکتا ہے جو قطب کی مسجد کے اندر واقع ہوئی ہے اور راجہ دہلو کے عہد کی ہے۔ یہ چوتھی صدی عیسوی میں بنی تھی حالانکہ یورپ میں تھوڑے ہی زمانے سے اور وہ بھی پیچیدہ کلوں کے استعمال سے اتنی بڑی فلزی اشیاء کا ڈھالنا ممکن ہوا ہے۔'' (تمدن ہند)

حقیقت یہ ہے کہ کرہ ارض پر جب سے انسان آیا ہے اپنے ساتھ تہذیب وتمدن بھی لے کر آیا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس تہذیب وتمدن کو وہ ترقی دیتا رہا ہے۔ کرہ ارض پر نسلِ انسانی کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا۔ وہ اور ان کی بیوی حضرت حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنت سے زمین پر تشریف لائے۔ ان دونوں سے نسل انسانی چلی۔ حضرت آدم علیہ السلام پہلے انسان بھی تھے اور پہلے نبی بھی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں وحی کے ذریعے وہ تمام علوم وفنون حرفے اور پیشے سکھائے تھے' انسانی تمدن کے قیام کے لیے ابتداءً جن کی ضرورت تھی۔ انھوں نے وہ تمام پیشے' حرفے اور علوم وفنون اپنی اولاد کو سکھائے۔ پھر اپنی اولاد کو زمین کے مختلف خطوں میں پھیلا دیا اور آباد کردیا۔ ان کی اولاد شہری تمدن کی حامل تھی۔ ایک ایسا تمدن جو وحی الٰہی کی بنیاد پر قائم ہوا تھا۔ چنانچہ ابتدائی انسان متمدن تھا۔ پھر جو افراد مختلف اسباب کی بنا پر اس تمدن سے کٹ گئے یا انھیں جرموں کی پاداش' منفی سرگرمیوں اور دیگر اسباب کی بنیاد پر تمدن سے خارج کردیا گیا۔ وہ دور دراز جنگلوں' بیابانوں' پہاڑوں کی گھاٹیوں اور ریگستانوں میں جا بسے۔ یوں شہری تمدن کے ساتھ ساتھ وحشی تمدن کی بنیاد بھی پڑ گئی جو جنگلوں' بیابانوں' پہاڑوں کی گھاٹیوں اور دور افتادہ بے آباد علاقوں میں پروان چڑھتا رہا۔ جس سے وحشی قومیں اور قبیلے پیدا ہوئے جو درندوں اور جانوروں جیسی زندگی گزارنے لگے۔ اس طرح کرہ ارض پر ہر دور میں انسانوں کے یہ دونوں گروہ انسانی آبادی والے بڑے بڑے خطوں میں موجود رہے' متمدن بھی اور وحشی

بھی۔ مگر انسانی فطرت چونکہ بنیادی طور پر تمدن پسند ہے اس لیے متمدن اقوام تمدن میں ترقی کے مدارج طے کرتی رہیں اور وحشی قومیں آہستہ آہستہ ابتدائی تمدن کی طرف آتی رہیں۔ تاریخ انسانی میں بہت دفعہ ایسا بھی ہوا کہ متمدن اقوام کسی حادثہ کی بنا پر محروم تمدن ہو کر وحشی طور اطوار پر یا تمدن کے بالکل ابتدائی مدارج پر چلی گئیں اور وحشی اقوام مختلف اسباب سے ہمکنار تمدن ہو کر متمدن بن گئیں۔ جیسے تاریخ کے کسی موڑ پر ہڑپہ تمدن کی وارث اقوام وحشی آریوں کے حملوں یا دیگر حوادث وانقلابات سے یا وحشی بن گئیں یا بالکل ہی بے نام ونشان ہو کے رہ گئیں۔ جبکہ تاریخ عالم نے یہ طرفہ تماشہ بھی دیکھا کہ عرب مسلمانوں کے سپین جانے کی برکت سے وحشی یورپ تاریخ انسانی کے اعلیٰ تمدن کا وارث بن گیا۔

لی بان کا یہ کہنا کہ انسان کے وجود میں آنے کے کچھ عرصہ بعد سے ہند میں فولاد سازی اوراس کی ڈھلائی سے مختلف اشیاء بنانے کی صنعت موجود رہی ہے اگر چہ یہ اس کا ایک اندازہ ہے مگر حقیقت کے قریب تر ہے کیونکہ اسلامی روایات میں یہ حقیقت صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ہند میں تشریف لائے تھے۔ بلکہ بعض روایات کے مطابق وہ زمین کے جس حصہ پر اترے تھے وہ سرزمین ہند یعنی برصغیر پاک وہند ہی کا ایک علاقہ تھا۔ بہر کیف حضرت آدم علیہ السلام کا برصغیر پاک وہند میں تشریف لانا ایک ثابت شدہ امر ہے۔ یقیناً انھوں نے یہاں اپنی اولاد کو بھی آباد کیا ہوگا بلکہ آپ کی اولاد کا ایک بڑا حصہ یہاں آباد ہوا ہوگا اور ایک بڑا گروہ چین میں۔ کیونکہ یہ دونوں ہمسایہ ملک ہمیشہ سے دنیا کی تقریباً آدھی انسانی آبادی کے امین رہے ہیں۔ خصوصاً برصغیر پاک وہند کہ یہ ہمیشہ سے اپنے قدرتی وسائل کی بناء پر مخلوق خدا کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بچھائے گئے۔ میزبانی کے دسترخوان کی حیثیت سے رہا ہے۔

یہاں چونکہ لوہے کی بہتات تھی اس لیے اغلب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے حاصل کردہ نبویانہ علوم کی بناء پر برصغیر میں آباد ہونے والی اپنی اولاد کو فولاد بنانا اوراس سے مختلف اشیاء تیار کرنا سکھایا ہوگا۔ چنانچہ یہاں پر آباد ابتدائی انسانوں نے انسانیت کے وجود میں آنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد سے فولاد سازی اوراس سے اشیاء بنانے کا آغاز کردیا ہوگا

اوراس میں ان کا اختصاص رہا ہوگا۔ دیگر خطہ ہائے ارض میں آباد بڑی بڑی انسانی معاشرتیں ان کی فولادکی اس صنعت سے استفادہ بھی کرتی رہی ہوں گی۔ چنانچہ ہمیں تاریخ کے ہر دور میں دنیا کے تمام ممالک میں ہندی فولاد اس سے بنی اشیاء خاص طور پر تلواروں اور دیگر ہتھیاروں کی شہرت سنائی دیتی ہے۔ شرق وغرب میں ہر زمانے میں ہند کے بنے ہتھیاروں اور تلواروں نے اپنا لوہا منوایا ہے۔

لی بان لکھتا ہے۔ "ہندو صنعتوں میں فولادی ہتھیار اعلیٰ درجہ رکھتے ہیں۔ نہ صرف ان کی ساخت باریک اور پچی کاری عمدہ ہے بلکہ ان کا فولاد بھی اعلیٰ درجہ کا ہے اور قدیم زمانہ سے یہ مشہور و معروف ہے۔ ڈاکٹر برڈوڈ کی رائے ہے کہ دمشق کے تیغے جو پرانے زمانے میں اس قدر مشہور تھے۔ ہند کے فولاد سے بنتے تھے۔ ہند کے فولاد کی تعریف یونانیوں نے بھی کی ہے اور سب سے عمدہ قسم کا فولاد مقناطیسی لوہے سے بنتا ہے۔" (تمدن ہند)

اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ ہند پر لکھنے والوں کا یہ نظریہ کہ یہاں ماقبل تاریخ دور میں وحشی قبائل کا دور دورہ تھا اور آریاؤں کے آنے سے پہلے یہاں تہذیب وتمدن نے کبھی جنم نہ لیا تھا۔ محض ایک مفروضہ، وھمہ، اندازہ اور بے بنیاد قیاس ہے۔

زمانہ ماقبل تاریخ میں برصغیر پاک وہند اعلیٰ تہذیب وتمدن کا حاصل تھا

۱۹۲۰ء میں آثار قدیمہ کی سروے سوسائٹی آف انڈیا نے ہڑپہ (پنجاب) اور بعد ازاں موہنجوداڑو (سندھ) میں جو کھدائی کروائی اس نے ماضی میں ہند پر لکھنے والوں کے سارے مفروضے غلط ثابت کر دیے۔ اس کھدائی کے نتیجہ میں ہونے والے انکشافات نے پاک و ہند پر کام کرنے والے مؤرخین کے ذہن کا رخ بدل دیا ہے۔

کھدائی سے جو کھنڈرات ملے ہیں ان سے برصغیر پاک وہند کی ہزاروں سال پہلے کی جو تصویر سامنے آتی ہے اس کے مطابق قدیم برصغیر پاک و ہند میں آباد لوگ بڑے جفاکش، محنتی، ہنرمند اور اعلیٰ تہذیب وتمدن کے حامل تھے۔ ان کی تہذیب کے نشانات پانچ ہزار سال سے بھی زیادہ پرانے ہیں۔ ان کی تہذیب اس قدر اعلیٰ تھی کہ اسے بجا طور پر جدید تہذیب وتمدن

کے مقابلے میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ گرولیئر انسائیکلوپیڈیا مطبوعہ امریکہ میں انڈیا کے عنوان کے تحت برصغیر کے قدیم حالات پر یوں روشنی ڈالی گئی ہے۔

''مٹی میں دفن بہت سے شہروں کی دریافت جو سندھ میں موہنجوداڑو اور پنجاب میں ہڑپہ کے مقام پر ہوئی ہے' اس نے ہندوستان کی تاریخ کو ۲۷۵۰ ق م پر پہنچا دیا ہے۔ یہ یقین سے کہا جاتا ہے کہ سندھ کی وادی کے وسیع علاقہ میں پانچ ہزار سال پہلے سے تہذیب کی روشنی موجود تھی جو مصر' سومر (نینوا) کی تہذیبوں کی ہم عصر تھی''

سرجان مارشل جن کی زیرنگرانی ان شہروں کی کھدائی مکمل ہوئی کا کہنا ہے کہ ''اکثر گھروں میں کنوؤں اور غسل خانوں کے آثار موجود ہیں نیز گندے پانی کی نکاسی کا بہترین نظام پایا گیا ہے اس سے وہاں کے باشندوں کی معاشرت کا پتہ چلتا ہے جو یقیناً ان کی ہم عصر تہذیبوں' بابل اور مصر میں پائی جاتی تھی۔ موہنجوداڑو میں گھریلو برتن' رنگین نقوش والے ظروف' شطرنج کے مہرے اور سکے ملے ہیں جو آج تک دریافت ہونے والے سکوں میں قدیم ترین ہیں۔ یہاں بہترین قسم کے ایسے برتن بھی ہیں جن پر اعلیٰ پائے کے نقش و نگار ہیں۔ دو پہیوں والی گاڑی ہے' سونے چاندی اور جواہرات کے زیورات ہیں جو بڑی عمدگی سے بنائے گئے ہیں اور ان پر کی گئی پالش بڑی عمدہ ہے۔ جو موجودہ دور کے بہترین زیورات جیسی ہے۔ ان کی بناوٹ اور چمک دمک دیکھ کر بالکل پتہ نہیں چلتا کہ وہ پانچ ہزار سال قبل زمانہ تاریخ کے ہیں۔ زراعت یہاں کے لوگوں کا اہم پیشہ تھا۔ آبپاشی کا بہترین نظام تھا' موہنجوداڑو صنعت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ یہاں کی ساختہ چیزیں باہر بھیجی جاتی تھیں۔ دستکاروں کے آلات صنعت حیران کن ہیں یہاں پارچہ باف بہترین قسم کا کپڑا بناتے تھے جو بابل اور ایشیا کے دوسرے معروف شہروں میں بھیجا جاتا تھا۔ شہروں کے آباد کرنے کے طریقے بلدیہ کے نظام کی عمدگی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ صفائی اور حفظان صحت کے انتظامات دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے۔ موہنجوداڑو مستطیل شکل پر تھا۔ گلیاں بہت وسیع اور سیدھی تھیں جو شمال سے جنوب کی طرف بنائی گئی تھیں۔ دوسری بڑی گلیوں کے ساتھ متوازی تھیں چھوٹی گلیاں بڑی سڑک سے قائمہ زاویہ پر نکالی گئی تھیں' بالکل جدید امریکہ کی طرح۔ بڑی گلیاں تینتیس فٹ چوڑی اور چھوٹی اٹھارہ فٹ چوڑی ہوتی تھیں۔

فالتو پانی کے اخراج کے لیے نالیاں تھیں جن کو اینٹوں سے ڈھانپا گیا تھا۔ صفائی کے لیے مناسب مقامات پر سوراخ تھے۔ موہنجوداڑو میں پانی کے نکاس کا نظام انیسویں صدی کے یورپ کے تمام نظاموں سے بہتر تھا۔ موہنجوداڑو کے رہنے والے موسیقی اور رقص سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے۔ سانڈوں اور مرغوں کی لڑائی نیز شکاری کتوں کے ساتھ جانوروں کا شکار کھیلنا ان کی بہترین تفریح تھی۔'' (گرولیئر انسائیکلو پیڈیا)

''گوتم بدھ' راج محل سے جنگل تک'' از کرشن کمار ترتیب و ترمیم خالد ارمان کے دوسرے حصہ کے پہلے باب میں ''ہڑپہ کا شہری تمدن'' کے عنوان کے تحت لکھا ہے۔

''سندھ کی تہذیب ماہرین آثار قدیمہ میں ہڑپہ تمدن کی حیثیت سے معروف ہے۔ ہڑپہ حالیہ نام ہے ان دو شہروں میں سے ایک کا جو کہ پنجاب میں دریائے راوی کے بائیں ساحل پر واقع ہے۔ دوسرا شہر موئن جوڈارو دریائے سندھ کے داہنے ساحل پر اس کے منبع سے کوئی ڈھائی سو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ان دو شہروں کے علاوہ بہت سے چھوٹے چھوٹے شہر بھی ہیں اور متعدد گاؤں بھی ہیں جو دریائے ستلج کے بالائی حصے روپڑ سے لے کر گجرات میں رنگ پور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اس اعتبار سے ہڑپہ کے شہری تمدن کی گرفت میں شمال سے لے کر جنوب تک تقریباً ساڑھے نو سو میل کا رقبہ تھا۔''

''مذاہب عالم کا انسائیکلو پیڈیا'' از لیوس مور (مترجم یاسر جواد' سعدیہ جواد) میں قبل از زمانہ تاریخ کے ہند کا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے۔

''۱۹۲۰ء سے پہلے قبل از آریائی لوگوں کے بارے میں معلومات کا واحد ذریعہ ابتدائی ہندومت کا ویدی ادب تھا۔ چونکہ یہ آریاؤں کا مذہبی ادب تھا' اس لیے ہندوستان کے مقامی لوگوں اور ان کے مذہب کے بارے میں حوالہ جات بنیادی طور پر منفی تھے اور لوگوں کو غیر مہذب اور وحشی کے طور پر پیش کیا گیا۔ تاہم ۱۹۲۰ء میں وادئ سندھ میں آثاریاتی کھدائی عمل میں آئی اور کم از کم دو قبل از آریائی شہر دریافت ہوئے۔ وید میں پیش کیے جانے والے تصور کے برعکس یہ کھدائی بتاتی ہے کہ 2500 قبل مسیح میں وادی سندھ میں اعلیٰ ترقی یافتہ تہذیب موجود تھی۔ شہروں میں نالیوں کے انتظام کے ساتھ بہت اچھی گلیاں تھیں۔ انہیں

اردگرد کی جدید زرعی برادریاں خوراک فراہم کرتی تھیں اور ان قبل از آریائی لوگوں کے پاس تحریری زبان موجود تھی۔ بد قسمتی سے ابھی تک اس زبان کا ترجمہ نہیں کیا گیا اور ان لوگوں کی زندگی اور مذہب سے متعلق معلومات کا ایک وسیع خزانہ پوشیدہ ہے۔

ہم قبل از آریائی لوگوں کے مذہب کے بارے میں جو کچھ جانتے ہیں وہ ماہرین آثاریات کو ملنے والے بہت سے مجسموں اور تعویذوں سے پتا چلتا ہے۔ ان میں سے بہت سے اس شبیہ کو ظاہر کرتے ہیں جنھیں زرخیزی کے دیوتاؤں اور دیویوں کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان میں کچھ جسم کنول آسن میں بیٹھے ہوئے ہیں جسے بعد میں یوگا' ہندومت اور دیگر فرقوں نے اختیار کر لیا لہٰذا اندازہ ہے کہ بربریت سے کہیں دور' قبل از آریائی لوگ نہایت مہذب شہروں میں بسنے والے لوگ تھے اور یہ کہ بعد کے ہندومت نے اپنے کچھ دیوتا اور دستور اسی ابتدائی عرصہ سے حاصل کیے ہیں۔"

مذہبی لحاظ سے یہ لوگ بت پرست تھے۔ مونث دیویوں کی پوجا کرتے تھے۔ مردوں کو جلاتے تھے۔ عقیدۂ تناسخ یعنی آواگون کے قائل تھے۔ ان کے شہر بڑے بڑے اور اعلیٰ تمدن کے حامل تھے مگر ان کے بہت سے قبائل خانہ بدوشی کی زندگی بھی بسر کرتے تھے۔

"گوتم بدھ: راج محل سے جنگل تک" کے دوسرے حصہ کے دوسرے باب میں لکھا ہے۔

"ہندوستان کے قدیم ترین مہذب باشندے ایک دیوی ماتا اور زرخیزی کے دیوتا کی پوجا کیا کرتے تھے۔ ان کے مقدس درخت اور جانور ہوتے تھے۔ ان لوگوں کی مذہبی زندگی میں اشنان بڑی اہمیت رکھتے تھے۔ ہڑپہ کے لوگوں کے مذہب کے بارے میں 80 سے زائد باتیں کہی اور لکھی گئی ہیں لیکن قابل فہم کتب کی عدم موجودگی میں اس مذہب کی مزید تعریف و توجیہ کی کوشش محض خیال آرائی ہی ہے۔ ہڑپہ کے لوگوں کے مذہب کی بعض خصوصیات عہد مابعد میں ایک دوسری شکل میں نمودار ہوئیں اور ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ مذہب کبھی بھی ختم نہیں ہوا بلکہ کم تر درجہ کے لوگ اس پر عمل کرتے رہے اور اس میں دیگر معتقدات اور فرقوں سے روابط کی وجہ سے تغیر و تبدل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے اتنی قوت فراہم کر لی کہ دوبارہ نمودار ہو گیا اور زیادہ تر ہندوستان کے آریائی حکمرانوں کے مذہب پر اس کو غلبہ حاصل ہو گیا۔"

اوپر دیے گئے اقتباسات سے ہند کے تہذیب وتمدن کے پانچ ہزار سال سے بھی زیادہ قدیم ہونے کا پتہ چلتا ہے مگر جدید تحقیقات سے شمالی ہند جہاں ملک پاکستان قائم ہے کے مشہور زمانہ زرخیز وشاداب خطہ پنجاب میں بہنے والے سوان نامی چھوٹے سے خوبصورت دریا کے کنارے دریافت ہونے والے آثار نے برصغیر پاک وہند میں انسانی تہذیب وتمدن کو ماہرین کے مطابق لاکھوں سال زمانہ ماقبل تاریخ پر پہنچا دیا ہے۔اس تمدن کو سوان تمدن کا نام دیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ آثار کتنے پرانے ہیں تاہم ان آثار کی دریافت سے یہ امر ایک ناقابل تردید حقیقت بن گیا ہے کہ برصغیر پاک وہند میں تہذیب وتمدن اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ خود انسان۔

''گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک'' کے دوسرے حصے کے پہلے باب میں ہندوستان کا ابتدائی انسان کے عنوان کے تحت لکھا ہے۔

''زمانہ ماقبل تاریخ کے یورپ کی طرح شمالی ہند کو بھی برفانی ادوار سے گزرنا پڑا اور دوسرے برفانی دور کے بعد چار لاکھ سال قبل مسیح اور دو لاکھ سال قبل مسیح کے درمیان ہمیں ہندوستان میں انسان کی زندگی کے آثار دستیاب ہوتے ہیں یہ آثار سوان (Soan) تمدن کے سنگی دور کے پتھر کے بنے ہوئے اوزار ہیں۔اس تمدن کو یہ نام اس چھوٹے سے دریا کی وجہ سے دیا گیا جو پنجاب میں ہے جہاں کہ یہ آثار بکثرت پائے جاتے ہیں۔اپنی ساخت کے اعتبار سے یہ اوزار قدیم دنیا یعنی انگلستان سے لے کر افریقہ اور چین تک کے اوزاروں سے مشابہت رکھتے ہیں۔''

آریا قبائل کی آمد

آریا قبائل اپنے اصلی وطن جو غالباً وسطی ایشیا تھا سے نقل مکانی کر کے کوہ ہندوکش کے دروں سے گزرتے ہوئے ہندوستان میں فروکش ہوئے جہاں سندھ ساگر کے وسیع وعریض میدانوں نے اپنا زرخیز دامن پھیلا کر انھیں خوش آمدید کہا۔آریا لوگوں کا اپنا وطن شاید ان کی بھوک مٹانے کے قابل نہ تھا۔اس لیے وہ اپنی بانجھ زمینوں کو چھوڑ کر ہند کی زرخیز زمینوں کی گود

میں پناہ گزین ہوئے۔تاریخ آریاؤں کی بہادری وشجاعت کے قصیدوں سے اٹی پڑی ہے دوسری طرف تاریخ پر ایک عام نظر ڈالنے سے ہند کے قدیم باشندوں کی جو تصویر ہمارے سامنے آتی ہے وہ ایک ایسی قوم کی تصویر ہے جس کے افراد پست ہمت، تخلیقی صلاحیتوں سے عاری، غلامی کے خوگر......اور بزدل و کم نگاہ ہیں جبکہ قرائن وشواہد عام تاریخی کتابوں میں پیش کردہ اس تصویر کے بالکل برعکس ہیں۔ ہندوستان کے قدیم باشندوں کے شہروں کے کھنڈرات کے مطالعہ نے دنیا کو یہ حقیقت تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا ہے کہ وہ لوگ انتہائی جفاکش محنتی، مہذب، متمدن، ذہین اور بہادر وشجاع تھے۔ان کی محنت، ذہانت و فطانت اور اعلیٰ تخلیقی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ان کی تہذیب وتمدن کے وہ زندہ نشانات ہیں جنھوں نے جدید دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ جبکہ ان کی بہادری وشجاعت کا سب سے بڑا ثبوت یہ حقیقت ہے کہ آریا قبائل حملہ آور ہونے کے باوجود ڈیڑھ ہزار سال تک وادیٔ سندھ کے علاقے ہی میں محدود رہے اور ہند کے باقی علاقوں کی طرف پیش قدمی نہ کر سکے۔ اگر دراوڑ بزدل و ناکارہ قسم کے لوگ تھے تو آریاؤں کو چند سالوں میں پورے ہند پر قابض ہو جانا چاہیے تھا۔

دراوڑ ابتداء میں کسی الہامی مذہب ہی کے پیروکار رہے ہوں گے مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انھوں نے اپنے مذہب کو بدل ڈالا اور مشرک و بت پرست بن گئے۔ان کے عملوں کا یہ بدلہ تھا کہ تہذیب وتمدن سے نا آشنا ایک وحشی قوم ان کی حکمران بن گئی۔ آریا اگرچہ وحشی اور تہذیب وتمدن سے عاری قوم تھی مگر ان کا مذہبی طبقہ جو برہمن کہلاتا تھا بلا کا ذہین، عیار و ہوشیار اور مکار و چالاک تھا۔ آریوں پر اصل حکمرانی برہمن کی تھی وہ صدیوں سے مذہب کا لبادہ اوڑھ کر انسانوں کو اپنا غلام بنانے کے فن میں طاق تھا۔ برہمن کی مذہبی اجارہ داری کی بقا آریوں کے ہندوستان کی حکمران قوم کے طور پر کامیاب ہونے میں تھی۔ اس کے لیے برہمن نے کئی کھیل کھیلے اور مکر و فریب کے کئی جال بنے۔ ہندوستان کی تاریخ کے گہرے مطالعے اور ہندومت پر گہرے غور و خوض سے برہمن کا یہ کردار کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔

آریا اصلاً توحید پرست تھے۔ انھیں توحید پرستی سے محروم کرنے والا برہمن ہی تھا۔ آریا ہندوستان آنے سے پہلے توحید کو چھوڑ کر بت پرستی میں مبتلا ہو چکے تھے۔ وہ مذکر دیوتاؤں کی

پوجا کرتے تھے۔ برہمن اگرچہ توحید کے عقیدہ سے آشنا تھا اور ان کی مذہبی کتب عقیدۂ توحید کی حقانیت پر گواہ تھیں مگر برہمن نے اپنے تفوق اور مذہبی حکمرانی کو قائم رکھنے کے لیے اپنے لوگوں کو نہ صرف توحید سے بے خبر رکھا بلکہ انھیں دانستہ بت پرستی میں مبتلا کر دیا۔ آریا جب ہند میں آئے تو الہامی مذاہب کے پیرو کاروں کی طرح اپنے مردوں کو دفن کرتے تھے اور بعث بعدالموت پر یقین رکھتے تھے۔ اعمال کے حساب اور جزا و سزا کا عقیدہ بھی ان کے ہاں پایا جاتا تھا۔ مگر برہمن نے ہندوستان وارد ہونے کے بعد آریائی مذہب میں نئی تبدیلیاں پیدا کیں۔

بالآخر آریائی ویدک دھرم اور دراوڑی ہندی مذہب کی باہم آمیزش سے ایک نیا دھرم وجود میں لایا گیا جو ہندو مت کے نام سے مشہور ہوا۔ بت پرستی' جانوروں کی قربانی اور برہمن کا تفوق اس مذہب کی بنیاد تھی۔ مقامی دراوڑی مذہب کی اقدار کو بھی شامل کر لیا گیا۔ مردوں کو دفن کرنے کی بجائے انھیں آگ میں جلانا شروع کر دیا گیا۔ بعث بعدالموت کے عقیدے کی بجائے عقیدۂ تناسخ کو فروغ دیا گیا۔ برہمن نے لوگوں کو فلاح و کامرانی' دنیاوی ترقی اور روحانی کامیابی کے لیے دیوتاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کی تعلیم دی۔ دیوتاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ قربانی کو بتایا گیا۔ قربانی ہندو دھرم کی اہم عبادت بن گئی مگر اس کے آداب بڑے سخت تھے۔ جن سے کما حقہٗ صرف برہمن ہی آگاہ تھا۔ قربانی کے آداب کی باریکیوں کا تقاضا یہ تھا کہ قربانی دیوتاؤں کی خدمت میں برہمن کے ذریعے پیش کی جائے۔ بصورت دیگر ڈر تھا کہ قربانی پیش کرنے میں کوئی غلطی سرزد ہو جائے اور بجائے فائدے کے الٹا نقصان ہو جائے۔ یوں برہمن کا کردار ہندو دھرم میں اہم تر ہوتا گیا۔ قربانی کی عبادت نے اس پر مالی وسائل کے دروازے کھول دیے اور وہ ہندوستان کا خوشحال ترین طبقہ بن گئے۔

ہند میں آریاؤں کی آمد کے بارے میں لیوس مور لکھتا ہے۔

"۱۷۵۰ اور ۱۲۰۰ قبل مسیح کے درمیانی عرصہ میں آریا وادی سندھ میں نقل مکانی کر کے آئے۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ اس خطے کی اعلیٰ تہذیب یافتہ شہری ثقافتیں ختم ہو چکی تھیں کیونکہ انھیں آریاؤں نے بہ آسانی فتح کر کے اپنی ثقافت میں جذب کر لیا تھا۔ ابتدائی آریاؤں کے

بارے میں بہت کم علم ہے۔ ویدی ادب میں بکھرے ہوئے حوالہ جات اشارہ کرتے ہیں کہ وہ بنیادی طور پر آوارہ خانہ بدوش تھے جو ایک جگہ سے دوسری جگہ اپنے ریوڑ کے پیچھے جاتے تھے۔ بظاہر ان کی کوئی مستقل بنیادیں یا شہر نہیں تھے۔ اس عرصہ کے آریا قبیلوں کی صورت میں ترتیب دیے گئے تھے جن کی سربراہی سردار کرتے تھے جنھیں راجہ کہا جاتا تھا۔ آریا لوگ ہند یورپی زبان بولا کرتے تھے جو سنسکرت کے لیے بنیاد بنی اور جو یورپ کی زبانوں کے ساتھ مشترکہ خصوصیات رکھتی ہے۔ یہ چھٹی صدی قبل مسیح میں ہی کہیں آکران لوگوں نے وادی سندھ میں شہروں کے اندر آباد ہونا شروع کیا اور کچھ راجوں نے اپنے لیے چھوٹی چھوٹی سلطنتیں جمع اور تعمیر کرنا شروع کر دیں۔

ابتدائی ذرائع کے مطابق آریائی معاشرہ نے تین بنیادی صورتوں میں ترقی کرنا شروع کی۔ مختلف آریائی دیوتاؤں کے مسالک کی خدمت کرنے والے اعلیٰ مرتبت پجاری برہمن کہلاتے تھے۔ سردار اور جنگجو کشتریہ کہلاتے تھے جنھیں معاشرے کے بالائی طبقے سے نزدیک سمجھا جاتا تھا۔ دونوں بالائی طبقات کے خادم سمجھے جانے والے عام لوگ اور تاجر ویش کہلاتے تھے۔ چوتھا طبقہ آریوں کی تسخیر سے پہلے والے لوگوں پر مشتمل تھا جنھیں شودر کہا جاتا تھا۔ شودروں کو معاشرے کے مکمل ارکان کی حیثیت نہ دی جاتی اور عموماً آریوں کے غلاموں یا نوکروں کے درجے پر رکھا جاتا۔ ہندوستانی معاشرے میں یہ تقسیم صدیوں تک قائم رہی اور ان کے نیچے کئی ذیلی تقسیمیں تھیں جو نام نہاد نظام ذات کی بنیاد بن گئیں۔"

(مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا)

کیا ہندومت باقاعدہ مذہب ہے؟

ہندومت کوئی باقاعدہ مذہب نہیں ہے۔ ہر مذہب کی تعریف ہو سکتی ہے مگر ہندومت کی تعریف بطور مذہب قریب قریب محال ہے۔ جو برہمن اور گائے کی عزت کرے ذات پات کے نظام کا قائل ہو اور نظریہ تناسخ پر ایمان رکھے۔ یعنی روح باری باری مختلف جسموں میں داخل ہوتی ہے ہر جسم میں ایک مقررہ مدت پوری کرنے کے بعد موت کے دروازے سے گزر کر اس

جسم سے ایک نئے جسم میں چلی جاتی ہے' وہ جسم ضروری نہیں کہ انسان کا ہی ہو۔ بلکہ وہ کسی حیوان مثلاً کتے' بلے' گدھے وغیرہ کا ہو سکتا ہے بلکہ نباتات میں بھی داخل ہو سکتی ہے اگلے جنم میں اس کی حیثیت کیا ہوگی۔ اس کا فیصلہ اس کے اعمال کی بنا پر ہوگا اور آخر مختلف جسموں سے ہوتی ہوئی اپنی آخری منزل پر پہنچ جاتی ہے نیک ہے تو سرگ باش (جنت)' ورنہ نرک (دوزخ)' جو کوئی ان باتوں کو مانتا ہو وہ ہندو ہے۔ اگرچہ وید ہندوؤں کی مذہبی کتب کہلاتی ہیں لیکن جو مذہب ہندومت کے روپ میں پایا جاتا ہے۔ وہ ویدوں کے پیش کردہ مذہبی نظام سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ (انسائیکلوپیڈیا آف لیونگ فیتھس ہملنھا)

لی بان تمدن ہند میں "ہند کی اقوام کیوں کر بنی اور ان کی اصل تقسیمیں کیا ہیں" کے عنوان کے تحت لفظ ہندو کی تحقیق بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"لفظ ہندو قومیت کے لحاظ سے کچھ معنی نہیں رکھتا۔ ہند میں اس سے مراد صرف وہ شخص ہے جو نہ مسلمان ہو' نہ عیسائی' نہ یہودی اور نہ پارسی اور جو ان چار ذاتوں (برہمن' چھتری' ویش اور شودر) میں سے جن کو فی الواقع بدھ مذہب نے جائز رکھا۔ کسی ایک ذات میں شامل ہو۔"

لیوس مور "مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا" میں کہتا ہے۔

"دنیا کے کئی دوسرے بڑے مذاہب کے برخلاف ہندومت کا کوئی قابل ذکر بانی نہیں تھا۔"

ورلڈ سولائیزیشن کے مصنفین نے جو کچھ ہندومت کے بارے میں لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے اہل مغرب کی اصطلاح کے مطابق ہندوازم کو مذہب قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ یہ ہر قسم کے عقیدہ کو اپنانے کے لیے تیار رہتا ہے تمام رسم ورواج اپنا لیتا ہے خواہ وہ پرانے وقت کے گھناؤنے رسم ورواج ہوں یا جدید دور کی اقدار، ہندومت کے کوئی متعین عقائد واصول نہیں ہیں جنھیں ماننا اس مذہب کے ہر پیروکار کے لیے ناگزیر ہو۔ اس کے ماننے والے کسی ایک جگہ جمع ہو کر عبادت نہیں کرتے ان کا کوئی مسلمہ کلیسا نہیں۔ البتہ برہموں کے متعلق ان کے خاص اعتقادات ہیں۔ مخصوص طریقہ کار ہیں۔ جن کی سارے ہند میں پیروی کی جاتی ہے۔ برہمن اپنے ماننے والوں کے لیے کسی مخصوص عقیدہ پر ایمان لانے کو ضروری خیال نہیں کرتے اور نہ کسی نئی بدعت کے خلاف انھیں اٹھ کھڑے ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ ان کا اصرار صرف

اس بات پر ہوتا ہے اور اس میں وہ کامیاب بھی ہیں کہ ان کا ہر پیروکار یہ بات تسلیم کرے کہ دیوتا اور انسان کے درمیان واسطہ اور ترجمان کا فریضہ صرف برہمن ہی ادا کرسکتا ہے۔ برہمن ازم یعنی ہندومت میں ان باتوں پر زور دیا جاتا ہے۔

۱- برہموں کی تعظیم و تقدس اور ہر معاملہ میں ان کی اعانت۔

۲- حیوانی زندگی کا تقدس (یعنی نہ جانور ذبح کیے جائیں نہ ان کا گوشت کھایا جائے)۔

۳- عورت کا مقام معاشرہ میں مرد سے بہت زیادہ کم ہے۔

۴- ذات پات کی تقسیم کو قبول کیا جائے۔

ان کے ہاں ذات پات کی وجہ سے عورت کا مرتبہ بہت گرا ہوا ہے۔ بیوہ عورت ہر وقت اس غم میں رہتی ہے کہ اس کے کسی گناہ کی وجہ سے اس کا خاوند مرا ہے۔ وہ دوسری شادی نہیں کر سکتی خواہ ابھی جوان ہی ہو۔ عورت کو یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ اس کی عزت اس میں ہے کہ وہ خاوند کی لاش کے ساتھ جل کر مر جائے۔ ذات پات کے نظام میں شودر کے ساتھ جو غیر انسانی سلوک کیا جاتا ہے وہ بڑا شرمناک ہے۔ اسے انسان ہی نہیں سمجھا جاتا۔ جنوبی ہند میں حالت یہاں تک گر چکی ہے کہ شودر کا سایہ کنویں پر پڑ جائے تو وہ کنواں ہندوؤں کے نزدیک بھرشٹ (ناپاک) ہو جاتا ہے۔ شودر آبادی سے باہر جھونپڑوں میں رہنے پر مجبور ہیں۔ حیرت یہ ہے کہ یہ انسانیت سوز قبیح رسمیں دنیا کی تعلیم یافتہ اور بزعم خویش عقل مند کہلانے والی قوم ہزاروں سال سے اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہے۔

ہندوؤں کا نظریہ تخلیق کائنات

ہندوؤں کے ہاں کائنات گردشوں کے لامتناہی سلسلے کا نام ہے۔ بنیادی گردش ''کالپا'' کہلاتی ہے جس کا مطلب ہے برہما کا دن۔ یہ چار ہزار دو سو ملین زمینی سالوں کے برابر ہے۔ گردشوں کا یہ سلسلہ وشنو دیوتا کی زندگی سے وابستہ ہے۔ ان کی دیومالائی اصطلاح میں ہر کائناتی دن کے آغاز میں وشنو ایک ایسے شیش ناگ کی گود میں سویا ہوتا ہے جس کے ہزار سر ہیں۔ یہ ناگ لامتناہی زمانہ کی علامت ہے، وہ کائناتی قدیم سمندر میں جھولا جھولتا رہتا ہے پھر

وشنو کی ناف سے کنول کا پھول اگتا ہے اور اس کی لپٹی ہوئی پتیوں سے برہما دیوتا پیدا ہوتا ہے۔ برہما خالق کائنات ہے۔ وہ کائنات کی تخلیق کرتا ہے پھر وشنو پیدا ہوتا ہے اور کائنات پر حکومت کرتا ہے۔ کالپا کے خاتمے پر وشنو پھر سو جاتا ہے اور ساری کائنات اس کے جسم میں ضم ہو جاتی ہے۔ ہمارے اس زمانے کا آغاز تین ہزار ایک سو دو سال ق م میں مہابھارت کی جنگ کے خاتمے پر ہوا۔ اس کی کل میعاد چار لاکھ بتیس ہزار سال ہے۔ اس مدت کی تکمیل پر ساری دنیا آگ اور طوفان سے تباہ ہو جائے گی بعض کا خیال ہے کہ وشنو مجسم صورت میں آ کر تباہی کو پرسکون انقلاب سے بدل دے گا۔

نیند سے اٹھ کر وشنو اپنے آسمانی تخت پر بیٹھتا ہے اس کے پہلو میں اس کی ملکہ دیوی لکشمی بیٹھی ہے جب کائنات خطرات سے دوچار ہونے لگتی ہے تو وشنو کبھی مکمل اور کبھی نامکمل صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور کائنات کو تباہ ہونے سے بچاتا ہے۔ وشنو کے نامکمل مظاہر بیشمار ہیں اور مختلف رشیوں کی شکل میں اب بھی موجود ہیں اس کے مکمل مظاہر اب تک نو ہوئے ہیں۔ کچھ یہ ہیں مچھلی، کچھوا، سور، شیر۔ (انسانی شکل میں) پاراسوراما۔

اس کے اہم ترین اوتار وہ ہیں جب وہ راما اور کرشنا کے روپ میں ظاہر ہوا اس کی پوجا انہی کی صورت میں کی جاتی ہے۔ رام کی داستان تو ان کے ہاں زبان زد عام ہے البتہ کرشنا کے روپ میں اس کے کئی ظہور ہیں۔

۱۔ موٹا تازہ شرارتی بچہ۔

۲۔ ایک بانکا سجیلا نوجوان رادھا جس کی محبوبہ ہے۔ اس کے ساتھ اس کا معاشقہ مشہور و معروف ہے۔

۳۔ ایک بہادر 'لڑاکا' جنگ جو، جس نے مہابھارت کی جنگ میں شرکت کی اور اپنے دوست ارجونا کو بھگوت گیتا کا درس دیا۔

ان تینوں روپوں میں بھارت کے طول و عرض میں اس کی پوجا کی جاتی ہے۔

وشنو کا نانواں ظہور بدھا کی شکل میں ہوا۔ وشنو کا ایسا ظہور جس میں وہ نہ ویدوں کا قائل ہو نہ خدا کا۔ انتہائی تعجب خیز ہے، برہموں نے بدھ مت کو ہڑپ کرنے کے لیے اس کے زوال

کے بعد یہ نظریہ پیش کیا کہ بدھا بھی وشنو کا اوتار تھا۔ اس لیے اس کا بت مندروں میں سجانا اور اس کو پوجنا ہمارا حق ہے یوں وشنو کے اوتار کے نام پر بدھا ان کے مندروں کی سجاوٹ کا سامان بن گیا اور بدھ مت قصہ پارینہ۔ وشنو کا آخری ظہور کالکن کی شکل میں ہوگا۔

ایک تخلیق کائنات کے حوالے سے ایک اہم دیوتا ''شیوا'' ہے اس کی شکل بہت خوفناک ہے اس کے گلے میں انسانی کھوپڑیوں کا ہار لٹکا رہتا ہے جب وہ ڈراؤنا ناچ ناچتا ہے تو بدروحیں اس کے گرد حلقہ بنا کر رقص کرتی ہیں۔ کائناتی نظام کے سلسلہ میں اس دیوتا کی اہمیت یہ ہے کہ وہ زمانہ کے اختتام پر ساری کائنات کو بھسم کر دے گا۔ اسے انسانی اور حیوانی افزائش نسل کا دیوتا بھی کہا جاتا ہے۔ ہندوؤں میں اس کے آلہ تناسل کی پوجا کا رواج بہت زیادہ ہے۔

درگا اور پاراوتی شیوا دیوتا کی بیوی کے نام ہیں۔ یہ لکشمی سے زیادہ اہم ہے۔ جب خوفناک شکل میں ظاہر ہو تو اس کو درگا اور کالی کہتے ہیں اور جب دلکش روپ میں ظاہر ہو تو پاراوتی کہلاتی ہے۔

ہندوازم کا ایک عجیب نظریہ یہ بھی ہے کہ تخلیق کائنات کا عمل مرد وزن کے جنسی ملاپ جیسا ہے یہی وجہ ہے کہ جنسی اختلاط کو جائز صورتوں میں بھی اور کئی ناجائز صورتوں میں بھی وہ اپنی عبادتوں میں شمار کرتے ہیں۔ (انسائیکلوپیڈیا آف لیونگ فیتھ' ماخوذاً)

ہندوؤں کے عقائد کے بارے میں البیرونی کی تحقیقات

البیرونی پہلا مسلمان محقق ہے جس نے پورے ہند کی سیاحت کی اور اپنے مشاہدات کو ایک کتاب کی شکل میں منضبط کیا۔ یہاں اس کی کتاب ''تحقیق ماللہند'' سے چیدہ چیدہ نکات تحریر کیے جاتے ہیں۔

پہلے پہل آریہ توحید پر ایمان رکھتے تھے اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق ان کا عقیدہ یہ تھا کہ وہ یکتا ہے ازلی ہے' ابتداء اور انتہا سے پاک ہے۔ اپنے افعال میں مختار ہے قدرت کا مالک ہے' دانا ہے' زندہ ہے' سب چیزوں کو زندہ کرنے والا ہے' تدبیر فرمانے والا ہے۔ بقا عطا فرمانے والا ہے۔ اپنی بادشاہی میں اضداد و انداد سے یگانہ ہے نہ کسی چیز کے مشابہ ہے اور نہ

کوئی چیز اس کے مشابہ۔

ان کی مشہور کتاب پاتنجل کے حوالے سے علامہ البیرونی نے لکھا ہے۔

طالب استاد سے پوچھتا ہے۔

"وہ کون سا معبود ہے جس کی عبادت سے اعمال حسنہ کی توفیق ملتی ہے۔"

استاد جواب دیتا ہے۔

"وہ اپنے اول و واحد ہونے کے اعتبار سے ہر ماسوا سے مستغنی ہے وہ تمام افکار سے پاک ہے کیونکہ وہ تمام ناپسندیدہ اضداد اور پسندیدہ انداد سے ارفع ہے وہ خود سے ہر چیز کا جاننے والا ہے اور ہمیشہ سے عالم ہے کسی وقت میں اور کسی حالت میں جہالت اور لاعلمی کی نسبت اس کی طرف نہیں کی جا سکتی۔"

علامہ البیرونی ایک وید کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

"سائل نے پوچھا کہ تم ایسی ذات کی عبادت کیسے کر سکتے ہو جو محسوس نہ کی جا سکے مجیب نے کہا کہ جب اس کا ایک نام ہے تو اس کی حقیقت ثابت شدہ ہے۔ کیونکہ خبر ہمیشہ اسی چیز کی دی جاتی ہے جو موجود ہو اور اگر اس کا وجود نہ ہو تو اس کا نام بھی نہیں ہو سکتا۔ وہ حواس سے غائب ہے مگر عقل کے لیے اس کا ادراک ثابت ہے اور غور و فکر نے اس کی صفات کا پتہ دیا ہے اور غور و تدبر ہی خالص عبادت ہے اور جو شخص ہمیشہ یہ عبادت بجالائے سعادت مند ٹھہرتا ہے۔"

بھگوت گیتا' ہندوؤں کی مشہور کتاب مہا بھارت کا ایک حصہ ہے اس میں باس دیو اور ارجن کے درمیان ہونے والے مکالمہ میں باس دیو نے اپنے بارے میں یہ بتایا ہے۔

"میں کل ہوں۔ ولادت سے میری ابتداء نہیں اور وفات سے میری انتہاء نہیں۔ (یعنی ابتداء اور انتہاء سے پاک ہوں)۔

مزید بتایا کہ جو شخص مجھے اس صفت سے پہچانے اور میرے ساتھ اس طرح مماثلت پیدا کرے کہ اس کا ہر عمل طمع سے دور ہو جائے تو اس کی وہ زنجیریں جن میں وہ جکڑا ہوا ہے ٹوٹ

جائیں گی اس کے لیے نجات اور کامیابی آسان ہو جائے گی۔"

مگر بعد میں یہ عقیدہ شرک آلود ہو گیا اور خدائے واحد پر ایمان رکھنے والی قوم ہزاروں بلکہ لاکھوں معبودوں کی پجاری بن گئی۔ اس حوالے سے البیرونی کی تحقیق یہ ہے۔

قدیم یونانی علماء کی طرح ہندوستان کے حکماء کا یہ نظریہ تھا کہ حقیقی وجود صرف خالق اکبر کا ہے۔ باقی جملہ معلولات خیالی اور تصوراتی ہیں۔ کچھ کی رائے یہ ہے کہ جو موجود یہ کوشش کرتا ہے کہ وہ خالق حقیقی کا زیادہ سے زیادہ قرب حاصل کرے اور اس کی صفات سے خود کو متصف کرے جب بدن کے حجاب اٹھ جاتے ہیں اور روح بدن سے رہائی پالیتی ہے تو اس کو کائنات میں تصرف کی قدرت مل جاتی ہے اس بنا پر وہ معبود بننے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اس کے نام پر عبادت خانے بنانا اور قربانیاں کرنا انسانی فلاح کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

چنانچہ وہ لوگ ہر اس چیز کو جو جلیل القدر اور شرافت و کرامت کی مالک ہو۔ اسے بے دریغ معبود کہتے تھے' فلک بوس پہاڑ' بڑے بڑے دریا اور اس قسم کے دوسرے مظاہر ان کے ہاں معبودیت کا درجہ رکھتے تھے۔ البتہ پہلے پہل جو لوگ شرک میں مبتلا ہوئے وہ انھیں معبود حقیقی نہیں مانتے تھے۔ لیکن بعد میں آنے والے لوگوں نے اس تفریق کو ختم کر دیا اور انھوں نے فضل و کمال کے حامل انسانوں اور دوسری نفع بخش اور فائدہ مند چیزوں نیز ضرر رساں اشیاء کو حقیقی معبود سمجھ لیا اور اللہ وحدہٗ لاشریک کی بجائے ان کی عبادت کرنے لگے اور ان کے نام پر قربانیاں دی جانے لگیں۔

ہندوؤں کے دیوتا

ہندوؤں کے دیوتاؤں کی فہرست بڑی طویل ہے جو ہر لحظہ بڑھتی رہتی ہے۔ بغور مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے دیوتاؤں کی اس طویل فہرست میں ایسے دیوتا بھی ہیں جو یورپین آریاؤں کے دیوتاؤں سے مشابہت رکھتے ہیں۔ ڈائیوس درخشندہ آسمان کے دیوتا کا نام ہے جو یونانی دیوتا زئیس کا ہی دوسرا نام ہے۔ وارونا آسمان کا نمائندہ دیوتا ہے وہ آسمان کی طرح ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے اسے آسورا کہا جاتا ہے جو ایران کے اعلیٰ ترین دیوتا اھورامزدا

کا ہم معنی ہے۔ ہندوؤں کے پانچ دیوتا ایسے ہیں جو سورج کے مختلف مظاہر ہیں۔ مترا یہ ایران میں متراس کہلاتا تھا۔ سورج کی زریں قرص کو سوریا کہا جاتا ہے۔ سورج کی جو قوت نباتاتی اور حیوانی زندگی کی افزائش کا ذریعہ ہے۔ اس کی مجسم شکل پوشاں کہلاتی ہے۔ تین چھلانگ میں سارے آسمان کو طے کر لینے والے دیوتا کے پیکر کو وشنو کہتے ہیں ویدوں کے عہد کا سب سے زیادہ طاقت ور اور اہم دیوتا اندرا ہے۔ اس نے ایک بہت زیادہ زہریلے ناگ کو قتل کر کے انسانیت کو نفع پہنچایا۔ اس زہریلے ناگ سے مراد قحط ہے۔ اندرا نے پانی کو جاری کیا جس سے قحط ختم ہو گیا۔ روشنی بھی اسی نے دریافت کی اور سورج کے لیے راستہ بھی اسی نے ہموار کیا یہ جنگ کا دیوتا بھی ہے۔ اس نے جنوں اور عفریتوں کو موت کے گھاٹ اتارا اور کالی چمڑی والے دراوڑوں کو شکست دی۔ وہ ''سوما'' شراب کا بڑا رسیا ہے۔ سوما بھی ایک دیوتا ہے اور اگنی بھی۔ ''وارونا'' دیوتا دریاؤں کو جاری کرتا ہے سورج اور دوسرے سیاروں کو محو گردش رکھتا ہے۔ وہ دیوتاؤں اور انسانوں کو قوانین کا پابند رکھتا ہے اور بدکاروں کو قید کرتا ہے۔

(ورلڈ سولائیزیشن' ماخوذ)

آہستہ آہستہ دیوتاؤں کی فہرست اور ان کی عبادت کے طریقے ہر مقام اور ہر آبادی کے لیے الگ الگ ہو گئے۔ قدیم اور اہم دیوتاؤں کی اہمیت' وقت کے ساتھ ساتھ گھٹ گئی اور نئے دیوتاؤں نے مندروں میں اہمیت حاصل کر لی۔ اب ان کے معبودوں کی تعداد لاکھوں کروڑوں تک پہنچ چکی ہے۔

بدھ مت اور جین مت کے ظہور کے ساتھ برہمنی مذہب کو زوال آ گیا۔ اوپر مذکور دیوتا زوال پذیر ہو جانے والے اس برہمنی مذہب میں پوجے جاتے تھے۔ یہ برہمنی مذہب ویدوں کی تعلیمات پر مبنی تھا۔ بدھ مت کے زوال کے بعد برہمنی مذہب کو پھر عروج حاصل ہو گیا۔ جس میں تین دیوتاؤں کو مرکزی حیثیت حاصل ہوئی۔

۱۔ برہمہ: پیدا کرنے والا

۲۔ وشنو: زندگی دینے والا

۳۔ شیو: مارنے والا

تخلیق، زندگی اور موت کے یہ تینوں دیوتا تری موِرتی کہلاتے ہیں۔ان سے ہندو تثلیث قائم ہوتی ہے۔

لی بان ''ہندوستان کے موجودہ مذاہب'' کے زیرِ عنوان ہندو تثلیث پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

''اس جدید برہمنی مذہب میں بے انتہا فرقے اور شعبے ہو گئے ہیں لیکن ان سب کا دارومدار بڑی تقسیموں پر ہے جو شیو اور وشنو کی پرستش سے متعلق ہیں۔ یہ دونوں بڑے دیوتا جن کو ہر ہندو مانتا ہے برہما کے ساتھ مل کر ہندو تثلیث قائم کرتے ہیں۔ اگرچہ اس تثلیث میں برہما کا درجہ سب سے اعلیٰ ہے لیکن خاص طور پر اس دیوتا کی پرستش نہیں کی جاتی اور ہندبھر میں بمشکل دو تین مندر ایسے ہوں گے جو برہما کے نام پر بنے ہوں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندو دماغ اس چیز کی پرستش کی طرف مائل ہے جو مادی صورت میں اس کے سامنے رکھی جائے۔شیو اور وشنو کے ہزارہا مندر ہیں جن میں ان کی مورتیں اور علامتیں نصب کی گئی ہیں اور پوجی جاتی ہیں۔ برخلاف اس کے برہما ایک روح مطلق ہے جو تمام عالم میں سائر و دائر ہے اور ہر ایک ہندو کی اصلی تمنا یہ ہے کہ وہ کسی روز اس روح مطلق میں جذب ہو جائے گا۔

نظامِ عالم میں ان تینوں روحوں کے الگ الگ حصے ہیں۔ برہما خالق ہے اور وشنو عالم کا باقی رکھنے والا اور شیو عالم کا برباد کرنے والا ہے۔ اگرچہ شیو کے فرائض میں اور دوسرے دو دیوتاؤں کے فرائض میں ظاہراً تضاد معلوم ہوتا ہے۔لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہے کیونکہ ہندو فلسفہ میں موت کوئی چیز نہیں ہے۔موت سے مراد صرف ظاہری تغیر ہے۔تمام عالم ہر وقت بدلتا رہتا ہے لیکن اس کے اجزاء تلف نہیں ہوتے پس شیو بھی جو ان تغیرات کا خدا ہے عالم کا محسن ہے اور اس کا وجود بھی لازمی ہے۔

جس وقت ہم شیو کی مہیب صورت کو دیکھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ یہ وہی دیوتا ہے جس پر اور اس کی دیوی کالی پر خون میں بھرے ہوئے جانوروں اور قدیم زمانے میں شاید انسانوں کا چڑھاوا دیا جاتا تھا تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ شیو کی پرستش بہت زیادہ قدیم ہے اور فی الواقع برہمنی تثلیث میں سب سے بڑا اور قومی جز شیو ہے۔

دنیا کی کسی قوم نے عالم کی ہر وقت بدلتی ہوئی حالت کا ایسا صحیح ادراک نہیں کیا ہے۔ جیسا ہند کے باشندوں نے اس کے نزدیک سارا عالم یا کل وہ چیزیں جو ہم دیکھ رہے ہیں محض دھوکا ہے۔ اشیاء کی حقیقت بالکل ہمارے علم سے باہر ہے کائنات کا ایک سلسلہ تغیرات کا ہے جس کی نہ ابتداء ہے نہ انتہا۔ اس غیر متناہی سلسلے میں موت سے زندگی پیدا ہوتی اور زندگی سے موت لیکن یہ کل محسوسات ظاہری ہیں اور ان کے اندر ایک وجود مطلق ہے جو ہر حالت میں ایک ہے لیکن اس کی ظاہری صورت ہر وقت بدلتی رہتی ہے۔ ہزار ہا سال سے ہندوؤں نے اس عالم کو دھوکا سمجھا ہے اور معلوم کیا ہے کہ اس دھوکے کی ٹٹی کے پیچھے وہ حق ہے جس کے پیچھے پہنچنا محال ہے۔ اس مسئلے تک وہ ایسے وقت میں پہنچ گئے تھے جس وقت ہمارے مغربی فلاسفر اس گمان میں تھے کہ وجود مطلق ان کے ہاتھ میں آ گیا ہے۔ یہی ہے ہندو خیال کی بلندی اور اس کا عمق۔ ہمارا اعلیٰ درجے کا فلسفہ بھی اس درجے سے آگے نہیں بڑھا ہے البتہ جیسا ہم کہہ چکے ہیں عامہ خلایق کو ان فلسفی مباحث سے کچھ کام نہ تھا۔" (تمدن ہند)

ہندو کتابیں

ہندوؤں کی مذہبی کتب میں سب سے قدیم وید ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وید قدیم رشیوں کے دلوں پر القاء ہوئے۔ یہ کسی انسان کا نہیں دیوتاؤں کا کلام ہے۔ ان میں دعائیں، بھجن، حمدیہ نغمے اور ان کی نثریہ تشریح ہے۔ ان میں بہت سے منتر بھی ہیں مثلاً قربانی کے وقت پڑھے جانے والے منتر، سانپ کاٹے کے، دشمنوں کو ہلاک کرنے کے اور محبت پیدا کرنے کے منتر وغیرہ۔

وید علم اور دانشمندی کو کہتے ہیں۔ تخلیق کائنات کے بارے میں کوئی واضح نظریہ ویدوں میں نہیں ہے۔ ان کے مطابق ان کے دیوتاؤں کو بھی علم نہ تھا کہ کائنات کی تخلیق کیسے ہوئی۔ رگ وید کے آخری منتر میں کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے انسان کو دیوتاؤں نے قربانی کے طور پر ذبح کر دیا اور اس نے اپنے کٹے ہوئے اجزا سے معجزانہ طریقے پر کائنات کی مختلف چیزیں پیدا کیں۔ یوں قربانی ان کے ہاں بہت زیادہ اہمیت حاصل کر گئی ہے۔

وید چار ہیں...... ساما وید، یجر وید، اتھر وید، رگ وید۔ ان کے بعض منظوم اور بعض نثری حصے

الگ کر کے قربانی کے وقت پڑھے جانے کے لیے مخصوص کر دیے گئے۔ اتھروید میں زیادہ تر وہ عملیات ہیں جن سے بیماروں کو صحت' رقیب بیویوں سے نجات' جنگ میں فتح' مقدمات میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ جب تک آریا پنجاب کے علاقوں تک محدود تھے اس وقت تک کے ویدوں مثلاً رگ وید میں پنجابی معاشرہ کی عکاسی ہوتی تھی مگر جب وہ گنگا جمنا کے دوآبہ تک پہنچ گئے تو اس کے بعد لکھے گئے ویدوں میں وہاں کے حالات نظر آتے ہیں۔

ان کی مذہبی کتابوں میں ویدوں کے ساتھ ''اپنشد'' بھی ہیں۔ ان میں ہندومت کی بنیاد یہ چیزیں بتائی گئی ہیں۔

۱- اعلیٰ حقیقت روحانی دنیا ہے۔

۲- مادی دنیا بے حقیقت ہے۔

۳- تناسخ کا عقیدہ۔

ان کی اہم مذہبی کتب میں ایک منو کا ضابطہ بھی ہے جسے منوشاستر کہا جاتا ہے۔ لیوس مور منوشاستر کے بارے میں لکھتا ہے۔

''منو کے ضابطہ قانون کے بنیادی مفروضوں میں سے ایک ذات پات کا نظام ہے جو بظاہر قدیم آریاؤں کے معاشرے کی تقسیم سے پروان چڑھا۔ منو کے ضابطہ قانون میں ذات کی تقسیم کو خدا کی جانب سے منظور شدہ پیش کیا گیا۔

دنیاؤں کی نشوونما کے لیے برہمہ نے برہمن' کشتریہ (جنگجو)' ویش (تاجر)' اور شودر (کم درجہ کے خادموں) کو بالترتیب اپنے چہرے بازوؤں' رانوں اور پیروں سے پیدا کیا۔

(منو کا ضابطہ قانون 1.31)

پہلی تین ذاتوں کو ''دوہرے جنم کی حامل'' جبکہ چوتھی ذات شودر کو ایک جنم والی کہا جاتا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ بلند تر ذاتیں پہلے ہی ایک زندگی کا تجربہ کر چکی ہوتی ہیں اور یہ کہ سب سے کمتر ذات کے افراد نے اپنی پیدائش اور دوبارہ جنم کا ابھی آغاز ہی کیا تھا۔

ہر ذات کے افراد کے مخصوص فرائض (دھرم) اور مواقع ہوتے ہیں اور ان کی اطاعت کرنا ضروری ہے۔

برہمنوں کے لیے اس نے تعلیم دینے' مطالعہ کرنے' قربانی دینے' قربانی کی نگرانی کرنے' تحائف لینے اور دینے کے وظائف پیدا کیے۔

کشتریوں کے لیے اس نے مختصراً لوگوں کی حفاظت' تحائف دینے' قربانی ادا کرنے' تعلیم حاصل کرنے اور نفسانی مسرتوں سے لاتعلقی پیدا کی۔

ویش کو اس نے مویشیوں کی حفاظت' خیرات' قربانی کی ادائیگی' تعلیم حاصل کرنے' تجارت کرنے' سود پر ادھار دینے اور زراعت کے لیے پیدا کیا۔

قادر مطلق نے شودروں کے لیے صرف ایک پیشہ بنایا۔ اپنے سے بالائی تینوں ذاتوں کی بلا رقابت خدمت۔ (ایضا: 1.88-91)

صریحاً لوگ شودر کے طور پر زندگی کی ابتداء کرتے' خوش دلی اور فرمانبرداری سے خدمت کرتے اور رفتہ رفتہ' جنم درجنم نظام ذات میں ترقی کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ برہمن کے اعلیٰ رتبے تک پہنچ جاتے ہیں۔ چنانچہ اس ابتدائی مرحلے میں بھی ہندوستانی معاشرہ متعین ذاتوں پر مطمئن تھا اور ان طبقات میں اوپر کی طرف جانے کا واحد ذریعہ دوبارہ جنم تھا۔

منو کا ضابطہ قانون اس دور میں دوبارہ جنم کی تفہیم کا درجہ بھی پیش کرتا ہے۔ انسان جسم سے سرزد ہونے والی برائی کے نتیجہ میں ساکن اشیاء (پودوں وغیرہ) کی زندگی حاصل کرتا ہے' زبان سے سرزد ہونے والے گناہ کے نتیجے میں پرندوں اور درندوں کی زندگی اور ذہن سے سرزد ہونے والی برائی کے صلہ میں پست ترین جنم کی زندگی حاصل کرتا ہے۔

اگر انسان صرف اچھے اعمال کرے اسے دیوتا بنایا جائے گا۔ اگر وہ ملے جلے اعمال کرے تو وہ ایک انسان پیدا ہوگا اور اگر وہ صرف بُرے اعمال کرے تو ایک پرندہ یا جانور بنا کر پیدا کیا جائے گا۔ بری زبان کا نتیجہ علم کی تباہی ہے برے ذہن کا نتیجہ اعلیٰ منزل کا کھونا ہے اور گندے جسم کا نتیجہ دنیاؤں کا نقصان ہے۔ پس ہر ایک کو تین چیزوں کی حفاظت کرنے دو۔ برا بولنے کی سزا خاموشی ہے' برے ذہن کی روزہ اور برے اعمال کی سانس پر قابو ہے۔ (ایضا: 12.9)

منو کے ضابطہ قانون کی ایک مرکزی تعلیم مختلف درجات ہیں۔ جن میں سے گزر کر ایک شخص سے کامیاب زندگی کی توقع کی جاتی تھی۔ ہندوستانی شخص کو زندگی کے پہلے دور میں

طالب علم سمجھا جاتا ہے جو وید کا مطالعہ کرتا اور اپنے استاد کو گہری توجہ دیتا ہے۔ دوسرے دور میں وہ گھر کا سربراہ بن جاتا ہے اور اپنی ہی ذات کی موزوں لڑکی سے شادی کرتا ہے۔ منو کے ضابطہ قانون میں بیان ہونے والی مثالی شادی میں مرد اپنی بیوی سے کافی بڑا ہوتا ہے۔ ''مرد جب سربراہ خانہ بنتا ہے اور اس کی عمر تیس برس ہو تو اسے اپنی پسند سے بارہ سالہ لڑکی سے شادی کرنی چاہیے۔ چوبیس سالہ شخص آٹھ برس کی لڑکی سے شادی کر سکتا ہے۔ (ایضا:9.94)

سربراہ خانہ اور فراہم کنندہ کا کردار نہایت اہم ہے کیونکہ یہ سربراہ خانہ ہی ہے جسے معاشرے کا بنیادی پتھر سمجھا جاتا ہے۔ جب صاحب خانہ کے طور پر فرد کے فرائض مکمل ہو جاتے ہیں اور وہ بوڑھا ہو جاتا ہے تو اسے جنگل میں گوشہ تنہائی میں چلے جانا چاوے اور کچھ برس ترک دنیا، غور و فکر اور قربانیاں ادا کرنے میں گزارنے چاہئیں۔ آخر کار جب اس کے بن باس کے دن مکمل ہو جائیں تو اسے ایک بھکاری (سنیاسی) بن جانا چاہیے۔ یہ چاروں ادوار صرف دوہرے جنم کے حامل (تین اعلیٰ ذاتوں کے) لوگوں کا معیار ہیں۔ شودر کا تمام تر کردار تمام عمر ان بلند تر ذاتوں کی خدمت کرنا ہے۔'' (مذاہب عالم کا انسائیکلو پیڈیا)

ہندوؤں کا مذہبی مزاج

ہندوؤں کے سلسلہ میں ایک حیرت انگیز اور تعجب خیز بات یہ ہے کہ انھیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ کوئی ایک خدا کی عبادت کرتا ہے یا بہت سے خداؤں کی یا وہ کسی کو خدا مانتا ہی نہیں ان کے ہاں اہم بات یہ ہے کہ وہ ہندوانہ طریقہ پر زندگی گزارے اور ہر اس رسم و رواج کی پابندی کرے جو صدیوں سے ان کے ہاں جاری ہے مثلاً شادی، مرگ کی رسوم، ذات پات کی تقسیم وغیرہ۔

وہ بتوں کے ساتھ انسانوں جیسا سلوک اپناتے ہیں۔ بت گھر میں ہوں تو انھیں معزز مہمان کا درجہ حاصل ہے، ان کی خاطر مدارات خوب کی جاتی ہے۔ اگر بت مندر میں ہو تو بادشاہ ہے اس کو اس طرح بیدار کیا جاتا ہے جیسے اس نے اپنی رانی کے ساتھ شب بسری کی ہو۔ اسے تخت پر بٹھایا جاتا ہے۔ تخت کو پہلے دھوتے ہیں پھر خشک کرتے ہیں پھر پھولوں کی نذر پیش کر کے روٹھے دیوتا کو مناتے ہیں۔ عود، لوبان جلاتے ہیں۔ روشنی کی جاتی ہے اور اسے کھانا پیش کرتے ہیں جو بڑا لذیذ ہوتا ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ کھانے کا روحانی حصہ بت کھا لیتا ہے۔

باقی کو پجاری بطور تبرک لے لیتے ہیں اور اس سے لذت کام و دہن کا سامان کرتے ہیں۔ اس پتھر اور دھات کی بے حس مورتی کو پنکھا جھلایا جاتا ہے اور موسیقی سے اس کو بہلایا جاتا ہے۔ رقص کرنے والی لڑکیاں اس کے سامنے رقص پیش کرتی ہیں جس طرح ظاہری بادشاہ اپنی کسی کنیز کو اپنے کسی مہمان کو بطور عزت افزائی دے دیتا ہے اسی طرح دیوتا بھی اپنی دیوداسیوں میں سے کوئی کسی ایسے پجاری کو شب بسری کے لیے دے دیتا ہے جو مناسب فیس ادا کرے۔ مذہب کے نام پر ہونے والی یہ رنڈی بازی ان کے ہاں بہت زیادہ عام تھی خصوصاً جنوبی ہند میں۔ البتہ اب یہ رسم کم ہوتی جارہی ہے۔

بہت سے دیوتا' جن کی پوجا کرنے کا حکم ویدوں میں مذکور ہے وہ اب متروک ہو چکے ہیں آریوں کا بڑا جنگی دیوتا۔ اندرا' کا درجہ اب بہت گھٹ کر رہ گیا ہے اب اسے صرف بارش برسانے والا کہا جاتا تھا۔ کبھی وہ بڑی شاہانہ شان وشوکت سے اعلیٰ مسند پر بیٹھا کرتا تھا مگر اب اس کے پجاری شاذونادر ہی اس کو یاد کرتے ہیں۔

''آریوں کے مذہبی اور فلسفی خیالات'' کے تحت لی بان نے عوام کی پرستش تجارتی تھی کا عنوان قائم کیا ہے۔ جس میں لکھا ہے۔

''عوام کے تعلقات دیوتاؤں کے ساتھ تجارتی تعلقات تھے۔ یعنی دیوتاؤں کی مدح سرائیاں کرتے اور ان کو چڑھاوے اور دیوتا اس کے عوض میں انھیں مال مویشی اور دشمنوں پر فتح عطا کرتے۔ جس کسی دیوتا سے وہ التجا کرتے اس کی وہ بے انتہا خوشامد کرتے اور سوم اور دودھ اور شہد کے چڑھاوں اور بعض اوقات زندہ جانوروں کی قربانی کا وعدہ کرتے۔ اس شرط پر کہ وہ دیوتا ان کے خاندان کی حفاظت کرتا اور امراض سے بچاتا۔ ان کے کھیتوں میں پانی برساتا اور ان کی گایوں کو گابھن بناتا۔''

عقیدہ تناسخ

ہر مذہب کا ایک خصوصی شعار ہوتا ہے جس سے اسے دوسرے مذاہب سے ممتاز کیا جاتا ہے مسلمانوں کا شعار کلمہ شہادت ہے۔ عیسائیوں کا عقیدہ تثلیث اور یہودیوں کا یوم سبت کا تقدس ہے۔ اسی طرح تناسخ کا عقیدہ ہندو مذہب کا مذہبی شعار ہے جو اس کا قائل نہ ہو وہ ہندو

دھرم کا ماننے والا نہیں۔ باس دیو ارجن کو عقیدہ تناسخ کی حقیقت سمجھاتے ہوئے بتاتا ہے کہ موت کے بعد جسم فنا ہو جاتا ہے لیکن روح باقی رہتی ہے اور وہ اپنے اچھے اعمال کی جزاء پانے یا برے اعمال کی سزا بھگتنے کے لیے کسی دوسرے جسم کا لباس پہن کر اس دنیا میں لوٹ آتی ہے اور یہ چکر غیر متناہی مدت تک جاری رہتا ہے۔

اس مسئلہ کو منو نے بہت تصریح سے بیان کیا ہے۔ ''منو لکھتے ہیں۔''

''اگر انسان کا نفس زیادہ تر نیک کام کرے اور برا کام کم کرے تو اس کو جنت میں اپنے عناصر خمسہ (یعنی خمسہ) کے ساتھ خوشی ملے گی لیکن اگر انسان کا نفس زیادہ تر بدی کرے اور بھلائی کم کرے تو وہ اپنے عناصر خمسہ سے علیحدہ ہو کر یم یعنی دوزخ کے عذابوں میں مبتلا ہوگا۔ نفس یم سے عذاب سہنے کے بعد پاک ہو کر پھر انھیں پانچ عناصر میں داخل ہو جائے گا۔ یعنی دوبارہ پیدا ہوگا پس انسان کو چاہیے کہ اس تناسخ کو جس کا دارومدار نیک و بد اعمال پر ہے اپنی عقل سے معلوم کر کے ہمیشہ نیکی کی طرف متوجہ ہو۔

(منو شاستر بارہواں باب 20-23)

''جو لوگ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں وہ مدت دراز تک سخت عذاب جہنم میں رہنے کے بعد مندرجہ ذیل صورتوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ برہمن کا قتل کرنے والا کتے یا سور یا گدھے یا اونٹ یا گائے یا بکری یا بھیڑ یا ہرن یا چڑیا یا چنڈال یا پلکس کی صورت میں پیدا ہوگا۔ وہ برہمن جو کسی برہمن کا سونا چرائے ہزار مرتبہ مکڑی' سانپ' چھپکلی' آبی جانوروں اور خطرناک پشاچ کی صورتوں میں گزرے گا۔ (منو بارہواں باب 55-571)

پس گویا انسان کی عقبیٰ کا دارومدار مذہب عیسوی کی طرح کسی خاص فعل پر نہیں اور نہ انسان کی اخیر حالت اور توبہ پر بلکہ اس کے کل افعال کے مجموعہ پر ہے اور اس مجموعہ میں خفیف سے خفیف فعل بھی اپنی قیمت اور حیثیت رکھتا ہے۔ منو لکھتے ہیں۔

''وہ افعال جو خیال اور زبان اور جسم سے پیدا ہوتے ہیں ان کے نتائج تو اچھے ہوتے ہیں۔ انھیں افعال سے انسان کی مختلف حالتیں پیدا ہوتی ہیں۔ یعنی اعلیٰ' متوسط اور ادنیٰ

(منو شاستر بارہواں باب 3)

یہی اعتقادات ہیں جو ہندو کو سخت ریاضت کا پابند کر دیتے ہیں اور خفیف سے خفیف کام کے کرنے اور چھوٹی چھوٹی حاجت نکالنے کو بھی اس کی مرضی پر نہیں چھوڑتے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ بے احتیاطی یا غلطی بھی شدید نتائج پیدا کرتی ہے اور ان نتائج سے بچنے کے لیے غلطی کے بعد ہی سخت طہارت یا عبادت کے ذریعہ سے اس کو رفع کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان غلطیوں ان گناہ صغیرہ کی نسبت انسان کی رائے کچھ کام نہیں آتی۔ نہ اس سے کچھ فائدہ حاصل ہو سکتا ہے کہ گناہ کرتے وقت کسی نے نہیں دیکھا۔ گناہ گار خود اپنے فعل کے نتائج کو سمجھتا ہے اور اس کو مٹانے کے لیے بعض صورتوں میں نہایت سخت کفارہ دینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔''

(تمدن ہند)

تناسخ کے عقیدہ کے متعلق رگ وید کی شہادت سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ جب آریہ ہندوستان میں آئے تو وہ اس عقیدے کو نہیں مانتے تھے کہ مرنے کے بعد انسانی روح ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہو جاتی ہے اور پھر مرنے کے بعد اس دوسرے جسم کو چھوڑ کر کسی نئے جسم میں داخل ہو جاتی ہے اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ بلکہ آریہ اس وقت یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ جو لوگ گناہ آلودہ زندگی بسر کرتے ہیں انھیں مہادیوتا۔ ''وارونا'' زمین کے سب سے نچلے حصہ میں ایک خوفناک جگہ (دوزخ) میں بھیج دیتا ہے اور جو لوگ راستی اور پاکبازی کی زندگی گزارتے ہیں انھیں سکون کی جگہ یعنی جنت میں بھیج دیتا ہے جہاں ابدی خوشیاں حاصل ہوتی ہیں لیکن جب وہ ہندوستان آئے تو یہاں انھوں نے دراوڑوں کو عقیدہ تناسخ کا قائل پایا تو وہ بھی اس پر ایمان لے آئے۔

ہندوؤں کا مُردے جلانا

رگ وید سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان آنے سے پہلے آریہ اپنے مردوں کو نذر آتش نہیں کرتے تھے بلکہ انھیں دفن کرتے تھے۔ جب وہ ہندوستان میں آئے اور یہاں کے قدیمی باشندوں دراوڑوں کو دیکھا کہ وہ اپنے مردوں کو نذر آتش کرتے ہیں تو انھوں نے بھی اپنے مردوں کو جلانا شروع کر دیا۔

جنت دوزخ کا تصور

آریہ اگرچہ عقیدہ تناسخ کے قائل ہو گئے تھے اور یہ عقیدہ ہندومت کا شعار بن گیا تھا مگر اس کے باوجود وہ جنت اور دوزخ کے بھی قائل تھے ان کا کہنا تھا کہ عالم تین ہیں اعلیٰ۔ ادنیٰ۔ اوسط۔ عالم اعلیٰ ان کے ہاں سفرلوک' یعنی جنت کہلاتا ہے اور عالم اسفل ''ناگ لوک'' یعنی سانپوں کے جمع ہونے کی جگہ (دوزخ) کہلاتا ہے۔ اس کو پاتال بھی کہتے ہیں جبکہ عالم اوسط یہ دنیا ہے جس میں ہم رہ رہے ہیں۔ ہندوؤں کی ایک مذہبی کتاب بشن پرج کے مطابق جہنم ایک نہیں بلکہ اٹھاسی ہزار ہیں اور ہر جرم کے لیے ایک جہنم مخصوص ہے۔

حیات بعد الموت

اگرچہ قدیم آریہ حیات بعد الموت پر بھی یقین رکھتے تھے آج بھی ہندومت میں کسی نہ کسی شکل میں یہ عقیدہ موجود ہے لیکن اس کے باوجود ان کا عام طرز عمل یہ تھا اور اسی پر وہ زور دیتے تھے کہ اس دنیا میں جتنی عیش کر سکتے ہو کر لو پھر یہ موقع نصیب نہ ہوگا۔

عاقبت کے خیالات

عاقبت کے متعلق خیالات بھی ویسے ہی غیر معین اور بدلتے ہوئے ہیں۔ جو شخص مرجاتا اس کے اجزائے جسمانی عناصر میں مل جاتے اور اس کی روح ایک نئے لباس میں آتی۔ یہ گویا اس مسئلہ تناسخ کی ابتداء ہے جو آگے چل کر ہندوؤں کے مذہبی اعتقادات کا ایک جزو اعظم بن جاتا ہے۔

اس کی آنکھیں آفتاب میں جل جائیں۔ اس کا دم ہوا میں' چلا جا تو اپنے جسم کے مختلف حصوں کے لحاظ سے' زمین یا آسمان پر' اگر مناسب ہو تو پانی میں چلا جا' یا اپنے تمام اعضا سے درختوں میں گھر کر لے۔

چڑھاوے کا بکرا تیرا حصہ ہے۔ اسے تو دھکا دے اپنی گرمی سے' روشن کر دے اسے تو اپنی جوت سے۔ روجات دیدا اپنی سب سے مبارک صورت میں اس آدمی کو نیک بندوں کی دنیا

میں پہنچا دے۔ (رگ وید دسواں منڈل سولہواں سوکت 3-4 رچائیں۔)

تیری روح جو یم کے پاس دوسواں کے بیٹے کے پاس دور چلی گئی ہے اسے ہم تیرے پاس واپس لاویں گے تا کہ تم ہم میں آ کر رہے۔

تیری روح دور آسمان وزمین کو چلی گئی اسے ہم تیرے پاس واپس لاویں گے تا کہ تم ہم میں آ کر رہے۔

تیری روح جو دور چلی گئی جو آفتاب اور شفق سے ملنے گئی۔ اسے ہم تیرے پاس واپس لاویں گے تا کہ تو ہم میں آ کر رہے۔ (رگ وید دسواں منڈل 58 واں سوکت)

توحید اور ہندو

ہندومت کے مطابق ساری کائنات کا حاکم و مالک ایک اور اعلیٰ خدا ہے کائنات کی بقا اور نشوونما کا دارومدار اسی پر ہے وہ چھوٹے درجے کے کچھ دوسرے خداؤں کی امداد سے کائنات پر حکومت کررہا ہے۔ یہ چھوٹے خدا اصل میں اس کی صفات کے مظہر ہیں۔ چنانچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندومت بنیادی طور پر دین توحید تھا۔ پھر اس میں عیسائیت اور یہودیت کی طرح شرک کی آمیزش ہوگئی اور ایک بڑے خدا اور بہت سے چھوٹے خداؤں کا تصور پیدا ہوگیا۔ تعلیم یافتہ ہندوؤں کے ہاں ان چھوٹے خداؤں کا مقام وہ ہے جو کیتھولک کلیسا میں فرشتوں اور سینٹوں کا ہے یہ چھوٹے خدا بہت سارے معاملات میں آزاد بھی ہیں۔ ان میں باہمی رقابت اور مخالفت بھی پائی جاتی ہے اور یہ آپس میں لڑتے بھی رہتے ہیں۔

''ایک خدائے مطلق کا خیال جو تمام کل فانیوں اور غیر فانیوں کا خالق اور تمام انسان اور پتریوں اور دیوتاؤں پر حاکم ہے۔ رگ وید میں پایا بے شک جاتا ہے لیکن محض ایک خاکہ کی صورت میں ہر ایک دیوتا جس کی مدح کی جاتی ہے۔ بھجن گانے والوں کی نظروں میں فی الوقت تمام دیوتاؤں سے بڑا سمجھا جاتا اور بعض وقت تو یہ ہوتا ہے کہ ایک ہی دیوتا مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے۔

اسے وہ اندر متر درن اور اگنی کے نام سے پکارتے ہیں اور وہی پرون والا گرتمن ہے جو

ایک ہے۔اسی کورشیوں نے بہت سے نام دے رکھے ہیں اور اسے اگنی یم اور ماتیرشوں کے نام سے پکارتے ہیں۔ (رگ وید پہلا منڈل 166 واں سوکت 46 ویں رچا)

پس گویا یہ ایک خدا مختلف صفات رکھتا ہے کبھی وہ آگ ہے کبھی موت اور کبھی اور کوئی قوت۔رگ وید کے دسویں منڈل 86 ویں سوکت کے تیسری رچا میں یہ خیال کسی قدر واضح معلوم ہوتا ہے۔

''وہ باپ جس نے ہمیں بتایا ہے وہ خالق کی حیثیت سے کل اقوام اور کائنات کو جانتا ہے۔ وہی ایک خدا ہے دوسرے دیوتاؤں کو نام دینے والا سب اسی سے دریافت کرتے آتے ہیں۔''

لیکن اسی سوکت کے ساتویں رچا میں یہ خیال اتنا صاف نہیں رہتا اور ابتداؤ انتہائے کائنات کے علم سے انسان کا عاجز ہونا تسلیم کرلیا گیا ہے۔

''تم کبھی نہیں جانو گے اسے جس نے کائنات کو بنایا۔کوئی اور چیز تمھارے اور اس کے بیچ میں حائل ہے چاروں طرف کہر میں گھرے ہوئے پجاری بھجن گاتے ہوئے اور چڑھاوے چڑھاتے ہوئے بھٹک رہے ہیں۔'' (تمدن ہند)

ہندوان بہت سے چھوٹے خداؤں یعنی دیوتاؤں کو بھی مانتے ہیں اور ان سب کو ایک خدا میں سمیٹ دیتے ہیں۔اس کو شیوا ازم بھی کہا جاتا ہے۔تامل ان کی ایک مستند کتاب ہے اس میں ایک رباعی درج ہے جس کا ترجمہ یوں ہے۔

تم کسی دیوتا کو اپنا معبود مان لو۔وہی شیوا معبود اعلیٰ ہے۔

دوسرے دیوتا مرتے اور پیدا ہوتے ہیں تکلیف اٹھاتے ہیں اور گناہ کرتے ہیں۔وہ تمہیں کوئی جزا نہیں دے سکتے البتہ شیوا جو معبود اعلیٰ ہے۔تمھارے اعمال کو دیکھے گا اور تمھاری عبادت کی تمہیں جزا دے گا۔

تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جب آریا ہندوستان میں داخل ہوئے تو اس وقت وہ عقیدہ توحید کو چھوڑ کر متعدد خداؤں کے پجاری بن چکے تھے۔ان کے دیوتاؤں کے ناموں اور اہل یونان۔روم اور ایران کے دیوتاؤں کے ناموں میں گہری مشابہت پائی جاتی ہے اگرچہ لہجہ میں تھوڑا سا تفاوت ہے مگر وہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

ان کے عقیدہ توحید کو چھوڑنے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ مذہب خاص لوگوں یعنی برہمنوں کے قبضہ میں آ چکا تھا۔ جو من گھڑت عقیدوں کی تبلیغ کرتے تھے۔ برہمنوں نے مذہب کو اپنی روزی کا ذریعہ بنالیا۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے کھشتریوں اور دوسری قوموں کو یہ باور کرادیا کہ ہم ہی تمھارے معبود ہیں ہماری خدمت سے ہی تم کو مکتی حاصل ہوگی۔

سیاسی حالات

موہنجوداڑو اور ہڑپہ ہند کے قدیم ترین شہر ہیں جن کے آثار قدیمہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان علاقوں میں ایک اعلیٰ قسم کی تہذیب موجود تھی رہائشی مکانوں کے نقشے، علیحدہ غسل خانوں کی موجودگی۔ جنوباً شمالاً متوازی وسیع شاہراہیں، ان سے نکلنے والی چھوٹی گلیاں اور نکاسی آب کا عمدہ انتظام اس بات کی شہادت کے لیے کافی ہے کہ وہاں کا نظام حکومت وسیاست بڑا مثالی تھا۔ مگر اس کی تفصیلات تک پہنچنا ہمارے لیے ممکن نہیں۔

جب آریا ہند میں وارد ہوئے تو ہڑپہ کا تمدن غالباً اپنے آخری سانس لے رہا تھا۔ ہڑپہ تمدن کے زوال کے بعد آریا ہند کے وارث ٹھہرے۔ آریوں کے پاس کوئی باقاعدہ نظام حکومت وسیاست نہ تھا۔ ہندوستان آنے کے بعد ان کا جو قبیلہ جہاں آباد ہوتا گیا وہاں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہوتی گئیں وہ قبائلی نظام کے مطابق زندگی گزارتے تھے۔ اس لیے آریوں کے ابتدائی عہد میں ہندوستان کا ملک ان گنت چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ ہر قبیلہ کا سردار اُن کا راجہ ہوتا تھا۔ انٗ کے بزرگوں کی ایک کونسل اسے مشورہ دیتی تھی لیکن راجہ مختار مطلق ہوتا تھا اس کے لیے کسی مشورہ کو ماننا ضروری نہ تھا۔ رعایا سے مالیہ اور دیگر ٹیکس وصول کرسکتا تھا لیکن وہ پابند نہیں تھا کہ اپنی قوم یا قبیلہ کو بتائے کہ اس نے ان کے ادا کردہ ٹیکسوں سے حاصل ہونے والی آمدن کہاں کہاں خرچ کی ہے۔ کوئی اس پر اعتراض نہ کرسکتا تھا۔ ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں فوجی چھیڑ چھاڑ ہوتی رہتی تھی جو کبھی کبھی قومی جنگ میں بدل جاتی تھی۔

بدھ حکمرانوں میں اشوکا اور ہرش جیسے عالی ہمت راجے ہوئے جنھوں نے ہندوستان کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو ایک عظیم مملکت میں تبدیل کردیا لیکن جب ہندومت نے دوبارہ زور

پکڑا تو ملک پھر چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو گیا۔

ذات پات کے نظام کی وجہ سے ہندوؤں میں ایک قومیت کا تصور کبھی نہ پنپ سکا۔ آریہ حملہ آوروں نے ہندوستان کے اصلی باشندوں کے ساتھ ہمیشہ انسانیت سوز سلوک کیا۔ وہ ہندوستان کے قدیم باشندوں کو چوتھے طبقے میں شمار کرتے تھے۔ انھیں بڑی حقارت اور ذلت کی نظر سے دیکھا جاتا۔ ان کی ترقی اور خوشحالی کی ساری راہیں مسدود کر دی گئی تھیں۔ وہ شودر کہے جاتے تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ ہندوستان کی طویل تاریخ میں چند خاص صدیوں کے علاوہ کوئی منظم حکومت قائم نہ ہو سکی اور نہ کبھی ان میں ایک قومی نظریہ پروان چڑھ سکا۔

نیز پورے ہند کی کوئی مشترکہ زبان نہ تھی۔ بیسیوں زبانیں بولی جاتی تھیں رہن سہن کے طور طریقے الگ الگ تھے۔ خوشی اور غم منانے کے انداز علیحدہ علیحدہ تھے بلکہ وہ جن بتوں کو پوجتے تھے ان میں بھی کوئی یگانگت نہ تھی۔ ہر گاؤں اور علاقے کا علیحدہ دیوتا ہوتا تھا۔ ان حالات میں اتنے بڑے ملک میں ایک مرکزی حکومت کا قیام کسی طرح ممکن نہ تھا۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے اس ملک کو ایک دو صدیاں نہیں بلکہ قریب قریب ایک ہزار سال تک ایک مرکزی حکومت کے زیر سایہ رکھا۔

معاشرتی حالات

برہمنی تہذیب کے زمانہ شباب میں ہندی معاشرہ کے لیے ایک دستور مرتب کیا گیا جس میں سیاسی، تمدنی اور اخلاقی قواعد و ضوابط بیان کیے گئے ملک بھر میں اسے ایک آئینی اور قانونی دستاویز کی حیثیت سے قبول کر لیا گیا۔ آج تک ہندو دھرم کے پرستار اپنے تمام معاملات میں اس سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں اس دستور کو ''منو جی'' نے مرتب کیا تھا۔ انھیں کے نام پر اس کتاب کو ''منو شاستر'' کہا جاتا ہے۔ منو نے یہ دستور حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت سے تین سو سال پہلے تیار کیا تھا۔ اس دستوری دستاویز میں ہندی معاشرہ کو چار طبقات میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ برہمن، کھشتری، ویش اور شودر۔

بوشم کی تحقیق یہ ہے کہ وید کے ابتدائی دور میں آریوں کے دو طبقے تھے ایک خواص

دوسرا عوام کا۔ لیکن ویدوں کے آخری دور میں معاشرے کی تقسیم چار طبقات میں کر دی گئی سب سے اعلیٰ برہمن پھر کھشتری' پھر ویش سب سے نیچے شودر۔

(ہسٹری آف ریلیجن ایسٹ اینڈ ویسٹ)

شودر طبقہ ان قبائل کے افراد پر مشتمل تھا جو ہندوستان کے باشندے تھے اور جن کو ان کے ملک پر قبضہ کرنے والے آریوں نے مجبور کر دیا تھا کہ وہ ذلیل قسم کی خدمات انجام دیں۔

ویدوں کے مطابق اس تقسیم کی بنیاد ان کا مذہب تھا یہ بھی کہا جاتا تھا کہ کچھ برہمن آریوں کی اولاد تھے اور کچھ برہمن قبیلے' دیوی کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے تاکہ انسانی شکل میں دیوی کی نمائندگی کریں۔

اہل ہند نے اپنے معاشرہ کو مختلف طبقات میں تقسیم کر دیا تھا اور ہر طبقہ کے لیے فرائض اور حقوق متعین تھے کسی کی مجال نہیں تھی کہ ان میں ردو بدل کر سکے۔ ان چار طبقات میں سب سے اعلیٰ طبقہ برہمنوں کا تھا۔ کیونکہ ان کے زعم باطل کے مطابق ان کی تخلیق برہمہ کے سر سے ہوئی تھی' دوسرا طبقہ کھشتریوں کا تھا جو برہمہ کے کندھوں اور ہاتھوں سے پیدا ہوئے تھے۔ تیسرا طبقہ ویش کا تھا جو براہم کے پاؤں سے پیدا ہوئے تھے۔ ان کا کام تجارت اور کھیتی باڑی تھا اور سب سے گھٹیا طبقہ شودروں کا تھا مشہور تھا کہ ان کا باپ شودر تھا اور ان کی ماں برہمن' دونوں نے زنا کیا جس سے یہ پیدا ہوئے اس لیے یہ حد درجہ گھٹیا شمار ہوتے تھے۔ مگر منو کے مطابق برہمن برہمہ کے سر سے' کھشتری بازوؤں سے' ویش رانوں سے اور شودر پاؤں سے پیدا ہوئے تھے۔ ان کو اجازت نہیں تھی کہ وہ شہروں میں عام بستیوں میں رہیں نہ وہ مذہبی کتب ویدوں کی پڑھ سکتے تھے اور نہ ایسی محفلوں میں شرکت کر سکتے تھے جن میں وید پڑھے جاتے۔ مبادا کہ وید کے کلمات ان کے کانوں سے ٹکرائیں۔ ویش یا شودر کا وید پڑھنا یا سننا ثابت ہو جاتا تو انھیں انتہائی ظالمانہ سزا دی جاتی۔

ان طبقات کا ذکر علامہ البیرونی نے یوں کیا ہے۔

''اسلام تمام انسانوں کو خواہ وہ کسی خاندان سے تعلق رکھتے ہوں مساوی درجہ دیتا ہے

صرف تقویٰ کی بنا پر کسی کا درجہ دوسرے سے بلند ہو سکتا ہے۔ اسلام کا نظریہ مساوات ہندوؤں کے لیے ایک بڑا حجاب ہے جس کے باعث وہ اسلام کو قبول نہیں کرتے اور اس کی تعلیمات سے دور بھاگتے ہیں۔"

ذات پات کی تقسیم نے ہندی معاشرہ میں عجیب قسم کے نشیب و فراز پیدا کر دیے تھے صرف برہمن کے لیے وید پڑھنا جائز تھا۔ کھشتری وید نہیں پڑھ سکتا تھا اسے صرف سننے کی اجازت تھی جبکہ شودروں کو یہ اجازت بھی نہ تھی۔ ہزاروں سال تک بھارتی معاشرہ ظلم و ستم اور بے انصافی کی چکی میں پستا رہا اور کسی کو اس معاشرہ کو اس حرماں نصیبی اور محرومی کی زندگی سے نجات دلانے کی ہمت نہ ہوئی۔

عورت کا مقام

ان کے ہاں عورت کسی حال میں آزاد نہ تھی۔ بچی ہے تو باپ کے ماتحت، جوان ہے تو خاوند کے زیر فرمان، بوڑھی ہے تو اولاد کی محتاج۔ زیورات کے علاوہ کسی جائیداد کی مالک نہیں ہو سکتی۔ اس پر فرض تھا کہ ہر حالت میں اپنے خاوند کا انتظار کرے اس کے جاگنے سے پہلے جاگے اس کے سونے کے بعد سوئے۔

ہندومت میں ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت تھی۔ عام ہندو چار شادیاں کر سکتے تھے اور راجاؤں کے لیے بیویوں کی کوئی تعداد متعین نہیں تھی۔ وہ جتنی چاہیں بیویاں رکھ سکتے تھے۔ ہندو دھرم ستی کی رسم کو بڑی اہمیت دیتا تھا اور اس کو عزت و قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا جو بیوہ اپنے خاوند کی چتا میں جل کر خاکستر ہو جاتی۔ اس کی بہت زیادہ تعریفیں کی جاتیں اور اگر وہ ایسا نہ کرتی اور زندہ رہنے کو ترجیح دیتی تو اسے بہت سی محرومیوں کا شکار بننا پڑتا۔ خوبصورت رنگین لباس وہ نہ پہن سکتی، زیورات استعمال نہ کر سکتی۔ دوبارہ شادی کی اسے اجازت نہ تھی۔ اس کے لیے سر منڈا کر رکھنا ضروری تھا اور اس کے لیے زیب و زینت ممنوع تھی۔ اس کی نندیں اس کے غمزدہ دل پر طعن و تشنیع کے تیر برساتی رہتیں اور اس کا جینا دوبھر کر دیتیں۔

ہندوؤں میں کثرت البعول کی رسم بھی رہی ہے یعنی ایک عورت کے کئی خاوند ہو سکتے ہیں۔ کشمیر کے پہاڑی علاقہ میں اب بھی ہندوؤں میں اس قسم کی رسوا کن شادیاں ہوتی ہیں۔ اسلام سے قبل عرب میں بھی اس قسم کی ذلت آمیز شادیوں کا رواج تھا۔ ہندوؤں میں ایک قبیح رسم یہ تھی کہ ایک شخص اپنی بیوی کو کسی دوسرے شخص کے لیے مباح کر دیتا اور دوسرا شخص اس کے بدلے میں اپنی بیوی کو اجازت دیتا کہ وہ اس شخص سے ہم بستری کرے۔ اولاد کی خاطر اپنی بیوی کو کسی دوسرے کے پاس بھیج دیا جاتا کہ وہ اس سے حاملہ ہو اور اولاد پیدا کرے۔

عام رہن سہن

ہندو اپنے جسم کے بال نہیں مونڈا کرتے تھے ان کے ہاں موسم گرما میں سخت گرمی ہوتی اس کی وجہ سے ننگے رہتے تھے۔ سر کو سورج کی تپش سے بچانے کے لیے اپنے بڑھے ہوئے غیر تراشیدہ بالوں سے ڈھانپا کرتے تھے۔ اپنی ڈاڑھی کو مینڈھیوں کی شکل میں گوندھتے تھے۔ زیر ناف بالوں کو صاف نہیں کرتے تھے۔ ناخن نہیں تراشتے تھے۔ بڑھے ہوئے ناخن دولت و ثروت کی علامت تھے کہ وہ اپنے ہاتھوں سے کوئی کام نہیں کرتے۔ ان کے سارے کام ان کے نوکر اور نوکرانیاں کرتی ہیں۔ بڑھے ہوئے ناخنوں سے اپنے سروں کو کھجلایا کرتے تھے۔ ان کے بالوں میں جوؤں کا جو لشکر رواں دواں رہتا تھا یہ بڑھے ہوئے ناخن ان کو پکڑنے کے کام بھی آتے تھے۔ وہ کھانا ایسے چبوترے پر بیٹھ کر کھاتے جسے گائے کے گوبر سے لیپا گیا ہوتا۔ مل کر کھانا کھانے کا ان کے ہاں کوئی تصور نہ تھا۔ ہر شخص علیحدہ علیحدہ کھانا کھاتا اور جو بچ جاتا اس کو استعمال نہ کرتے بلکہ باہر پھینک دیتے۔ عموماً مٹی کے برتن ہی استعمال کرتے تھے۔ کھانے کے بعد برتنوں کو بھی وہ باہر پھینکوا دیتے۔ پان کا استعمال عام تھا جس سے ان کے دانت سرخ رہتے تھے۔ خالی پیٹ شراب پیتے تھے اور اس کے بعد کھانا کھاتے تھے۔ گائے کا پیشاب چسکیاں لے لے کر پیتے مگر اس کا گوشت نہ کھاتے۔ سرنگی کی تاروں سے مختلف راگ پیدا کرتے۔ دھوتیاں باندھتے بعض لوگ صرف دو انگلی چوڑی لنگوٹی پر اکتفاء کرتے۔ کچھ لوگ شلوار پہنتے جس میں بہت زیادہ روئی ٹھونسی ہوتی۔ آزار بند پیچھے کی طرف باندھتے ان کے بٹن

بھی پشت کی جانب ہوتے ان کی واسکٹیں بھی عجیب قسم کی ہوتیں بہت تنگ جرابیں پہنتے جن کو پہننا ایک مسئلہ بن جاتا غسل میں پہلے پاؤں دھوتے پھر منہ دھوتے۔ پہلے غسل کر لیتے پھر عورت سے صحبت کرتے۔ کھیتی باڑی کا کام عورتیں کرتیں۔ مرد آرام سے گھر بیٹھے رہتے ان کے مرد عورتوں کی طرح رنگین لباس پہنتے نیز کانوں میں بالیاں۔ ہاتھوں میں کڑے۔ انگلیوں میں سونے کی انگوٹھیاں پہنتے اور بغیر زین کے گھوڑوں پر سوار ہوتے۔ کمر کے ساتھ ایک خنجر لٹکائے رکھتے۔ گلے میں زنار پہنتے، ولادت کے وقت عورتوں کے بجائے مرد دایا کا کام کرتے۔ وہ چھوٹے بیٹے کو بڑے بیٹے پر فضیلت دیتے۔ گھروں میں داخل ہوتے وقت اجازت طلب نہ کرتے۔ گھروں سے نکلتے وقت اجازت لیتے۔ مجالس میں چوکڑی مار کر بیٹھتے اور بزرگوں کے سامنے ناک صاف کرنے میں کوئی حرج نہ سمجھتے۔ بھری محفل میں جوئیں مارتے رہتے۔ زور سے ریح خارج کرتے اور اسے برکت کا سبب بتاتے لیکن چھینک مارنے کو برا شگون کہتے۔ پارچہ باف کو گندا اور حجام کو نظیف سمجھتے۔ ان کے کہنے پر جو شخص انھیں غرق کرتا یا جلاتا اسے اجرت دیتے۔ یہ ان کے اطوار اور طرز بود و باش کا نامکمل بیان ہے۔ مکمل بیان سے احتراز اس لیے کیا ہے کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کے ذکر سے حیا مانع ہے۔ (البیرونی)

قانون

یونانیوں کی طرح اہل ہند کا بھی یہ نظریہ تھا کہ قانون بنانے کا کام علماء اور حکماء سے متعلق ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں وہ صرف اپنے علماء کی طرف ہی رجوع کیا کرتے تھے۔ وہ ایسے قوانین کے قائل نہ تھے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئیں اور لوگ ان کی پابندی کریں۔ پہلے احکام کو منسوخ کر کے ان کے بجائے نئے احکام کا نفاذ ان کے ہاں قبیح نہ تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ بہت سی چیزیں باس دیو کی آمد سے پہلے حلال تھیں بعد میں حرام کر دی گئیں اور ان میں سے ایک گائے کا گوشت ہے جو پہلے حلال تھا۔ لوگ اسے کھاتے تھے پھر اس کو حرام کر دیا گیا۔

نکاح اور نسب کے معاملات میں بھی کئی تبدیلیاں لائی گئیں تھیں۔ اس وقت تین صورتیں تھیں ایک یہ کہ میاں بیوی سے اولاد پیدا ہو اور انھیں کی شمار ہو جیسا کہ آج کل بھی ہے۔

دوسری یہ کہ باپ اپنی بیٹی کے بیاہ کے وقت شرط لگا تا کہ اس کے بطن سے پیدا ہونے والا بچہ اس کے داماد کا نہیں اس کا کہلائے گا۔

تیسری یہ کہ کوئی اجنبی کسی کی بیوی کے ساتھ بدکاری کرے اس سے جو اولاد پیدا ہو اس کا باپ وہ اجنبی نہیں بلکہ اس عورت کا خاوند کہلائے گا کیونکہ زمین خاوند کی تھی اور اس اجنبی نے زمین کے مالک کی اجازت سے اس میں صرف بیج ڈالا ہے۔ پانڈو وشتن کا بیٹا اسی بنا پر کہلاتا ہے۔ شتن بادشاہ کے لیے کسی رشی نے بدعا کی۔ وہ بیوی سے صحبت پر قادر نہ رہا۔ اس نے بیاپ بن پراشسر سے کہا کہ وہ اس کی بیویوں سے صحبت کرے تا کہ اس کے لیے بیٹا پیدا ہو۔ اس کی پہلی بیوی جب بیاس کے پاس آئی تو وہ کانپ رہی تھی چنانچہ اس کے ہاں بیمار اور زرد بچہ پیدا ہوا پھر اس نے دوسری کو بیاس کے پاس بھیجا وہ شرم وحیا سے منہ چھپائے ہوئے تھی۔ اس کے ہاں مادرزاد اندھا بچہ پیدا ہوا۔ جب تیسری رانی کو اس کی طرف بھیجا تو شتن نے اسے کہا کہ وہ نہ اس سے ڈرے اور نہ حیا کرے تو وہ ہنستی مسکراتی اس کے پاس گئی' اس سے پانڈو پیدا ہوا جو پرلے درجے کا عیار اور عیاش تھا۔ یہ بھی آیا ہے کہ پانڈو کے چار بیٹوں کی ایک ہی بیوی تھی جو ایک ایک ماہ ہر ایک کے پاس رہتی تھی۔

عدل وانصاف

ہندی معاشرہ میں نظام عدل وانصاف کے خدوخال کچھ اس طرح کے تھے۔

قاضی کے سامنے دعویٰ تحریری طور پر پیش کیا جاتا۔ گواہ بھی پیش کیے جاتے تا کہ دعویٰ ثابت ہو سکے۔ گواہوں کی تعداد کم از کم چار مقرر تھی لیکن اگر گواہ ایسا ہوتا جس کی ثقاہت قاضی کے نزدیک مسلم ہوتی تو پھر اس ایک گواہ کی گواہی سے بھی قاضی مقدمہ کا فیصلہ کر دیتا۔ قاضی راز داری سے بھی حقیقت حال معلوم کرنے کی کوشش کرتا اور ظاہری علامات وقرائن سے بھی استدلال کرتا۔ اگر مدعی گواہ نہ لاسکتا تو پھر مدعا علیہ پر لازم تھا کہ وہ قسم اٹھائے۔ مدعا علیہ مدعی کو قسم اٹھانے کے لیے بھی کہہ سکتا تھا۔ قسم کی کئی صورتیں تھیں جس قسم کا دعویٰ ہوتا اسی انداز کی قسم بھی ہوتی اگر معمولی دعویٰ ہوتا اور مدعا علیہ اس پر تیار ہوتا کہ مدعی ہی قسم کھائے تو اس کا طریقہ یہ تھا کہ

وہ پانچ برہمن عالموں کے سامنے یہ کہے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو میرے نیک اعمال کا اجر جو اس دعویٰ کے آٹھ گنا کے برابر ہو اس کو دے دیا جائے اگر دعویٰ سنگین ہوتا تو اس کے لیے قسم کی یہ صورت تھی کہ قسم اٹھانے والے کے سامنے زہر کا پیالہ لایا جاتا اور کہا جاتا کہ اگر وہ سچا ہے تو یہ زہر اس پر اثر نہیں کرے گا۔ اس سے بھی سنگین قسم یہ تھی کہ قسم اٹھانے والے کو ایک تیز رفتار اور گہری نہر کے کنارے لایا جاتا یا ایسے کنوئیں کے کنارے کھڑا کیا جاتا جو گہرا ہوتا اور اس میں پانی کثیر مقدار میں ہوتا۔ پھر پانچ آدمی اس کو اٹھا کر اس گہری اور تند روندی میں یا گہرے کنوئیں میں پھینک دیتے اگر وہ سچا ہوتا تو نہ ڈوبتا اور اگر جھوٹا ہوتا تو ڈوب جاتا۔

قسم کا ایک طریقہ یہ تھا کہ قاضی فریقین کو اس شہر میں جو سب سے زیادہ قابل احترام بت خانہ ہوتا وہاں بھیج دیتا۔ مدعا علیہ ایک دن پہلے روزہ رکھتا دوسرے دن نیا لباس پہن کر مدعی کے ساتھ مل کر کھڑا ہو جاتا۔ بت خانہ کے خدام بت پر پانی ڈالتے اور اس کو پلاتے اگر وہ جھوٹا ہوتا تو فوراً اس کو خون کی قے ہو جاتی۔

ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ لوہے کو آگ میں تپایا جاتا کہ وہ پگھلنے کے قریب ہو جاتا پھر منکر کی ہتھیلی پر ایک پتہ رکھا جاتا اس کے اوپر یہ گرم ٹکڑا رکھا جاتا۔ اور اسے کہا جاتا کہ وہ سات قدم چلے پھر اس ٹکڑے کو پھینک دے اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا ہاتھ جل جائے گا۔ ورنہ نہیں۔ اور بھی اسی طرح کے کئی ظالمانہ طریقے تھے جن سے قسم اٹھانے والے کی سچائی یا کذب بیانی کا وہ پتہ لگاتے۔

ان کے نظام عدل میں ایک چیز یہ بھی تھی جس سے ان کا نظام عدل نظام جور و ستم بن گیا تھا۔ وہ یہ کہ فیصلہ کرتے وقت دیکھا جاتا کہ ملزم کون ہے اگر وہ اعلیٰ ذات کا فرد ہوتا تو اس کے لیے اور سزا ہوتی۔ اگر ادنیٰ طبقہ کا فرد ہوتا تو اسے اور سزا دی جاتی ہے جو اعلیٰ طبقہ کی سزا سے شدید تر ہوتی۔ قاتل اگر برہمن ہوتا اور مقتول کسی اور طبقہ سے تو برہمن سے قصاص نہ لیا جاتا بلکہ وہ صرف کفارہ کے طور پر روزے رکھتا۔ صدقہ خیرات دیتا اور پوجا پاٹ کرتا اور اگر قاتل مقتول دونوں برہمن ہوتے تو قاتل برہمن سے کفارہ بھی نہ لیا جاتا بلکہ اس کا معاملہ دیوتاؤں کے سپرد کر دیا جاتا قتل کے علاوہ دوسرے جرائم جن کی سزا قتل تھی، یہ تھے گائے کو ذبح کرنا، شراب

پینا' زنا کرنا۔ برہمن اور کھشتری کو سزا نہ دی جاتی بلکہ صرف اس کو مالی جرمانہ کیا جاتا یا ملک بدر کر دیا جاتا۔

اخلاقی حالت

وہ "سوما" کے پودے کو تمام پودوں کا بادشاہ کہتے تھے اور پوجا سے پہلے اس سے بنی ہوئی شراب کو پیتے تھے۔ سوما' ان کے دیوتاؤں میں سے ایک دیوتا بھی تھا جس کی وہ پوجا کرتے تھے۔

بڑے بڑے مندروں میں دیوداسیوں کے طائفے ہوتے تھے جو مورتیوں کے سامنے رقص کرتیں اور گیت گاتیں۔ مندر کے پروہت کو اختیار تھا کہ وہ کسی پجاری کو شاد کام کرنے کے لیے کسی دیوداسی کو پیسے لے کر اس کے پاس شب بسری کے لیے بھیج دے۔

علامہ البیرونی نے بھی اس قبیح رنڈی بازی کا ذکر کیا ہے۔ مشہور ہندو مورخ مسٹر ودیا لکھتے ہیں:

"اس میں شک نہیں کہ تمام مندروں میں پیشہ ور عورتیں ناچنے کے لیے اپنی زندگی وقف کیے ہوئے تھیں۔ خاص کر شیو جی کے مندروں میں یہ رسم عام تھی اور راجے ان مندروں سے خاص آمدنی حاصل کرتے تھے۔" (مسلم ثقافت ہندوستان میں)

آج بھی ان کے قدیم مندروں کے باہر اور اندر عورتوں کی ننگی تصویریں اور برہنہ مجسمے جگہ جگہ نظر آتے ہیں مہادیو کے عضو تناسل کی پوجا عام ہوتی ہے۔ مرد و زن پیر و جواں سب اس میں شریک ہوتے ہیں اور اس کی شبیہ گلے میں لٹکاتے ہیں۔ سوامی دیانند اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں بیان کرتے ہیں۔

"حقیقت میں ہندوؤں کی خرابی کے آثار مہابھارت کی جنگ سے ایک ہزار سال پیشتر ہی رونما ہو چکے تھے ...... مہابھارت کی جنگ کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جوا' دھڑلے سے کھیلا جاتا تھا۔ جس میں بیویاں اور سلطنتیں تک داؤ پر لگا دی جاتی تھیں۔ اچھی خاصی عالی خاندان کی عورتیں پانچ پانچ خاوند کر لیتی تھیں۔"

(مسلم ثقافت ہندوستان میں)

سوامی دیانند کا ایک اور حوالہ ملاحظہ کیجئے۔

''اب ان خود غرض مذہبی پیشواؤں نے ایسے باطل مذہبوں کی تلقین شروع کی جس سے کوئی بداخلاقی گناہ نہ رہی۔ زنا کاری کی نہ صرف عام اجازت دے دی گئی بلکہ ایک خاص موقع ''بھیرویں چکر'' پر شراب خوری اور زنا کاری مذہباً فرض قرار دے دی گئی۔ اس موقع پر مرد و عورت سب ایک جگہ جمع ہوتے۔ مرد ایک ایک عورت کو مادر زاد برہنہ کر کے پوجا کرتے اور عورتیں کسی مرد کو ننگا کر کے پوجتیں۔ اس موقع پر شراب پی جاتی اور بدمست ہو کر کوئی کسی کی عورت کو' کوئی اپنی یا کسی دوسرے کی لڑکی کو' کوئی کسی اور کی یا اپنی ماں بہن بہو وغیرہ کو جو وہاں موجود ہوتی پکڑ لیتا اور جس کے ساتھ چاہتا بدفعلی کر سکتا تھا۔'' (مسلم ثقافت ہندوستان میں)

''اس زمانہ میں ہندوستان کے اندر ایک ایسا مذہب پیدا ہو گیا تھا جو صرف خواہشات نفسانی پر مبنی تھا اس میں شراب کی پوجا کی جاتی اور ایک برہنہ مرد کے ہاتھ میں تلوار دے کر اس کو مہادیو کہہ کر اور ایک ننگی عورت کو دیوی قرار دے کر ان دونوں کی پوجا کی جاتی۔''

(مسلم ثقافت ہندوستان میں)

ان کی مذہبی کتابوں میں لکھی یہ حکایت ان کی اخلاقی باختگی پر بڑی اچھی طرح روشنی ڈالتی ہے کہ پراشسر جو بڑا زاہد اور پارسا تھا وہ ایک دفعہ ایک کشتی میں سوار تھا۔ اس کشتی میں ملاح کی بیٹی بھی تھی۔ یہ اس پر عاشق ہو گیا اس کو بہلانا پھسلانا شروع کیا تاکہ وہ اسے اپنے ساتھ بدکاری کرنے دے۔ آخر وہ اس کام پر تیار ہو گئی۔ کشتی کنارے لگی تو وہاں کوئی اوٹ نہیں تھی جس کے پردے میں وہ یہ قبیح حرکت کرتے۔ چنانچہ اسی وقت ایک بیل اگی اور بڑی ہو گئی کہ اس کے پردے میں انھوں نے اس مکروہ کام کو انجام دیا۔ اس زنا سے بیاس پیدا ہوا جو ان کے نامور فضلاء میں سے ایک تھا۔

تمدن ہند میں لی بان نے ہندوؤں کے اخلاق کی ان الفاظ میں داد دی ہے۔

''ہندوؤں کی نسبت اگر کہا جائے کہ وہ تمام عالم کی اقوام میں سب سے زیادہ مذہبی ہیں تو ہمارے یورپی خیالات کے مطابق یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ تمام عالم کی اقوام میں ہندو اخلاق کے لحاظ سے سب سے کم درجے میں ہیں۔

دیوتاؤں کو خوش کرنا اور انھیں اپنے پر مہربان بنانا یہ وہ نتیجہ ہے جس کو ہندو اپنے ادنیٰ سے فعل میں ملحوظ رکھتا ہے اور کبھی اس سے قطع نظر نہیں کرتا لیکن اسے سخت تعجب ہو گا کہ اس پر ثابت کرنے کی کوشش کی جائے کہ ان دیوتاؤں کو اس کے ذاتی افعال سے اس کی ایمانداری' اس کی عفت' یا راستبازی سے کچھ بھی دلچسپی ہے۔ نہ اسے اس بات کا یقین آئے گا کہ یہ زبردست دیوتا اس سے ناراض ہو جائیں گے۔ اگر وہ اپنے ہمسایہ کا مال لوٹ لے یا اپنی نو تولد لڑکی کو زندہ زمین میں گاڑ دے یہ بات البتہ اس کی سمجھ میں آتی ہے کہ اگر وہ پوجا میں غفلت کرے یا روز کی طہارت سے غفلت کرے مثلاً کھانے سے پہلے ہاتھ نہ دھوئے یا کھانے کے بعد منہ صاف نہ کرے تو یہ دیوتا اس سے سخت ناراض ہو جائیں گے اور اس پر شاید عذاب نازل کریں گے۔" (تمدن ہند)

معاشی حالت

آریوں کے کسب معاش کے دو طریقے تھے۔ ایک جانوروں کا شکار کرنا دوسرا گلہ بانی اور مویشی پالنا۔ لیکن ہندوستان میں آنے کے بعد انھوں نے زراعت کو اپنا پیشہ بنا لیا۔ پنجاب کے زرخیز میدان' گنگا اور جمنا کے درمیان کا زرخیز علاقہ۔ ان کے تسلط میں تھا جہاں وہ کھیتی باڑی کرتے تھے جو اناج پیدا ہوتا اس کا کچھ حصہ حکومت کو خراج میں دیتے اور بقیہ سے اپنی ضروریات پوری کرتے۔ اس وقت عالی شان محلات اور بڑے بڑے شہروں کو آباد کرنے کا رواج ان میں نہ تھا۔ لوگ کچے مکان یا سرکنڈے کی جھونپڑیاں بنا کر زندگیاں بسر کرتے۔ لباس میں دھوتی پہنتے اور بعض دو بالشت چوڑی لنگوٹی پر قناعت کرتے۔

ہند میں انسانی تاریخ کے تقریباً ہر دور میں شہری تمدن اگرچہ موجود رہا ہے مگر ہزار ہا سال سے اس کی آبادی کا بیشتر حصہ دیہی زندگی گزارتا رہا ہے اور ان کی معیشت کا انحصار زراعت پر رہا ہے۔ زرعی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کا کردار کاشتکار ادا کرتا ہے۔ گاؤں اور گاؤں کے کاشتکار کی حالت از منہ سابقہ سے کیسی رہی ہے۔ اس کا ہلکا سا خاکہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

"اس قدیم زمانے سے جب کہ ہندوستان کی تاریخ شروع ہوئی ہے۔ ہند کا گاؤں بجائے خود ایک کامل سیاسی جز ہے جس کے اوپر صرف ملک کی حکومت ہے اصل میں ہندو کا سچا

وطن گاؤں ہے۔ یہ اس کی معاشرتی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ یہی گاؤں اس حکومت کا مرکز ہے جس کی حفاظت میں وہ رہتا ہے۔ یہیں وہ قاضی ہے جو اس کو اپنے حقوق دلاتا ہے' یہیں وہ واعظ ہے جو اس کی روحانی صحت کا ذمہ دار ہے اور یہیں وہ طبیب ہے جو اس کی جسمانی بیماریوں کو چنگا کرتا ہے۔ اسی گاؤں میں شاعر اور ناچنے گانے والیاں ہیں جو اس کے دماغ اور آنکھوں کو لطف بخشتی ہیں۔ یہیں اس کے ہمسایہ اور ہم وطن ہیں وہ اسے چاروں طرف سے عزیز و اقربا کی طرح گھیرے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد پھر اس بیچارے ہندو کو اس بڑے اور فرضی وطن کی کب ضرورت باقی رہی جو اکثر اس کے لیے بنا کر کھڑا کیا ہے۔ اسے ایسے وطن سے نہ تو کچھ توقع ہے اور نہ وہ اسے جانتا ہے۔ اگر اس وطن کا اسے کوئی خیال بھی ہے تو یہ ہے کہ اسے ہمیشہ ایک بھاری خراج دینا پڑتا ہے۔ کوئی فاتح کیوں نہ ہو جس نے اس وطن کو بزورِ شمشیر قائم کیا خواہ وہ دیسی ہو یا مسلمان یا نصرانی۔ وہ ہمیشہ نہایت سختی کے ساتھ اس خراج کو وصول کرتا ہے اور چونکہ بے چارہ گاؤں والا بجز اس کے کچھ نہیں جانتا کہ وہ اطاعت کرے اور روپیہ دے اسے مطلق پرواہ نہیں کہ حکومت کون کرتا ہے اور خراج کون لیتا ہے۔

ہزار ہا انقلاب ہو گئے ہیں' لڑائیاں ہوئی ہیں' حکومتیں قائم ہوئی ہیں اور اٹھ گئی ہیں لیکن اس بیچارے گاؤں والے پر ان کا کچھ اثر نہیں ہوا ہے۔ اس کے حکام نے ہمیشہ اس سے زر مانگا ہے مگر اس کی رسوم و عادات اور طرز معاش میں دست اندازی نہیں کی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہند کے گاؤں کے باشندے آج بھی وہی ہیں جو تین ہزار سال قبل تھے۔ ہند کا گاؤں اس وقت بھی قدیم آریہ معاشرت کی زندہ تصویر ہے بلکہ کہنا چاہیے کہ کل ابتدائی انسانی معاشرتوں کی یہ مثال ہے۔ ہند کے گاؤں سے مراد نہ صرف مجمع مکانات کا ہے بلکہ اس ساری زمین کا بھی جو اس گاؤں سے متعلق ہے۔ گاؤں کے رہنے والوں کی ملک ہے۔ گاؤں کی زمینات اکثر مجموعی ملک کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تمام دنیا میں مجموعی ملکیت شخصی ملکیت سے مقدم رہی ہے لیکن اور ممالک میں اجتماعی ملکیت کے بعد ہی شخصی ملکیت قائم ہو گئی ہے۔ برخلاف اس کے ہند میں اب بھی وہی اجتماعی ملکیت موجود ہے اور زیادہ تر عجیب بات یہ ہے کہ اس وقت بھی شخصی ملکیت اجتماعی ملکیت میں متبدل ہو رہی ہے۔" (تمدن ہند)

یہ بھی کہ

''یہ اجماعی ملکیت دہری ہے ایک تو ہر ایک خاندان کے لحاظ سے اور دوسری مجموعی گاؤں کے لحاظ سے۔ گاؤں کی اجتماعی ملکیت خاندانی ملکیت سے نکلی ہے کیونکہ گاؤں خاندان کی توسیع سے پیدا ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں یہ تعریف لفظاً صحیح ہوتی ہے کیونکہ گاؤں کے کل رہنے والے ایک ہی جداعلیٰ کی اولاد ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں سارا گاؤں گویا ایک خاندان ہے۔ بعض صورتوں میں گاؤں کے باشندے تین یا چار اجداد کی اولاد ہیں جن میں تھوڑے بہت بیرونی اشخاص شامل ہو گئے ہیں۔ کبھی کبھی تو یہ جداعلیٰ جس کی گاؤں والے اپنے کو اولاد بتاتے ہیں محض فرضی ہوتا ہے لیکن فرضی ہو یا اصلی اس پر ہم جدی کا اثر مساوی ہے۔'' (تمدن ہند)

''اسی طرح جتنی زمینات کسی گاؤں کے باشندوں کی ملک ہیں اور وہ مل کر انھیں جوتتے بوتے ہیں۔ ان کے محاصل سے متمتع ہوتے ہیں گویا گاؤں کی اجتماعی ملکیت ہیں۔ جب فصل کاٹنا ختم ہو گیا اور غلہ کے ڈھیر لگا دیے گئے اور اس میں سے ایک بڑا ڈھیر حکومت کے لیے علیحدہ کر دیا گیا تو گاؤں والے کے فرائض جو اس کے وطن سے متعلق ہیں ختم ہو گئے نہ اس کو دوسرے وطن کی ضرورت ہے نہ خواہش۔

جب حکومت اپنا شیئر کا حصہ لے چکی تو پھر گاؤں کے کاروباریوں میں تقسیم ہوتی ہے ایک معقول حصہ پٹواری کو جاتا ہے۔ ایک حصہ برہمن کو جاتا ہے اور اسی طرح گرداور کو۔ پانی تقسیم کرنے والے کو، حجام کو، کمہار کو، بڑھئی کو، لوہار کو، دھوبی کو، چمار کو، نجومی کو، حکیم کو اور بھاٹ اور ناچنے والیوں کو حصے تقسیم ہوتے ہیں۔ یہ کل کاروباری اور ان کے علاوہ اور بھی کیونکہ ان کی تعداد گاؤں کی وسعت اور تمول پر موقوف ہے۔ گاؤں کے خرچ سے رکھے جاتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنے فرائض کے لحاظ سے ایک خاص ذات رکھتا ہے اور اسی کے اندر وہ شادی کر سکتا ہے اور انھیں کے ساتھ وہ کھا پی سکتا ہے لیکن یہ مختلف ذاتیں جو اس قدر سخت اور ایک دوسرے کو علیحدہ کرنے والی ہیں۔ گاؤں والوں میں کوئی رقابت نہیں پیدا کرتیں چونکہ ان سب کا اعتقاد یہ ہے کہ ایک ہی جد کی اولاد ہیں اس لیے وہ ایک دوسرے کو بھائی سمجھتے ہیں۔ ان کی آپس میں ایک قسم کی مساوات ہے اور وہ اشخاص بھی جو نیچے درجے کا کام کرتے ہیں اپنی

خدمات کے لحاظ سے اپنے ہم وطنوں کی نظروں میں ذلیل نہیں ہوتے۔

جس وقت کاروباری اپنا حصہ پا چکے تو پھر غلہ گھروں میں جاتا ہے اور ہر ایک کا حصہ بہت ہی کم رہ جاتا ہے۔ ہندو رعیت یعنی کاشت کار کو سخت خراج دینا پڑتا ہے اور جوان سے سبک دوش ہو جائے اور اس کے بعد بھی اس قدر بچ جائے کہ بال بچوں کو پال لے اور آئندہ فصل کے لیے بیج رکھ لے تو وہ بڑا نصیب ور شخص ہے۔ بنگالے میں اگر کسی خاندان کو ڈھائی آنے یا تین آنے روز کے حساب سے بچ جائے تو وہ اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا ہے۔''

(تمدن ہند)

ہر ایک گاؤں کا حاکم ایک شخص ہے جس کو سب مل کر حاکم قرار دیتے ہیں۔ ان کی تحت میں ایک مجلس ہے جس کے ارکان عموماً پانچ ہوا کرتے تھے اور اسی وجہ سے اس کا نام پنچائت تھا لیکن اب ان کی تعداد زیادہ ہو گئی ہے اور ان میں اکثر وہ کاروباری جن کا ذکر اوپر ہوا شامل ہیں۔ یہ بھی انتظام اس قدر قدیم ہے اور یہ ملک کے رسم و رواج میں اس درجہ شامل ہو گیا ہے کہ اسے کوئی بادشاہ محض اپنے حکم سے بدل نہیں سکتا تھا۔ کل فاتحین جو وقتاً فوقتاً ہند پر حکومت کرتے رہے اس انتظام کو قائم رکھتے رہے یہ انتظام غایت درجہ مفید بھی تھا کیونکہ گاؤں کی مالگذاری وصول کرنے کی ذمہ داری گاؤں کے حاکم پر تھی اور وہ رعایا سے وصول کر کے خزانہ شاہی میں داخل کرتا تھا۔''

(تمدن ہند)

اصلاحی تحریکیں

''چھٹی صدی قبل مسیح میں ہندومت کے خلاف دو اجتماعی تحریکیں ابھریں۔ یہ دونوں مخالفین جین مت اور بدھ مت تھے اور انھوں نے ویدک ادب اور برہمن گرو کی تعلیم میں پیش کیے جانے والے نروان کو متبادل معنی دیے۔ جین مت اور بدھ مت دونوں نے وید کی قطعیت کو بحیثیت الہامی صحائف مسترد کر دیا اور ہندوستانی ذات پات کے نظام کی مذہبی اہمیت سے انکار کیا۔ ان دونوں نئے مذاہب (یا ہندومت کی نئی صورتوں) میں سے جین مت غالباً پہلا ہے۔''

(مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا)

ویدوں کی بنیاد پر تشکیل پانے والے ہندومت نے معاشرے کو انتہائی ذلت آمیز طبقاتی تقسیم میں منقسم کردیا تھا۔ منو کا قانون اس طبقاتی تقسیم کا محافظ تھا۔ اس تقسیم کی رو سے شودر سب سے زیادہ کم ذات تھا۔ وہ خواہ کتنا ہی ذہین' عقلمند اور باصلاحیت کیوں نہ ہو ذلت و رسوائی کی زندگی اس کا مقدر تھی۔ وہ معاشرے میں ترقی کا کوئی درجہ طے نہ کرسکتا تھا بلکہ آواگون کے چکر اور جنم جنم کے فلسفے کی شکل میں اسے یہ افیون کھلا دی گئی تھی کہ یہ اس کا پہلا جنم ہے۔ اس جنم میں وہ اپنی اس ذلت بھری حالت سے قطعاً ترقی نہیں کرسکتا اور عزت کا کوئی مقام اس کے مقدر میں نہیں ہوسکتا۔ اس ابتدائی زندگی میں وہ نہایت خوشدلی اور فرمانبرداری سے اوپر والی تینوں ذاتوں کی خدمت کرتا رہے۔ زندگی کی آخری سانس تک اسے یہی کرنا ہے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو مرنے کے بعد اوپر والی کسی ذات میں جنم لے گا۔ اوپر والی تینوں ذاتوں کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ یہ دوہرے جنم والی ہیں۔ برہمن نے اپنے تفوق کو قائم رکھنے کے لیے ان کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی تھی کہ ترقی کا ذریعہ فقط آواگون ہی ہے۔ وہ کہتے انسان شودر پیدا ہوتا ہے پھر جنم در جنم کے چکر کے ذریعے ترقی کرتے کرتے برہمن کا رتبہ پالیتا ہے۔ جنم در جنم کے ذریعے ہی بالآخر وہ نروان حاصل کرکے ابدی نجات حاصل کرتا ہے۔ تناسخ' آواگون یا جنم جنم کا فلسفہ برہمن کا ایسا ہتھیار تھا جس کے ذریعے اس نے ہندو ذہن کو ذات پات کے نظام کی ذلت آمیز جکڑ بندی میں جکڑ رکھا تھا۔ معاشرے کی اکثریت شودر بن کر حیوانوں سے بھی بدتر زندگی گزار رہی تھی۔ مگر اس ظلم اور جبر کے خلاف وہ اف تک نہیں کرسکتے تھے۔ اچھی زندگی یا ترقی کرنے کی خواہش بھی ان کے لیے گناہ کبیرہ تھی۔ ان کی بھلائی اسی میں تھی کہ وہ چپ چاپ اوپر والوں کی خدمت کرتے رہیں۔ غلاموں جیسی زندگی گزاریں' پستی اور ذلت کو قبول کریں' اوپر والے انھیں جس طرح رکھیں اسی طرح رہیں ورنہ ڈر تھا کہ اگلے جنم میں وہ کسی جانور کی شکل میں پیدا نہ ہوجائیں۔ ویش' شودر کی نسبت تھوڑی سی بہتر حالت میں تھے جبکہ برہمن اور کھشتری کی عیش تھی۔ سب سے نچلی ذات کے لیے فلاح دارین ان کی ہر خدمت بجا لانے میں تھی جبکہ اس سے کچھ اوپر والا درجہ رکھنے والی جاتی یعنی ویش کا کام زراعت و تجارت کے ذریعے برہمن اور کھشتری کو عیش و آرام کی زندگی بسر کرنے کا ہر سامان مہیا کرنا تھا۔

چند لوگ عیش و آرام کی زندگی گزار رہے تھے جبکہ انسانوں کی عظیم اکثریت غربت و افلاس اور ذلت و پستی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔

اس نظامِ ذات کے خلاف وقتاً فوقتاً آوازیں اٹھتی رہیں مگر انھیں کوئی پذیرائی حاصل نہ ہوئی۔ اس کی بڑی وجہ غالباً برہمن، کھشتری گٹھ جوڑ تھا جو دونوں اعلیٰ ذاتوں کے مفادات کا محافظ تھا۔ مگر برہمن کو جو کچھ حاصل تھا اس کا سبب کھشتری کی عسکری اور انتظامی خدمات تھیں۔ کھشتری بجا طور پر یہ سمجھتا تھا کہ اس کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے کہ برہمن کا سارا پندار اس کے سبب سے ہے مگر باوجود اس کے اسے دوسرے درجے کی مخلوق سمجھا جاتا ہے اور برہمن پہلے درجے پر فائز یقین کیا جاتا ہے۔ یوں دروں خانہ کھشتریوں میں برہمن مخالفت کے جذبات پائے جاتے تھے۔ بالآخر کھشتریوں ہی کے دو طاقتور خاندانوں کے چشم و چراغ مہاویرا اور گوتم مذہبی پیشوائی کا لبادہ اوڑھ کر برہمنی نظام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کی آواز کو پورے ہند میں توجہ سے سنا گیا۔ خصوصاً مؤخر الذکر کی تعلیمات کو جو پذیرائی پورے ہند میں حاصل ہوئی اس نے اسے نہ صرف پورے ہند کے محروم طبقات کا رہبر بنا دیا بلکہ کھشتریوں کی طاقتور جاتی اور ان کے راجے مہاراجے بھی اس کے پیروکار بن گئے۔ نظام ذات کا قلعہ مسمار ہو گیا اور برہمن کے تفوق کا محل زمین بوس۔ مہاویر کی تعلیمات جین مت اور بدھا کی بدھ مت کے نام سے مشہور ہوئیں۔ ان دونوں رہنماؤں خاص طور پر گوتم بدھ نے لوگوں کو بتایا کہ اگر وہ اس کی تعلیمات پر عمل کریں تو نظام ذات کی سختیوں اور جنم درجنم کے چکروں میں پڑے بغیر اسی زندگی میں وہ نروان اور نجات ابدی کا مقام حاصل کر لیں گے۔ عوام کی عظیم اکثریت جو آج تک برہمنوں کے پڑھائے ہوا اس سبق پر چل رہی تھی کہ ان کی نجات نظام ذات پر موقوف ہے اور انھیں جنم درجنم اس نظام کی سختیوں سے گزرنا پڑے گا۔ اس زندگی میں ان کے لیے نروان حاصل کرنا ممکن نہیں جب اس کے کانوں نے گوتم بدھ کی رس بھری آواز کو سنا اور یہ جانا کہ وہ اسی زندگی میں نجات اور نروان حاصل کر سکتے ہیں تو انھوں نے برہمن ازم کو چھوڑ کر گوتم کی پیروی اختیار کر لی۔

برہمن نے نجات کو ذات اور قربانی کے نظام سے منسلک کیا تھا۔ ذات برہمن کے تفوق

کو قائم رکھنے کی ضامن تھی جبکہ قربانی اس کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ۔ دونوں اصلاحی تحریکوں نے ذات اور قربانی کو نجات کے ذرائع کے طور پر مسترد کر دیا اور نجات کے حصول کی متبادل راہیں متعارف کروائیں۔

لیوس مور لکھتا ہے۔

''جین مت اور بدھ مت دونوں قربانی کے نظام کو زندگی سے نجات حاصل کرنے کے ذریعہ کے طور پر مسترد کرتے ہیں۔ جیسا کہ وید میں سکھایا گیا ہے وہ دونوں یہ تعلیم دیتے ہیں کہ زندگی سے نجات دیوتاؤں کے حضور قربانی کرنے یا کسی دوسری عبادت سے نہیں بلکہ فرد کی اپنی ہی زندگی کے کارناموں سے ملتی ہے۔ ان دونوں نے وید کو مقدس صحیفہ ماننے سے انکار کر دیا اور تعلیم دی کہ کسی بھی ذات کا کوئی بھی فرد جو اچھی زندگی گزارے نجات پا سکتا ہے۔

(مذاہب عالم کا انسائیکلو پیڈیا)

بدھ مت کو جین مت کی نسبت زیادہ کامیابی ملی کیونکہ جین مت کا پرچار گوتم بدھ کے ظہور سے پہلے ہو چکا تھا مگر وہ عوام میں زیادہ مقبول نہ ہو سکا تھا۔ گوتم بدھ نے جین مت کے تجربے سے بہت سے سبق حاصل کیے اور اپنی تعلیمات کو ان باتوں سے پاک رکھا جن کی موجودگی جین مت کے ایک عوامی تحریک بننے کے آڑے آئی تھی۔ جین مت نے اپنے پیروکاروں پر رہبانیت اور عدم تشدد کو ان کی انتہائی شکل میں مسلط کرنے کی کوشش کی۔ یہ بوجھ ایک عام آدمی کی ہمت سے باہر تھا۔ جینیوں کے ہاں اعلیٰ ترین مقام کا حصول زیادہ سے زیادہ تکلیف برداشت کرنے میں تھا۔ وہ خود کو اتنا زیادہ بھوکا رکھتے کہ بھوک کی شدت سے ہلاک ہو جاتے۔ ان کی یہ روش ایسا حجاب تھی جس نے جین مت کو ایک عوامی تحریک بننے سے روک دیا تھا۔ بدھا نے اپنے فلسفے اور پیغام میں ایسی رہبانیت اور ریاضت کی انتہا کو کوئی جگہ نہ دی جس نے بدھ مت کو ایک عوامی تحریک بنا دیا۔ لیوس مور کا کہنا ہے۔

''جب جین مت اپنی مقبولیت کے دور میں تھا تو اس نے عام آدمی سے اتنا زیادہ کچھ تقاضا کیا کہ کبھی عوامی تحریک نہ بن سکا۔ جین مت کے نقطہ نظر کے بعد آنے والی صدیوں میں ہندو مت نے اس کے رہبانیت اور اہنسا (عدم تشدد) کے نظریات کو اپنا لیا اور آج جین مت

ہندوستانی باشندوں کی صرف ایک معمولی اقلیت ہے۔

بدھ مت بہت سی ایسی خواہشات اور عقائد میں سے ابھرا جنھوں نے جین مت کی بنیادیں تشکیل دی تھیں تاہم یہ تعلیم دیتا ہے کہ جب فرد پجاریوں اور قربانی کے نظام کے بغیر زندگی سے الگ ہوسکتا ہے تو رہبانیت کی انتہا ضروری نہیں۔ ایک دور میں بدھ مت اپنے زیادہ معتدل رویوں کے ساتھ ہندوستان کے مذہب کے طور پر ظاہر ہوا حتیٰ کہ ایک تبلیغی مذہب بن گیا اور دیگر ایشیائی اقوام کی طرف اپنے مبلغین بھیجے' تاہم ہندومت نے انجام کار خود کو دوبارہ منوایا اور بدھ مت کے امتیازی خواص جذب کر لئے۔ بدھ مت کے بانی گوتم بدھ کو ہندو دیوتاؤں کے گروہ کا رکن بنایا گیا اور اس کی تعلیمات ہندومت کا ایک حصہ بن گئیں۔ پندرھویں صدی عیسوی کے آتے آتے ہندوستان میں چند ایک بدھی ہی رہ گئے۔''

(مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا)

یہاں جین مت اور بدھ مت دونوں کا تذکرہ قدرے تفصیل کے ساتھ کیا جائے گا تاکہ قارئین دونوں تحریکوں کے اس اجمالی تعارف کے ساتھ کچھ تفصیلات سے بھی آگاہ ہو جائیں۔

جین مت

جین مت کے نقطہ آغاز کے بارے میں حتمی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے حالانکہ مہاویر (وردھمان) کو اس کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ مہاویر کی زندگی حکایتوں سے بھری ہوئی ہے۔ درحقیقت راسخ العقیدہ جین مت میں مہاویر بانیوں کے طویل سلسلہ میں سب سے آخری تھا۔ مہاویر سے قبل جین مت کی تشکیل میں تیس لوگ گزرے ہیں۔ مہاویر سمیت ان لوگوں کو تیرتھنکر کہا جاتا ہے۔ انھیں ایسے مثالی انسان سمجھا جاتا ہے جنھوں نے اس زندگی اور نروان کے درمیان پل قائم کیا۔ مجموعی طور پر چوبیس تیرتھنکر اپنے معبدوں میں جین پرستوں کی عقیدت حاصل کرتے ہیں۔ (مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا)

جین مت کے سب سے بڑے مبلغ ''مہاویر'' کا یہ نظریہ تھا کہ انسان' حیوان' شجر' حجر ہر چیز ذی روح ہے روح جب بدن کی قید میں ہو تو اس کی نجات کی واحد صورت یہ ہے کہ وہ

بدن کی قید کو توڑ کر اس سے آزاد ہو جائے۔ وہ دعاؤں اور پوجا پاٹ کو بے سود کہتا تھا۔ اخلاقی اور ذہنی نظم و ضبط کی اہمیت پر اس کے ہاں بڑا زور تھا۔ بدن کے سارے تقاضوں کو نظر انداز کرنے میں وہ نجات کا راز بتاتا تھا۔ جین مت کے مذہبی رہبروں نے فنائے ذات پر اتنا زور دیا کہ کھانے پینے سے بھی رک گئے حتیٰ کہ بھوک پیاس کی شدت سے دم توڑ گئے۔ ایسی موت ان کے ہاں بڑی شاندار موت تھی۔ جین مت کا دوسرا اصول ''اہنسا'' یعنی عدم تشدد تھا۔ کسی انسان یا حیوان کی جان لینا تو دور کی بات ہے کیڑوں مکوڑوں' جڑی بوٹیوں کو تلف کرنا بھی ان کے نزدیک گناہ کبیرہ تھا۔ کھیتی باڑی بھی منع تھی کہ اس سے کیڑے مکوڑے اور جڑی بوٹیاں مر جاتی تھیں۔ پسندیدہ پیشہ صرف تجارت تھا۔

''مہاویر کے حالات زندگی کی تفصیلات بہت حد تک بدھ کی زندگی سے مشابہ ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ یہ تفاصیل بدھ مت سے لی گئی ہیں۔ بدھ کی طرح مہاویر چھٹی صدی قبل مسیح میں کشتریہ گھرانے میں پیدا ہوا اور اس کا باپ ایک معمولی حکمران تھا۔ دو بیٹوں میں سے مہاویر دوسرے نمبر پر تھا۔ داستان کے مطابق خاندان وافر دولت کا مالک تھا اور پر آسائش زندگی بسر کرتا تھا۔ وہ شمالی ہندوستان میں مگدھ کے دارالحکومت ویشالی میں رہتے تھے۔ مناسب عمر میں مہاویر کی شادی ہوگئی اور اس کی ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ اپنے مقام اور دولت کے باوجود وہ خوش نہ تھا' وہ اپنی اس خاموشی کا مذہبی حل چاہتا تھا۔ جب گھومتے پھرتے جوگیوں کا ایک گروہ اس کے گاؤں میں آ کر ٹھہرا۔ مہاویر نے ان کے فرقے میں شامل ہونے کی خواہش کی۔ تاہم ایک فرمانبردار بیٹا ہونے کے ناطے اس نے اپنے والدین کی موت کا انتظار کیا اور جب اس کے بڑے بھائی نے کامیابی سے خاندان کے معاملات سنبھال لیے تو پھر اس نے اپنے خاندان بیوی اور بچے کو الوداع کہا' اپنی دولت اور آسائشوں سے پیٹھ پھیری' اپنے بالوں اور داڑھی کو منڈوایا اور مکتی کی تلاش میں مرتاضوں (جوگیوں) کے ساتھ جاملا۔

مہاویر کو مرتاضوں کے اس گروہ میں اپنی مکتی نہ ملی جس کی اسے توقع تھی۔ اس کی بجائے اسے یہ یقین ہوگیا کہ روح کو اس زندگی سے نجات دلانے کی خاطر اور بھی زیادہ سخت ریاضت کی ضرورت ہے۔ مہاویر نے شدید ریاضت میں اپنی دلچسپی کے علاوہ انجام کار محسوس کیا کہ حصول

نجات کے لیے اہنسا (عدم تشدد) کی پابندی بھی لازمی ہے لہٰذا وہ اپنے راستے پر چلتا چلا گیا۔

مہاویر کے حالات زندگی کے اس دور سے متعلقہ داستانیں اس کی اپنے اوپر عائد کردہ شدید ریاضت پر زور دیتی ہیں۔ چونکہ وہ لوگوں یا اشیاء کے ساتھ تعلق قائم نہیں رکھنا چاہتا تھا لہٰذا وہ جہاں بھی گیا وہاں ایک جگہ پر ایک سے زیادہ رات کبھی قیام نہ کیا۔ برسات کے موسم میں وہ سڑکوں پر نکلنے سے پرہیز کرتا تاکہ کہیں نادانستہ طور پر اس کے قدموں کے نیچے کوئی کیڑا نہ آ جائے۔ خشک موسم میں وہ کیڑے مکوڑوں کے کچلے جانے سے محفوظ رہنے کے لیے چلتے ہوئے اپنے سامنے سڑک پر جھاڑو دیتا جاتا۔ وہ اپنے پینے والے پانی کو چھان لیتا تاکہ اس کے اندر موجود کسی بھی کیڑے وغیرہ کو نگلنے سے محفوظ رہ سکے۔ کسی بھی حقیقی مرتاض کی طرح وہ کھانے کے لیے بھیک مانگتا لیکن وہ بغیر پکا کھانا کھانے سے انکار کر دیتا اور صرف کسی دوسرے شخص کی چھوڑی ہوئی خوراک کھانے کو ترجیح دیتا تاکہ وہ خوراک کی موت کا باعث نہ بن جائے۔ اپنے جسم کو زیادہ بہتر طور پر اذیت دینے کے لیے وہ سردیوں میں سرد ترین اور گرم موسم میں گرم ترین مقامات کی طرف نکل جاتا اور ہمیشہ ننگا رہتا۔ جب کبھی ناراض یا غصیلے لوگ اپنے کتوں کو مہاویر کے پیچھے بھیجتے تو وہ احتجاج کی بجائے انھیں کاٹنے کی اجازت دے دیتا۔ داستانیں ایسے وقت کے بارے میں بھی بتاتی ہیں جب مہاویر مراقبے میں تھا اور بعض لوگوں نے اس کے قریب آگ لگا دی تاکہ دیکھ سکیں کہ آیا وہ احتجاج کرتا ہے یا نہیں۔ اس نے ایسا نہ کیا۔ ریاضت کے بارہ مشکل ترین سالوں کے بعد اس نے جنم' موت اور دوبارہ جنم کے غیر مختتم چکر سے موکش (نجات) حاصل کر لی۔ اس طرح وہ اپنے پیروکاروں کے لیے جین (فاتح) بن گیا کیونکہ اس نے زندگی کی قوتوں کو بہادری سے فتح کیا تھا۔ اگرچہ مہاویر موکش حاصل کر چکا تھا' وہ تیس برس مزید زندہ رہا اور بہتر سال کی عمر میں مر گیا۔

''دیگر ہندوستانی مذاہب کی طرح جین مت زندگی کو غیر مختتم تجسیم نو سمجھتا ہے۔ لوگ پیدا ہوتے' اپنی زندگیاں گزارتے اور مر جاتے ہیں اور دوبارہ جنم لیتے ہیں۔

جین مت کا فلسفیانہ نقطہ نظر دوئی ہے۔ جین مت کے مطابق دنیا دو اجزاء اور روح (جیو) اور مادہ (اجیو) سے بنائی گئی ہے۔ روح زندگی ہے' یہ ابدی اور اہم ہے۔ مادہ بے جان' حقیر اور

برائی ہے۔ساری کائنات کو روح یا مادہ کے طور پر شناخت کیا جا سکتا ہے۔تمام لوگ مادے میں لپٹی ہوئی روح نظر آتے ہیں۔ جب تک روح مادے میں سمائی ہوئی ہے آزاد نہیں ہو سکتی اور زندگی کے غیر مختتم چکر میں رہنے پر مجبور ہے۔ چنانچہ روح کو مادہ سے آزاد کرنا جین مت کا مقصد ہے۔ (مذاہب عالم کا انسائیکلو پیڈیا)

روح مادے یا جسم سے اس وقت تک آزاد نہیں ہو سکتی جب تک جسم کو سخت اذیت نہ دی جائے۔ چنانچہ جین مت کے پیروکار ہر طرح سے اپنے جسم کو تکلیف دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہی ان کے لیے سامان نجات ہے۔

''جینیوں کے صحائف کو آگم (ہدایت نامے) یا سیدھانت یعنی ''مقالے'' کہا جاتا ہے۔ راسخ العقیدہ جینی یقین رکھتے ہیں کہ یہ آگم مہاویر کے اپنے شاگردوں کو دیے گئے حقیقی وعظ یا تعلیمات ہیں۔ کئی جینی فرقے حقیقی اور بااعتماد آگم کی تعداد میں اختلاف رکھتے ہیں۔ متعدد کم مشہور آگم ابھی تک انگریزی میں ترجمہ نہیں کیے گئے۔'' (مذاہب عالم کا انسائیکلو پیڈیا)

جین فرقے

''80 عیسوی کے لگ بھگ جین اس مسئلہ پر وسیع پیمانے پر تقسیم ہو رہے تھے کہ جین مت کا حقیقی مفہوم کیا تھا اور وہ دو فرقوں میں بٹ گئے جو آج بھی قائم ہیں۔ جینی تعلیمات کی وضاحت میں نسبتاً زیادہ غیر جانبدار نقطہ نظر کا حامل فرقہ شویتامبر (سفید لباس) ہے۔ آج یہ گروہ مرکزی طور پر ہندوستان کے شمالی حصے میں آباد ہے۔ وہ کپڑے پہن کر مہاویر کی تعلیمات کی اپنی وضاحت میں زیادہ آزاد روہیں اور ''سفید لباس'' کہلاتے ہیں کیونکہ وہ برہنگی کی ضرورت کو مسترد کرتے اور اپنے سنیاسیوں کو سفید لباس پہننے کی اجازت دیتے ہیں۔ وہ مذہب اور آشرم میں عورتوں کے داخلے کی بھی اجازت دیتے ہیں اور عورت کے نروان پا لینے کے امکان کو قبول کرتے ہیں۔ دونوں فرقوں سے شویتامبر زیادہ مقبول ہے۔

دوسرا فرقہ ''دیگامبر'' (آسمانی لباس) دونوں میں سے زیادہ انتہا پرست ہے اور اس کے ارکان مرکزی طور پر ہندوستان کے جنوبی علاقے میں آباد ہیں۔ دیگامبر قدیم نظریات سے

منسلک ہیں اور اپنے سنیاسیوں سے تقریباً برہنہ ہونے کا تقاضا کرتے ہیں مکمل برہنگی عظیم رتبے کے حامل افراد کے لیے مخصوص ہے۔ مزید برآں وہ یقین رکھتے ہیں کہ عورتوں کو مکتی پانے کا کوئی موقع حاصل نہیں ہے اور وہ مرد کے لیے سب سے بڑی تحریص ہیں لہٰذا عورتوں کو آشرم اور معبد میں داخل ہونے سے منع کیا گیا۔ دیگامبر تو یہ بھی تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں کہ مہاویر نے شادی کی تھی۔

1973ء میں شویتامبر سے ایک تیسرا فرقہ گروہ کی حیثیت سے ابھرا۔ یہ گروہ ستھانک واسی کے طور پر پہچانا جاتا ہے اور معبدوں اور بتوں سے اپنی مخالفت کی بنا پر نمایاں ہے۔ یہ دیگر جین فرقوں سے اس لیے بھی مختلف ہے کہ یہ صرف 33 آگموں کو تسلیم کرتا ہے جبکہ دیگر چوراسی آگموں کے قائل ہیں۔ (مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا)

جین مت، ہندو دھرم کے نظریات سے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ متاثر ہوتا رہا۔ آخر انھوں نے بھی کئی دیوتاؤں کی پوجا شروع کر دی۔ مہاویر کو بھی ایک دیوتا بنا لیا اور باقاعدہ اس کو پوجنے لگ گئے۔ ان کے اہم پیشوں میں سے ایک بھاری شرح سود پر قرضے دینا تھا۔ جس سے جین مت کے پیروکار بہت زیادہ دولت مند بن گئے۔ موجودہ دور میں ان کی تعداد بہت کم ہے۔ یہ ہندوستان کے ایک چھوٹے سے اقلیتی فرقے کے طور پر جانے جاتے ہیں۔

بدھ مت

بہت زمانہ پہلے ہندوستان کے سرحدی علاقہ نیپال میں شاکیا قوم آباد تھی جس پر راجہ شدھودھن حکومت کرتا تھا۔ وہ ہندوستان کے خود مختار راجوں میں شمار ہوتا تھا۔ اس کے ہاں ۵۶۳ ق م میں گوتم یا گوتما پیدا ہوا جس نے آگے چل کر بدھ یعنی روشن ضمیر کے نام سے پوری دنیا میں شہرت پائی۔ گوتم اگرچہ شاہانہ ماحول میں پلا تھا مگر اپنی رعایا اور معاشرہ کے عام حالات اسے گہرے غور و خوض میں ڈبوئے رکھتے تھے۔ بدھ مت کی روایات کے مطابق ایک روز اس نے ایک بوڑھے کو دیکھا جس کی قوتیں جواب دے چکی تھیں بڑھاپے کی ناتوانیوں نے اس کو جکڑ لیا تھا۔ وہ بڑی مشکل سے چل رہا تھا۔ پھر اس نے ایک بیمار کو دیکھا جو ایک موذی اور

انتہائی تکلیف دہ بیماری میں پھنسا ہوا تھا اور کراہ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی نظر ایک مردہ کی لاش پر پڑی اس کے ورثاء اسے جلانے کے لیے مرگھٹ لے جا رہے تھے۔ ان مناظر نے اس کی زندگی میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ پھر اس نے ایک تارک الدنیا جوگی دیکھا جو بڑے اطمینان سے سڑک پر چلا جا رہا تھا۔ گوتم اس سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے کہا کہ یہ جوگی ہر فکر و غم سے آزاد ہے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنی شاہانہ شان و شوکت کی زندگی کو چھوڑ کر اس جوگی جیسی زندگی اپنائے گا۔ ایک رات جب اس کی جواں اور خوبرو بیوی محوِ خواب تھی اور اس کا کمسن بچہ اس کے پاس لیٹا ہوا تھا۔ گوتم نے ان دونوں پر الوداعی نظر ڈالی اور اپنے مقصود کی تلاش میں روانہ ہو گیا۔ اپنے جسم کی قیمتی پوشاک جس میں ہیرے اور جواہرات جڑے ہوئے تھے، اتار کر اپنے باپ کی طرف بھیج دی سر کے بال منڈا دیے۔ سالہا سال سیاحت میں گزارے لیکن گوہر مقصود نہ مل سکا۔ وہ انسانیت کے دکھوں کا سبب اور ان کا علاج دریافت نہ کر سکا۔ اس نے برہمن فلسفیوں کے حلقہ درس میں طویل عرصہ گزارا اور ان سے فلسفہ کا علم حاصل کیا پھر ریاضت شروع کی اور لگاتار چھ سال تک شدید قسم کی ریاضتیں کرتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ بن گیا پھر اس نے غور و فکر کے لیے مراقبہ کرنا شروع کیا۔ وہ پہروں مراقبہ میں مشغول رہتا۔ آخر ایک روز جب وہ شکستہ دل اور تھکا ماندہ بڑ کے ایک بڑے درخت کے نیچے مراقبہ کی حالت میں بیٹھا غور و فکر میں کھویا ہوا تھا۔ یکایک اس کے دل میں ایک روشنی پیدا ہوئی۔ اس روشنی سے اس پر وہ اسرار کھل گئے جن کی تلاش میں وہ سالہا سال سے مارا مارا پھر رہا تھا۔

یہ روشنی، اسے ''گیا'' میں حاصل ہوئی۔ ''گیا'' صوبہ بہار کا ایک شہر ہے اور دریائے گنگا میں آ کر ملنے والے ایک چھوٹے دریا ''نیرنجارا'' کے کنارے آباد ہے۔ اس روشنی میں اس نے خیر اور شر کی حقیقت کو جان لیا۔ بدھ مت میں اس روشنی کو گیان کا نام دیا جاتا ہے۔ وہ اس روشنی کے دیدار میں یوں محو رہا کہ چار ہفتے مزید اسی مراقبہ میں گزر گئے۔ بجائے اس کے کہ وہ عمر بھر خود ہی اس روشنی سے لطف اندوز ہوتا رہتا۔ اس نے یہ مناسب سمجھا کہ وہ دوسرے لوگوں کو بھی اس راستہ کی خبر دے تاکہ انھیں بھی یہ روشنی نصیب ہو۔ چنانچہ چالیس سال تک تادم واپسیں وہ اپنے شاگردوں اور چیلوں کو جو حقیقت اس پر منکشف ہوئی تھی۔ اس کی تعلیم دیتا رہا۔

یہاں تک کہ اسی سال کی عمر میں اس نے وفات پائی۔اس طویل عرصہ میں وہ بھیک مانگ کر اپنا پیٹ بھرتا رہا اور اپنے مشن کی تکمیل میں روز و شب مصروف رہا۔

گوتم کی تبلیغی مساعی

گوتم بدھ نے جس معاشرتی ماحول میں آنکھ کھولی اور شعور کی منزلیں طے کیں۔اس میں برہمن کو مرکزی کردار حاصل تھا۔مذہب' سیاست' معاشرت' معیشت' قانون اور اخلاق غرض زندگی کا ہر شعبہ برہمن کی گرفت میں تھا۔گوتم کھشتری تھا۔سیاست ان کے خاندان کی میراث تھی مگر برہمن کا رسوخ اتنا بڑھ چکا تھا کہ کھشتری سیاسی اقتدار حاصل ہونے کے باوجود برہمن کے دست نگر تھے۔وہ برہمن کے بغیر چل نہ سکتے تھے۔وہ حکمران تھے مگر پھر بھی معاشرے میں دوسرے درجہ کے لوگ تصور کیے جاتے تھے جبکہ پہلے درجے کی حیثیت کا حامل فقط برہمن تھا۔نتیجتًا کھلے بندوں نہ سہی مگر اندرونی طور پر کھشتری بھی برہمن مخالف تھا اور اس کے کردار کو محدود کرنا چاہتا تھا۔شاید یہی وجہ تھی کہ برہمن استبداد کے خلاف اٹھنے والی دونوں تحریکوں جین مت اور بدھ مت کے بانی کھشتری تھے۔ دونوں نے کوئی نیا مذہب پیش نہیں کیا۔ نئے دیوتا متعارف نہیں کروائے۔نہ ہی ان کی تعلیمات کو الہامی کہا جاسکتا ہے بلکہ ان دونوں کی تعلیمات کا نکتہ ارتکاز برہمن مخالفت تھا۔خاص طور پر قربانی کی رسم جو برہمن کی آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ تھی۔انھوں نے اس پر ضرب کاری لگا کر اس راستے سے برہمن کی آمدنی کے امکانات کو قریب قریب مسدود کردیا۔

برہمن کی اصل پہچان ان کا مذہبی کردار تھا مگر اپنی بدکرداری اور انسان دشمنی کے باعث وہ مذہبی اعتبار سے بانجھ ہوچکے تھے۔

زندگی کا قیام کس سے ہے؟

روح کیا ہے؟

مرنے کے بعد کیا ہوگا؟

دکھ' تکلیف' مصیبت اور پریشانی کی اصل کیا ہے؟

دنیا اور آخرت کی حقیقت اور ان میں کامیابی کا طریقہ کیا ہے؟

یہ وہ سوالات ہیں جو انسانی ذہن میں فطری طور پر اٹھنے والے ہیں۔ دنیا کا ہر مذہب اپنے پیروکاروں کو ان حوالوں سے مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کامیاب مذہب کی پہچان ہی یہ ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کو اس نوعیت کے سوالات پر مکمل اطمینان بخش جواب عطا فرمائے۔ برہمن اپنے اس مذہبی کردار میں ناکام تھا۔ عام لوگوں کو مذہبی لحاظ سے مطمئن کرنا اس کے بس میں نہ رہا تھا۔ لوگ مذہبی لحاظ سے پریشان تھے۔ سیاست' معیشت اور اخلاق و معاشرت میں برہمن کے منفی کردار نے انھیں برہمن بیزار بنا دیا تھا۔ عوام کی اکثریت برہمن سے متنفر ہو چکی تھی۔ عوام الناس کی عظیم اکثریت ویشوں اور شودروں کے محروم طبقات پر مشتمل تھی۔ وہ ذہنی طور پر برہمن کے باغی تھے مگر برہمن کھشتری گٹھ جوڑ کے سامنے بے بس و لاچار اور مجبور و مقہور خاموش زندگی گزار رہے تھے۔ جب گوتم بدھ کی شکل میں ایک حکمران کھشتری خاندان کا چشم و چراغ برہمن مخالفت کا نقیب بن کر اٹھا تو لوگوں کے باغی جذبات کو زبان مل گئی۔ صدیوں کا سفر عشروں میں طے ہوا۔ لمحوں میں دنیا بدل گئی۔ لوگوں نے برہمن کی پیروی ترک کر دی۔ گوتم ان کا پیشوا ٹھہرا۔ اسے بدھا (روشن ضمیر) کے عظیم لقب سے سرفراز کیا گیا۔ پہلے وہ ایک ریاست کا ولی عہد تھا۔ اب ہندوستان بھر کے محروم طبقات کا امام بن گیا۔

لی بان بدھ مت اور اس کی کامیابی پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

”بدھ مذہب اور برہمنی مذہب میں اولاً بڑا فرق اخلاق اور رواداری اور نیکی کا ہے اور ثانیاً اس مذہب میں انسان کا درجہ اتنا بڑا رکھا گیا ہے جو کسی دوسرے مذہب میں نہیں ہے۔ فطرت نے اپنے بوقلموں تغیرات کے سلسلہ میں کم و بیش کامل صورتیں پیدا کیں۔ یہاں تک کہ انسان بنا اور یہ انسان اپنی نیکی اور قوت ارادہ کے زور سے اخیر میں چل کر نہ صرف خدا بن سکتا ہے بلکہ خدا سے بھی درجہ میں زیادہ یعنی وہ بدھ کے درجہ کو پہنچ سکتا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ وہ وجود کامل بن سکتا ہے۔ وہ وجود جس کا مثل کوئی نہیں جو عالم کی ابتدا ہے اور انتہا کل ہے اور کچھ نہیں غیر متناہی ہے اور پھر فنائے مطلق غرض عالم کا عرفان اور وجدان ہے جس طرح عالم دھوکے سے بنا ہوا ہے۔ اسی طرح یہ وجود بھی دھوکا ہے اور کچھ ایسا عظیم الشان اور اس کے ساتھ

ہی غیر متعین ہے کہ ہم مغربی جن میں ہندو متکلمین کی نہ جرأت ہے اور نہ وہ بے باک متخیلہ جو صورت وحدہ کی پابندیوں سے برتر ہے اس کی تعریف ہی سے عاجز ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں یہ فوق القیاس بحث جو ہمارے مغربی دماغوں کو گھبرا دیتے ہیں۔ بدھ مذہب کے پیرووں میں کروڑوں اشخاص کے خواب وخیال میں بھی نہیں گزرے ہیں۔ وہ کروڑ ہا عام مخلوق جس نے سینکڑوں صدیوں کے اندر نیچے کے طبقے سے نکل کر اس مذہب کو قبول کیا اور جس کی غرض صرف یہ تھی کہ وہ بدھ پرستش گاہوں میں مغرور برہمنوں کے ساتھ کندھے لڑائیں اور ایک ہی جگہ بدھ کی مورت کے سامنے سجدہ میں جائیں۔ یا اس کی نشانیوں اس کے جام گدائی کی پرستش کریں۔ انھیں صرف بدھ مذہب کی رواداری اور مہربانی سے کام تھا اور وہ ہمیشہ اس روایت کو یاد کرتے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ شاکیامنی کے ایک ساتھی نے کسی نہایت کم ذات سے پانی مانگا۔ وہ بیچاری لرز گئی اور یہ خیال کر کے کہ اعلیٰ ذات والے کو مرنا قبول ہے لیکن کم ذات کے ہاتھ سے پانی پینا قبول نہیں کہنے لگی۔ سائیں جی آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ میں چنڈال ہوں۔ سائیں نے جواب دیا میں تجھ سے یہ نہیں پوچھتا کہ تو چنڈال ہے یا نہیں مجھے پیاس لگی ہے۔ اس لیے تجھ سے پانی مانگتا ہوں۔ اس واقعہ میں کسی قدر سادگی کیوں نہ ہو۔ بغور دیکھا جائے تو ایک ہندو کے لیے یہ گویا معجزہ تھا اور ذات کی مصیبتوں سے نجات کی خوش خبری تھی۔

اصل بدھ مذہب یہ تھا اگرچہ آگے چل کر اس کا فلسفہ بیہودہ خیالات سے بھر گیا اور اس کی پرستش میں برہمنی اعمال اور کریا کرم شدت سے شریک ہو گئے لیکن اس مذہب کی اصل نیکی اور خیر و برکت نے وہ انقلاب عظیم دنیا میں پیدا کر دیا جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں پائی جاتی۔"

(لی بان' تمدن ہند)

"کسی مذہب میں ایسے خالص اخلاق کی تعلیم نہیں ہے۔ کسی میں اس قدر شیریں کلامی ہے اور نہ بندگان خدا کے ساتھ رحم دلی ہے۔ شاکیامنی نے ان ذرائع کو معلوم کر لیا جن سے انسان اپنے دنیوی مصائب کو برداشت کر سکے اور ساری خلقت اس پر آ ٹوٹی۔ یہ بادشاہ کا بیٹا جس نے صرف خلق اللہ کی مصیبت اور دکھ بٹانے کے لیے گدائی اختیار کی۔ جس نے ان کو نیکی اور خیرات کی تعلیم دی۔ فی الواقع دنیا کو اپنا فریفتہ بنا لینے والوں میں ایک بہت بڑا شخص ہے۔

دنیا میں جہاں کہیں اس کا مذہب پھیلا ہے وہاں اس نے خلایق کے دلوں پر اپنی حکومت قائم کی ہے اور یہ حکومت صرف اس مذہب کے مشنریوں کے شیرینی اخلاق اور نیکی اور ایثار نفس سے حاصل ہوئی ہے۔" (لی بان' تمدن ہند)

انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے۔

"بدھ مت' ایک صدائے احتجاج تھی جو ہندوستان میں پھیلے ہوئے رسم و رواج کے خلاف بلند ہوئی اس نے ویدوں کو مسترد کر دیا۔ طبقاتی تقسیم کا انکار کر دیا۔ ویدوں میں مذکورہ سارے دیوتاؤں کی خدائی کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور اس سے نجات کا ایک آزاد طریقہ لوگوں کے سامنے پیش کیا۔"

گوتم نے سخت ریاضتیں کی تھیں۔ پنڈتوں کے پاس رہ کر طویل عرصہ ہندو فلسفہ اور برہمنی علوم سیکھنے میں گزارا تھا۔ اس کے فکر و نظر میں وسعت تھی۔ مراقبہ اور غور و فکر نے اس کی ذہنی صلاحیتوں کو باکمال بنا دیا تھا۔ افکار و نظریات کے بہت سے دریچے جن تک اس کا طائر تخیل پہنچا تھا دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ تھے۔ وہ بلا کا ذہین اور صاحب طرز خطیب تھا۔ اپنی بات انتہائی دلنشیں انداز میں دوسروں تک پہنچا سکتا تھا۔ درویشانہ زندگی گزارتا تھا۔ سادگی کی تعلیم دیتا تھا۔ بھیک مانگ کر گزارا کرتا تھا۔ عوام کی زبان کو ذریعہ اظہار بناتا تھا۔ سب کی سنتا تھا۔ سب سے کہتا تھا۔ انسانوں میں فرق پیدا کرنا اس کے دھرم سے خارج تھا۔ اس نے عالمی محبت کا نظریہ پیش کیا۔ خدمت خلق اور مصیبت زدوں کی امداد اس کا دستور عبادت تھا۔ وہ زندگی کے تمام مسائل پر بات کرتا تھا۔ گھریلو زندگی' کاروباری معاملات اور عام زندگی کے مسائل اس کے وعظ کا موضوع ہوا کرتے تھے۔ لوگوں کو ہر معاملے میں افراط و تفریط سے بچنے کی تاکید کرتا تھا۔ دوسروں کی دلآزاری سے خود بھی بچتا اور لوگوں کو بھی اس کی تعلیم دیتا۔ اس کا پہلا تبلیغی خطاب سارناتھ شہر میں ہوا تھا۔ وہ کم و بیش چالیس سال تک بستی بستی گھوم پھر کر اپنے نظریات کا پرچار کرتا رہا۔ بالآخر اس کی تبلیغی مساعی رنگ لائیں۔ عوام کی اکثریت نے اس کے نظریات کو قبول کر لیا۔ بہت سے حکمران بھی اس کے پیروکار بن گئے۔ ہسٹری آف ریلیجن کے مطابق ہندوستان کی آبادی کی اکثریت نے بدھ مذہب کو قبول کر لیا۔ چند سال قبل جہاں ہندومت اور

برہمنوں کی برتری کا طوطی بول رہا تھا۔ اب وہاں بدھ مت کے چرچے ہونے لگے۔ اس مذہب کی خوش قسمتی تھی کہ اسے اشوک' کنشک اور ہرش جیسے عالی ہمت مہاراجوں کی سرپرستی حاصل ہوگئی۔ انھوں نے اس مذہب کو پھیلانے کے لیے ہر ممکن طریقہ اختیار کیا۔ ہندوستان کے طول وعرض میں ایسی چٹانیں اور فولادی ستون پائے جاتے ہیں جن پر بدھ مت کے بنیادی اصول کندہ ہیں۔ جو شخص بھی ان چٹانوں یا ان فولادی لاٹوں کے پاس سے گزرتا وہ بدھ کی تعلیمات کا مطالعہ کرتا ان سے متاثر ہوتا اور اس کا مذہب قبول کر لیتا۔ اشوکا نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس نے مختلف ممالک میں تبلیغی وفد بھیجے۔ چنانچہ کشمیر' لنکا' ہمالیہ کے علاقوں' مغربی ہند' جنوبی ہند اور سماٹرا سمیت بہت سے علاقوں اور قریبی ملکوں میں بدھ مت کا پیغام عام ہوگیا۔

''حکومت رومی میں جس وقت قسطنطین نے مذہب عیسائی اختیار کیا۔ اسی وقت یہ مذہب تمام ملک کا مذہب بن گیا۔ اسی وجہ سے مورخین نے شاہنشاہ اشوک کو بدھ کا قسطنطین کہا ہے اور یہ نام اس کے لیے ہر طرح موزونیت رکھتا ہے۔ وہ بیش بہا دستاویزات جن کو اشوک نے کتبوں کی صورت میں جو ستونوں اور چٹانوں پر کندہ ہیں چھوڑا ہے۔ اس امر کو ثابت کرتے ہیں کہ اس نے کس مستعدی کے ساتھ اس نئے مذہب کی اشاعت کی۔ ان احکام کے دیکھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بدھ مذہب کی جس تعلیم نے عوام الناس کے دلوں پر اثر ڈالا اور شودر چنڈال و برہمن ہر ایک کے دل کو گرویدہ کر دیا وہ اس کا اخلاق اور محبت اور خیرات تھی۔''

(لی بان' تمدن)

پیر محمد کرم شاہ الازہری علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں۔

''اشوکا نے خود تخت شاہی پر بیٹھنے کے چھ سال بعد بدھ کی تعلیمات سے متاثر ہو کر بدھ مت کو قبول کیا۔ وہ اس سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے شاہی خزانوں کے منہ عوام کی فلاح و بہبود کے لیے کھول دیے۔ اس وجہ سے اس مذہب کو ہندوستان میں مزید مقبولیت حاصل ہوئی حتیٰ کہ کئی برہمنوں نے بھی بدھ مت کو بطور مذہب قبول کر لیا۔'' (ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

گوتم کی تعلیمات کے مطالعہ سے آشکار ہوتا ہے کہ اس کی تعلیمات مذہبی نوعیت کی نہ تھیں بلکہ معاشرتی اور اخلاقی نوعیت کی تھیں۔ اس نے دیوتاؤں کا انکار نہیں کیا مگر انھیں ماننے

پر زور بھی نہیں دیا۔ اگر کوئی شخص دیوتاؤں کا کلیۃً انکاری اور خالق کائنات تک کے وجود سے منکر ہوتا تو بھی وہ بدھ مت میں داخل ہو سکتا تھا اور گوتم کی تعلیمات سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ خدا کے وجود کے اقرار و انکار کے اعتبار سے گوتم کے افکار قریب قریب لاادری نوعیت کے تھے یعنی میں کچھ نہیں جانتا۔ وہ روح کے وجود کو نہیں مانتا تھا۔ نہ روحانی ترقی و ارتقاء کا اس نے کوئی پروگرام پیش کیا۔ وہ صرف مادے کو مانتا تھا۔ یوں اس کا نظریہ صرف مادی نظریہ تھا۔ روحانی حقائق کے لیے اس میں کوئی جگہ نہ تھی۔ وہ کہتا تھا کہ کسی شخص کی ذات کا کوئی وجود ہی نہیں۔ چند صفات اور خصوصیات کے مل جانے سے ایک ذات تشکیل پا جاتی ہے اور ان کے بکھر جانے سے وہ فنا ہو جاتی ہے۔ باوجود اس کے وہ تناسخ کا بھی قائل تھا حالانکہ اس نظریہ میں روح کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ روح کے مختلف قالبوں میں پھرتے رہنے کو تناسخ یا آواگون کا چکر کہتے ہیں۔ ہندوؤں کے نزدیک اس چکر میں انسان ہمیشہ مبتلا رہتا ہے مگر گوتم دعویٰ کرتا ہے کہ جو میری راہ پر چلے گا وہ ایک ہی جنم میں نروان حاصل کر کے آواگون کے چکر سے چھٹکارا پا جائے گا۔ اس کی تعلیمات کا یہ تضاد ایک ناقد کے ذہن کو اس جانب متوجہ کرتا ہے کہ اس کا نظریہ بنیادی طور پر برہمن مخالفت کے گرد گھومتا تھا۔ وہ کسی خاص مذہب کا بانی نہیں تھا اور نہ کوئی الہامی تعلیم لے کر دنیا میں آیا تھا۔

بدھ مت اور مسئلہ تناسخ کے بارے میں لی بان نے لکھا ہے۔

"یہ عالم جو کہ ہمیشہ رہے گا بدھ مذہب میں ایک نیستی مطلق مانا گیا ہے جو بالکل غیر متناہی ہے۔ بعض اوقات خواہش کی وجہ سے اس میں ایک شکل کا ایک شخص پیدا ہوتا ہے جس میں حس، علم اور ارادہ ہوتا ہے۔ یعنی وہ جینے لگتا ہے پھر تو زندگیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ نیستی مطلق جس نے شکل پکڑی ہے۔ اس وقت سے برے اور بھلے افعال پر قادر ہو جاتی ہے اور اپنی اصلی حالت سکون پر صرف نیک افعال کے ذریعہ سے عود کرتی ہے۔ کسی اعلیٰ درجہ میں یا کسی اور ادنیٰ درجہ میں پیدا ہونا یہ صرف کرم پر موقوف ہے جس سے مراد ان افعال و اقوال و خیالات کا مجموعہ ہے جو اس شخص سے کسی ایک زندگی میں سرزد ہوں۔ اس کرم کے لحاظ سے بالآخر وہ انسان کی صورت میں آتا اور اس کے بعد وہ راہب بنتا اور پھر بودھی ستو کے درجہ کو طے کرتا ہوا

بدھ کے درجہ کو پہنچ کر بالآخر اسی نیستی مطلق میں عود کرتا جس سے خواہش نے اسے نکالا تھا۔ جب تک وہ زندہ تھا۔ خواہش اس پر غالب تھی اور اس کو انواع واقسام کے دکھ درد میں مبتلا کیے ہوئے تھی۔ پس ہر ایک بدھست کا مآل زندگانی یہی ہے کہ وہ خواہش کو مارے تا کہ سنسار کے جنجال سے نجات پا کر سکون مطلق حاصل کرے۔ اس نتیجہ کو حاصل کرنے میں اسے نیکی سے مدد ملتی ہے یعنی نیک کام' نیک ارادہ' نیک گفتگو اور نیک خیالات سے' اس کی آخری نجات میں ان سب کا حصہ ہے اور کوئی ان میں سے بے اثر اور بیکار نہیں ہو جاتا۔ یہ کرم کا مسئلہ جس کی رو سے ہر شخص اپنی زندگی ماقبل کے اعمال کے مطابق دوسری زندگی میں جنم لیتا ہے خود برہمنی مذہب کا بھی جزو اعظم تھا۔ فرق اسی قدر ہے کہ مذہب بدھ کا اخلاق بہت اعلیٰ درجہ کا تھا۔ اس میں اندرونی زندگانی کے افعال کا بھی لحاظ کیا جاتا تھا اور انسان کی نیت دیکھی جاتی ہے۔ انجیل کی طرح بدھ مذہب میں بھی جو کوئی اپنی بنی نوع کو نقصان پہنچاتا۔ وہ بمنزلہ قاتل کے خیال کیا جاتا اور جو کوئی ممنوعات کی خواہش کرتا وہ عیاش سمجھا جاتا۔ علاوہ بریں اس مذہب میں توبہ سے گناہ دھلتا نہیں تھا۔ کسی قسم کے کفارہ سے خواہ بالارادہ ہو یا بلا ارادہ کسی فعل کے برے نتائج رک نہیں سکتے تھے اور سب سے بڑا فرق ان دونوں مذاہب میں یہ تھا کہ بدھ مذہب نے اعلیٰ درجہ کی خیرات اور فروتنی اور نیکی اور شیرینی اور عام رواداری کی تعلیم حاصل کی تھی جس کا وجود تک برہمنی مذہب میں نہیں تھا۔" (لی بان' تمدن ہند)

سابق میں گزر چکا ہے کہ جب آریا وارد ہند ہوئے تو مردوں کو دفناتے تھے۔ الہامی' مذاہب کے پیروکاروں جیسا عقیدہ آخرت رکھتے تھے۔ تناسخ یا آواگون کے قائل نہ تھے۔ مردوں کو آگ میں جلانا اور تناسخ کا قائل ہونا آریوں کی آمد سے قبل یہاں پر آباد ہندی اقوام کا شیوہ تھا۔ آریاؤں نے قدیم ہند کے باشندوں پر حکمرانی قائم کرنے اور یہاں اپنی جگہ بنانے کے لیے جو اقدامات کیے ان میں یہ بھی تھا کہ خود کو قدیم ہندیوں کے رنگ میں رنگنے کے لیے ان کے مذہبی شعار کو اپنا لیا۔ یعنی مردوں کو جلانے لگے اور تناسخ کے قائل ہو گئے۔ آہستہ آہستہ آریاؤں اور قدیم ہندیوں کے ملنے سے موجودہ ہندو مت تشکیل پایا جس میں برہمن کو روحانی قوتوں کا نمائندہ مان لیا گیا۔ یوں سماج میں مرکزی مقام برہمن کو حاصل ہو گیا۔ آریا

اگر چہ ہندی سماج میں اپنے لیے ایک اچھی جگہ بنانے میں کامیاب ہو گئے اور حکمران قوم بھی بن گئے مگر قدیم ہندی باشندے ان کے مقابلے میں عظیم اکثریت میں رہے۔لہٰذا قدیم ہندیوں کو اپنی غلامی میں جکڑے رکھنے کے لیے مردوں کو جلانا اور آواگون کو ماننا ضروری قرار پایا تاکہ قدیم ہندی یہ باور کیے رہیں کہ برہمن ازم اور ہمارا مذہب الگ الگ نہیں ہے۔سب لوگ ایک ہی مذہب کے پیروکار متصور ہوں اور برہمن کو دیوتاؤں کی اولاد اور روحانی قوتوں کا نمائندہ ہونے کی وجہ سے اپنا رہبر و پیشوا تسلیم کیے رہیں اور اس کے پڑھائے ہوئے سبق پر چلتے رہیں۔

برہمن کے طاقتور مذہبی کردار کو ختم کرنے کا ایک انتہائی آسان طریقہ یہ تھا کہ روح اور روحانی قوتوں کا سرے سے انکار کر دیا جائے۔ جب روحانی قوتوں اور روح ہی کو تسلیم نہ کیا جائے گا تو ان کا نمائندہ بھی خود بخود بے حیثیت ہو جائے گا۔گوتم نے یہی کیا اس نے روح کا انکار کر کے برہمن کے کردار کو غیر اہم بنا دیا۔مگر عوام خصوصاً قدیم ہندیوں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے آواگون کو مانتا رہا۔عوام میں اس کی مقبولیت بڑھتی چلی گئی۔ برہمن کا کردار ختم ہوتا گیا مگر گوتم کی تعلیمات کا یہ تضاد آنے والے ناقدین پر اس حقیقت کو منکشف کرنے کا وسیلہ بن گیا کہ گوتم کوئی الہامی تعلیم لے کر نہیں آیا تھا بلکہ اس کا نظریہ اس کے اپنے تشکیل دیے ہوئے فلسفے پر قائم تھا۔جس کی بنیاد برہمن مخالفت پر رکھی گئی تھی۔یہ مخالفت برہمن کھشتری مخاصمت کا شاخسانہ تھی یا سماج سدھار کی خواہش کا ثمرہ۔اس بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

البتہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ بدھا کی شخصیت ایک عہد ساز اور انقلابی شخصیت تھی۔اس نے ویدک دیوتاؤں کی اہمیت کو یکسر ختم کر دیا۔قربانی ممنوع ٹھہری۔ذات پات کی تقسیم منسوخ ہو گئی۔تمام انسان برابر تصور ہونے لگے۔ ہندی عوام کی اکثریت اس کے ساتھ ہو گئی۔اس کی مقبولیت نے برہمن کی بالادستی کو خاک میں ملا دیا۔

بدھا نے تعلیمات کی بنیاد چار باتوں پر رکھی جنھیں بدھ مت والے چار مقدس سچائیوں سے تعبیر کرتے ہیں۔

۱۔ زندگی مصائب و آلام سے بھری ہے۔

۲۔ مصائب خواہشات کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

۳- جس نے اپنی خواہش کو ختم کر دیا وہ مصائب سے آزاد ہو گیا۔

۴- خواہش سے نجات پانے کے لیے بدھا کی راہ پر چلنا ضروری ہے۔

بدھا نے جو راہ بتائی وہ تین مرحلوں پر مشتمل ہے۔

پہلا مرحلہ اچھائی کا ہے۔

اچھائی سے مراد اچھا عمل ہے یعنی کسی زندہ کی جان تلف نہ کی جائے۔ جھوٹ نہ بولا جائے چوری نہ کی جائے۔ جنسی بے راہ روی سے بچا جائے۔ نشہ سے مکمل طور پر پرہیز کیا جائے۔

دوسرا مرحلہ غور و فکر یا دھیان گیان کا ہے۔

اسے مراقبہ بھی کہتے ہیں اس میں کسی ایک چیز پر اپنی توجہ مرکوز کرنے کی مشق کی جاتی ہے اور آہستہ آہستہ ارتکاز توجہ یا یکسوئی کا اعلیٰ درجہ حاصل کیا جاتا ہے۔ ارتکاز توجہ کے بلند مقام پر پہنچ کر بندہ حکمت یا گیان کی منزل کو پا جاتا ہے اور اس پر وہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے جس کے بارے میں بدھا نے خبر دی۔ یہی نروان ہے۔ نروان تک پہنچنا یہ بدھ کی بتائی ہوئی راہ کا تیسرا مرحلہ ہے۔

تحریف اور فرقہ بندی

بدھا کی زندگی میں اس کی تعلیمات میں مذہبیت کا کوئی عنصر نہ تھا۔ اس کے مرنے کے بعد ایک صدی یا دو صدیوں کے اندر اندر بدھ مت کے پیروکاروں نے اپنی مخصوص مذہبی رسوم' راہبانہ علامات' مافوق الفطرت عناصر وضع کر لیے۔ رفتہ رفتہ ہندوستان میں بدھ مت' راہبوں اور راہبات کے طبقہ کا نام بن گیا۔ اس طبقہ میں ہر کس و ناکس کو شریک نہیں کر لیا جاتا تھا۔ بلکہ داخلہ کے امیدواروں کو پہلے طویل ریاضتیں کرنا پڑتیں۔ تربیت کی تکمیل کے بعد امیدوار اپنا سر منڈوا دیتا۔ زرد رنگ کا لباس پہنتا اور قسم کھا کر یہ وعدہ کرتا کہ وہ افلاس اور پاکیزگی کی زندگی بسر کرے گا۔ بدھ راہب موسم برسات کے تین ماہ اپنی اپنی خانقاہوں میں بسر کرتے باقی نو ماہ وہ شہروں' قصبوں اور دیہاتوں میں گھومتے رہتے۔ لوگوں سے بھیک مانگتے اور اس سے اپنا پیٹ بھرتے۔

بدھ مت بہت جلد فرقہ واریت کا شکار ہو گیا۔ ہر فرقے نے اپنی عبادت گاہیں اور خانقاہیں الگ بنالیں۔ ان کی عقیدت کا مرکز تو گوتم ہی رہا مگر تعلیمات میں بعد المشرقین پیدا ہو گیا۔ ان تمام فرقوں میں سب سے زیادہ مقبولیت دو فرقوں کو حاصل ہوئی۔ ایک کو ہنایانہ اور دوسرے کو مہایانہ کہتے ہیں۔

ہنایانہ فرقہ ہندومت سے کافی بُعد رکھتا ہے۔ یہ لوگ قدیم بدھوؤں کی طرح ریاضتیں کرتے اور مشقتیں اٹھاتے ہیں۔ ان کا نظریہ ہے کہ تین انسانی زندگیوں میں مسلسل محنت اور ریاضت کے ذریعے بندہ نروان کی منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ نروان حاصل کرنے کے بعد گوشہ نشینی اختیار نہیں کرنی چاہیے بلکہ بدھا کی طرح لوگوں میں رہ کر ان میں خیر کا فیض بانٹنا چاہیے۔ یہ لوگ اگرچہ گوتم کو ایک انسان ہی سمجھتے ہیں مگر ساتھ ہی ایک دیوتا کی طرح اس کی پوجا بھی کرتے ہیں۔ یہ لوگ گوتم کی عدم تشدد کی تعلیمات پر بھی قائم ہیں۔

دوسرا بڑا فرقہ مہایانہ ہے جو اپنی اصل چھوڑ کر مکمل طور پر ہندوانہ رنگ میں رنگ چکا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا میں اس فرقہ کے بارے میں یوں اظہار رائے کیا گیا ہے۔

''بدھ مت کو ہندومت کے رنگ میں رنگنے کا دوسرا نام 'مہایانہ' ہے۔ یہ فرقہ بدھا کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ سب سے اعلیٰ ہے۔ اس کی قوت' دانشمندی کی کوئی حد نہیں۔ یوں تو بدھا نروان بہت جلدی حاصل کر سکتا تھا لیکن انسانی مصائب سے شفقت اور ہمدردی کے اظہار کے لیے اس نے اس مقام پر پہنچنے میں دانستہ تاخیر کی۔ جین مت سے متعلق بھی یہ بات واضح ہے کہ انھوں نے رامائنا کو اپنا لیا اور اسے اپنا مقدس مذہبی صحیفہ مان لیا ان باتوں سے یہ شہادت ملتی ہے کہ ان نئے اٹھنے والے مذہبوں نے اس رغبت کا اظہار کیا کہ وہ خود کو ہندوؤں کے عقائد میں مدغم کرنے کے لیے بے تاب ہیں۔''

بدھ مت کو ہند میں کس قدر عروج ملا اس کا پتہ جن دستاویزات سے چلتا ہے۔ ان میں سے ایک مشہور دستاویز چینی سیاح ھیون سانگ کا سفرنامہ ہے۔ اس نے تقریباً پندرہ برس ہندوستان میں گزارے اور اپنے سفرنامے میں یہاں کا آنکھوں دیکھا حال لکھا۔ وہ راجہ ہرش (۶۰۶ تا ۶۴۷ء) کے زمانہ میں ہندوستان میں آیا۔ وہ خود بھی بدھ مت کا پیروکار تھا۔ مولانا عبدالمجید

سالک اس کے سفرنامے کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''اس وقت ہندوستانیوں کی اکثریت بدھ مت کو اختیار کر چکی تھی۔ کابل' بدخشاں' بلخ میں بدھ مت اور بدھوں کی حکومت تھی۔ پنجاب' سندھ' گجرات' مالوا' متھرا' تھانیسر' قنوج' بنارس' پٹنہ' بنگال' کامروپ' اڑیسہ' کالنگہ (مدراس) انھرا' مہاکوشل (سی پی) مہاراشٹر کوکن' مدورا (ٹراون کور) غرض جہاں کہیں ھیون سانگ گیا اس کو بدھوں کی حکومت اور بدھ مت کا چرچا ہی نظر آیا۔'' (مسلم ثقافت ہندوستان میں)

مگر بدھ مت کا عروج زیادہ دیرپا ثابت نہ ہوا۔ برہمن جو گوتم کے عروج کے ساتھ ہی دب گیا تھا۔ اس نے دوبارہ سر اٹھا لیا۔ بدھ مت والے یہ سمجھے ہوئے تھے کہ برہمن کا قدیم مذہبی کردار ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکا ہے مگر ہوا یہ تھا کہ برہمن نے بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا تھا۔ پہلے وہ مذہبی پیشوائی کے ذریعے معاشرے میں معزز ترین اور اہم ترین مقام کا مالک تھا اور قربانی کی عبادات اس کے معاشی تحفظ کی ضامن تھی۔ مگر بدھ مت کے عروج نے اس کی مذہبی حکمرانی کو خاک میں ملا دیا۔ جانوروں کی قربانی ممنوع ٹھہری۔ گوشت خوری کے بجائے سبزی خوری کو فروغ ملا۔ چنانچہ برہمن معاشی اعتبار سے بھی تباہ ہو گیا۔

بدھ مت کے عروج کے دوران لوگ غیر ویدک دیوتاؤں کی پوجا کرنے لگے۔ انھیں فروغ حاصل ہو گیا۔ برہمن نے حالات کا رخ بھانپتے ہوئے' ان چھوٹے دیوی دیوتاؤں کی خود بھی پوجا شروع کر دی۔ نیز انھیں سنسکرت کے ناموں سے موسوم کر کے اپنے مندروں میں سجا لیا۔ چھوٹے طبقات کے لوگ جو ہندوستان بھر میں اکثریت میں تھے۔ ان کے لیے یہ ایک قابل فخر امر تھا۔ لوگ پوجا پاٹ کے لیے برہمنوں کے بتکدوں میں آنے لگے۔ یوں برہمن کا مذہبی پیشوائی کا پندار کسی حد تک قائم رہا۔ معاشی حالات کو سنبھالا دینے کے لیے برہمن نے لوگوں کو اپنے علوم اور سنسکرت زبان سکھانی شروع کر دی جبکہ پہلے کوئی ان علوم کو سیکھ نہیں سکتا تھا۔ لوگوں نے یہ اقدام بھی پسند کیا۔ عام لوگوں نے شوق سے ان علوم اور سنسکرت زبان کو سیکھنا شروع کر دیا۔ یوں برہمن کا معاشی مسئلہ بھی حل ہو گیا اور وہ پڑھے لکھے لوگوں کا استاد بھی بن گیا۔ اس طرح خواص اور عوام دونوں میں برہمن کا عزت و وقار قائم رہا۔ جونہی اس نے دیکھا کہ طاقتور بدھ حکمران دنیا سے کوچ کر گئے ہیں۔ تو اس نے اپنی مکارانہ سازشوں کے

ذریعے بڑی سلطنتوں کو دوبارہ چھوٹی چھوٹی راجدھانیوں میں منقسم کر دیا۔ پھر سے چھوٹے چھوٹے راجوں، مہاراجوں کا دور آ گیا۔ حکمرانی کھشتری کرنے لگے اور مذہبی پیشوائی برہمن۔ ذات پات کی تقسیم دوبارہ نافذ کر دی گئی۔ جانوروں کی قربانی کا سلسلہ پھر سے شروع ہو گیا۔ بدھ مت کی حکمرانی ختم ہو گئی۔ عوام کو مطمئن رکھنے اور بدھ مت کو ہمیشہ کے لیے ہندو دھرم کے اندر مدغم کرنے کے لیے برہمنوں نے بدھا کو برہما کا نانواں اوتار قرار دے دیا۔ لوگوں میں اس عقیدے کو خوب پذیرائی حاصل ہوئی۔ یوں بدھا اور بدھ مت ہمیشہ کے لیے ہندو دھرم کا حصہ بن گئے۔ بدھ پیشواؤں نے جب یہ حالات دیکھے تو بستر بوریا لپیٹ کر دوسرے ممالک جہاں تک بدھ مت پہنچ چکا تھا۔ وہاں جا ڈیرے لگائے۔ برہمن جیت گیا اور بدھ دھرم ہمیشہ کے لیے ہندوستان بدر ہو گیا۔ یہ تبدیلی اتنی غیر متوقع تھی کہ مورخین آج بھی اس پر حیران و پریشان ہیں۔ چنانچہ اس حوالے سے مولانا عبدالمجید سالک لکھتے ہیں۔

''ہندوستان کا یہ مذہبی نقشہ (یعنی بدھ مت کا عروج) ہرش کے زمانہ میں تھا یعنی محمد بن قاسم کے سندھ پر حملہ سے صرف اسّی نوے برس پہلے یہ کیفیت تھی۔ ہرش کے آنکھ بند کرتے ہی خدا جانے کیا انقلاب آیا کہ یکدم ملک کے تمام حصوں میں راجپوتوں کی سلطنتیں قائم ہو گئیں اور بدھ مت اور جین مت کی خاک اڑ گئی۔'' (مسلم ثقافت ہندوستان میں)

☆☆☆

باب سوم

اسلام کے ظہور اور دعوت و تبلیغ

ظہورِ اسلام کے وقت ہندوستان کے حالات کیسے تھے۔ اس کا مفصل بیان پہلے ہو چکا ہے۔ یہاں ہم اسلام کے عقائد و عبادات اور قوانین و اخلاق کو بیان کریں گے تاکہ قارئین کا ذہن ہندومت تھا اور اس وقت کے ہندوستان کے حالات سے اس کا تقابل کر کے اس حقیقت تک پہنچ سکے کہ جب اسلام کی تعلیمات عرب تاجروں، عرب میں آباد ہندی اقوام اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی تبلیغی مساعی اور جہادی حملوں کے ذریعہ اس خطہ ارض تک پہنچیں تو لوگ جوق در جوق نہ صرف ان سے متاثر ہوئے بلکہ انہیں قبول کر کے ہمیشہ کے لیے اس کے دامنِ رحمت میں آ گئے۔

توحید

توحید اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ قابلِ پرستش اور عبادات کے لائق فقط ایک ذات ہے۔ وہی معبود برحق ہے۔ اس کا نام اللہ ہے، اس کے بہت سے صفاتی نام بھی ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ۔ (بنی اسرائیل:۲۳)

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ۔ (غافر:۶۲)

ترجمہ: وہ اللہ ہے تمھارا رب ہر چیز کا پیدا کرنے والا۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ (انبیاء:۲۲)

ترجمہ: اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا اور خدا بھی ہوتے تو زمین و آسمان برباد ہوجاتے۔

وَلَا تَجْعَلُوْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهاً اٰخَرَ۔ (ذاریات:۵۱)

ترجمہ: اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود مت بناؤ۔

قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰىٓ اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ (النبیاء:۱۰۸)

ترجمہ: کہہ دیجیے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ تمھارا معبود وہی ایک معبود ہے۔

فَاعْلَمْ اَنَّهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ (محمد:۱۹)

ترجمہ: پس جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ج لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ۔ (بقرہ:۱۶۳)

ترجمہ: اور تمھارا معبود وہی ایک معبود ہے۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ رحمٰن ہے رحیم ہے۔

توحید کے عقیدہ کے برعکس کئی خداؤں کو ماننا شرک کہلاتا ہے۔شرک ایک لایعنی اور غیر فطری عقیدہ ہے۔شرکیہ عقیدہ انسانیت کی تذلیل کا باعث ہے۔شرک کی وجہ سے انسان مختلف مخلوقات اور مظاہر فطرت کو معبود ماننے کے گورکھ دھندے میں پھنس جاتا ہے۔اسلام نے شرک کی مذمت کی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (ابراہیم:۱۰)

ترجمہ: کیا تمھیں شک ہے اللہ میں جو بنانے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ (نساء:۴۸)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نہیں معاف فرمائے گا اس کو کہ شرک کیا جائے اس کے ساتھ اور معاف فرمادے گا اس کے علاوہ سارے گناہ جس کے لیے چاہے۔

اِنَّہٗ مَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدۡ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ الۡجَنَّۃَ وَمَاۡوٰىہُ النَّارُ ط وَمَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ۔ (مائدہ:۷۲)

ترجمہ: بلاشبہ کہ جو شرک کرے اللہ کے ساتھ تو یقیناً حرام کر دی اللہ نے اس جنت اور ٹھکانہ ہے اس کا آگ اور نہیں ہے ظالموں کا کوئی مددگار۔

مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ یَّسۡتَغۡفِرُوۡا لِلۡمُشۡرِکِیۡنَ وَلَوۡ کَانُوۡۤا اُولِیۡ قُرۡبٰی۔ (توبہ:۱۱۳)

ترجمہ: نہیں ہے شان نبی کی اور ایمان والوں کی کہ کریں استغفار مشرکوں کے لیے اگرچہ وہ ان کے قرابت دار ہی ہوں۔

اِنَّمَا الۡمُشۡرِکُوۡنَ نَجَسٌ۔ (توبہ:۲۸)

ترجمہ: بے شک مشرک ناپاک ہیں۔

ہندو دھرم توحید سے نابلد تھا۔ وہ کئی خداؤں کی پوجا کی تعلیم دیتا تھا۔ اگر اس کی تعلیمات میں کہیں پوشیدہ ذکر توحید کا ملتا بھی تھا تو وہ اتنا پیچیدہ اور الجھا ہوا تھا کہ عام انسان کی نگاہ سے اوجھل رہتا تھا بلکہ بہت سے خواص بھی اس کے ادراک سے خالی تھے۔ ان کے ہاں معبودوں کی تعداد متعین نہ تھی۔ ان کے معبودان باطل کا شمار کروڑوں تک پہنچا ہوا تھا۔ ہندو ذہن شرک پرستی سے اس قدر آلودہ تھا کہ وہ ہر وقت ہر چیز کو خدا بنانے کے لیے تیار رہتا تھا۔ شرکیہ عقائد نے ہندوؤں کو اس مقام رذالت تک پہنچا دیا تھا جہاں اسے بہت سی ادنیٰ مخلوقات انسان سے اعلیٰ نظر آتی تھیں۔ مذہب اور عبادات کے تصورات اتنے گھٹیا ہو گئے تھے کہ جنسی اعضاء کو بھی قابل پرستش قرار دے دیا گیا تھا اور باقاعدہ طور پر مرد و عورت ایک دوسرے کے جنسی اعضاء کی پوجا کرتے تھے۔

علاقہ بدلنے سے ان کا خدا بھی بدل جاتا تھا بلکہ ہر گاؤں کا الگ دیوتا ہوتا تھا جس کی پوجا اس گاؤں کے لوگ کرتے تھے۔ اسلام کا عقیدہ توحید جہاں صرف اور صرف ایک خدا کی عبادت کا حکم دیتا ہے وہاں تمام انسانوں کو ایک خدا کا بندہ ہونے کی وجہ سے آپس میں بھائی

بھائی بن کر پیار و محبت سے رہنے کی تعلیم بھی دیتا ہے۔ مگر ہندوؤں کے کثیر دیوتاؤں نے انہیں کبھی ایک دوسرے کے قریب نہ آنے دیا تھا۔ کثرت پرستی نے ہندوؤں کو ایک دوسرے کا دشمن بنا رکھا تھا۔ ذات پات کا نظام بھی اسی کثرت پرستی کے شاخسانے کے طور پر وجود میں آیا تھا۔ بہت سے معبودوں کے ماننے سے اگر ایک طرف ہندوستان میں جوگی، جینا اور بدھ بھی نظر آتے تھے جو ایک چیونٹی کو مارنا بھی گناہ کبیرہ سمجھتے تھے تو دوسری طرف شیوی مسلک کے پجاری تھے جن کی سب سے بڑی عبادت قتل و غارت گری اور خونریزی تھی۔

رسالت

اسلام کے بنیادی عقائد میں ایک رسالت کا عقیدہ ہے۔ رسالت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے انسانوں ہی میں سے کچھ کو اپنی نمائندگی اور نیابت کا منصب عطا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہ نمائندے نبی اور رسول کہلاتے ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا کلام وحی کی صورت میں نازل ہوتا ہے۔ نبیوں اور رسولوں کو اللہ تعالیٰ کے احکامات وحی کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں جنہیں وہ عام لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ نبی اور رسول اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں۔ نبی اور رسول انسان اور بشر ہی ہوتے ہیں مگر عام انسان اور بشر کسی نبی اور رسول جیسے نہیں ہوسکتے۔ نبیوں کو اللہ تعالیٰ نے بزرگی عطا کی ہوتی ہے ان پر اللہ تعالیٰ وحی نازل فرماتا ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کا خاص قرب حاصل ہوتا ہے جو کسی دوسرے یعنی غیر نبی کو حاصل نہیں ہوسکتا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ (نساء:۱۳۶)

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان والے ہو، ایمان لاؤ، اللہ پر اور اس کے رسول پر۔

قُلْ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ (اعراف:۱۵۸)

ترجمہ: فرمائیے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بن کے آیا ہوں۔

وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ

(سباء:۲۸)

ترجمہ: اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر تمام انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (کہف:۱۱۰)

ترجمہ: کہئے کہ بے شک میں وصف بشریت میں تمھاری طرح ہوں، وحی کی گئی ہے میری طرف، بے شک تمھارا معبود، وہ معبود واحد ہے۔

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ۔ (فاطر:۲۴)

ترجمہ: ہر امت میں گزرا ہے ڈر سنانے والا (یعنی ھادی مرسل)

ہندوؤں میں رسالت کا کوئی تصور نہ تھا بلکہ جب وہ کسی انسان کو برگزیدہ سمجھتے تھے تو اسے الوہیت کے مقام پر فائز کر کے اپنا معبود اور دیوتا بنا لیتے تھے اور اس کی پوجا شروع کر دیتے تھے۔ ان کے مذہبی رہنما برہمن تھے جن کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ وہ دیوتاؤں کی اولاد ہیں، ان پر دیوتاؤں کا کلام القاء ہوتا ہے جس کی روشنی میں وہ ہندو دھرم کے سارے تار و پود بنتے ہیں۔ چنانچہ ہندو دھرا کی چھوٹی بڑی ساری گمراہیاں اسی برہمن کے ہاتھوں کی ساختہ تھیں۔ عقیدہ رسالت سے نابلد ہونا ہندوؤں کی گمراہیوں کا دوسرا بڑا سبب تھا۔

آخرت

اسلام کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ زندگی صرف یہی دنیوی زندگی نہیں، مرنے کے بعد انسان ختم نہیں ہو جاتا بلکہ موت کے بعد ایک نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ جسے اخروی زندگی کہتے ہیں۔ اس میں انسان کو کیے ہوئے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ اس کے اعمال کے مطابق اسے جزا یا سزا ملے گی۔ مرنے کے بعد قبر کی زندگی ہے۔ اسے برزخی زندگی کہا جاتا ہے۔ اس میں حساب کتاب کے مختصر اور ابتدائی مدارج سے گزر کر انسان جنتی یا جہنمی قرار پائے گا۔ برزخی زندگی جاری رہے گی یہاں تک کہ قیامت بپا ہوگی۔ صور اسرافیل پھونکا جائے گا۔ ساری دنیا اور زمین و آسمان کی وسیع کائنات تباہ و برباد ہو جائے گی۔ دوسری دفعہ صور اسرافیل پھونکا جائے گا تو اللہ کے حکم سے سب کچھ آ موجود ہوگا۔ میدان حشر لگے گا، اولین و آخرین تمام

انسان وہاں جمع کیے جائیں گے۔ لوگ اپنے جسموں کے ساتھ دوبارہ زندہ کر کے لائے جائیں گے۔ اسے بعث بعد الموت کا عقیدہ بھی کہتے ہیں یعنی مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنا' پھر میدان حشر میں اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال کے مطابق فیصلہ فرمائے گا۔ نیک و بد اعمال کو میزان پر تولا جائے گا۔ نیکیوں کا پلڑا بھاری ہونے پر اللہ تعالیٰ خوش ہوگا اور اپنی رحمت سے نواز کر جنت میں بھیج دے گا۔ برائیوں کا پلڑا بھاری ہونے پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا' ایسے بندے پر غضب فرمائے گا اور اسے جہنم میں ڈالے گا۔ کافروں کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم ہوگی۔ نیک مومن شروع ہی سے جنت کے مستحق ہوں گے جبکہ برے کام کرنے والے مسلمان جن سے گناہ سرزد ہوں گے اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے بخش دے گا جبکہ بہت سے نبیوں اور نیک بندوں کی شفاعت سے بخشے جائیں گے۔ بہت سے نیک مومن ایسے بھی ہوں گے جو بلا حساب اللہ کے فضل سے جنت میں چلے جائیں گے۔ قیامت کا دن ہمارے حساب سے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ۔ (دخان:۳۸)

ترجمہ: اور ہم نے نہیں بنایا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل کے طور پر (یعنی عبث اور بے مقصد نہیں بنایا)

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى (قیمۃ:۳۶)

ترجمہ: کیا انسان گمان کرتا ہے کہ اسے یونہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا۔ (یعنی اپنے اعمال کا بدلہ نہ پائے گا)

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ۔ (مومنون:۱۱۵)

ترجمہ: کیا تم نے گمان کیا کہ ہم نے تمھیں فضول پیدا کیا ہے اور یہ کہ تمھیں ہماری طرف سے واپس لوٹنا نہیں ہوگا۔

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ۔ (ص:۲۸)

ترجمہ: کیا ہم بنا دیں گے ان کو جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے۔ زمین میں فساد کرنے والوں کی طرح کیا ہم پرہیز گاروں اور بدکاروں سے ایک سا سلوک کریں گے۔ (ہرگز نہیں)

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ کَالْمُجْرِمِیْنَ۔ (سورہ قلم)

ترجمہ: کیا ہم ماننے والوں کو مجرموں (نہ ماننے والوں) کے برابر کر دیں گے؟ (ہرگز نہیں)۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّئَاتِ اَنْ نَجْعَلَهُمْ کَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَایَحْکُمُوْنَ۔ (جاثیہ:۲۱)

ترجمہ: کیا یہ سمجھ رکھا ہے ان لوگوں نے جنھوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا کہ ان کے ساتھ ایمان والوں اور نیکیوں جیسا سلوک کریں گے کہ ان کی زندگی اور موت باہم برابر ہے۔ بہت برا ہے جو انھوں نے سمجھا۔

بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَاقَالَ الْاَوَّلُوْنَ قَالُوْآ ءَاِذَا مِتْنَا وَکُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ۔ (مومنون:۸۱'۸۳)

ترجمہ: بلکہ کہا انھوں نے مثل اسی کے جو کہا تھا پہلوں نے۔ کہا انھوں نے کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہو جائیں گے مٹی اور ہڈیاں تو کیا ہم پھر اٹھائیں جائیں گے۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْآ ءَاِذَا کُنَّا تُرَابًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ۔ (نمل:۶۷)

اور کہا ان لوگوں نے جنھوں نے کفر کیا کہ کیا جب ہم اور ہمارے آباؤ اجداد مٹی ہو جائیں گے تو پھر کیا ہم (قبروں سے) نکالے جائیں گے۔

اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰی وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔

(یٰسین:۸۱'۸۲)

ترجمہ: اور کیا وہ جس نے بنایا آسمانوں کو اور زمین کو نہیں ہے قادر اس بات پر کہ پھر بنائے ان جیسے؟ بلاشبہ وہ اس پر قادر ہے اور وہ ہے بہت زیادہ بنانے والا اور علم والا۔ اس کی شان یہ ہے کہ جب کسی شئی کے بنانے کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ وَھُوَ اَھْوَنُ عَلَیْهِ ط وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ (روم:۲۷)

ترجمہ: اور وہی ہے جو بناتا ہے مخلوق کو پہلی بار پھر بنائے گا اسے دوسری بار اور یہ اس کے لیے بڑا آسان ہے اور اس کی شان آسمانوں اور زمین میں سب سے زیادہ بلند ہے اور وہ غالب ہے حکمت والا ہے۔

عقیدہ آخرت انسان کو فوری مادی منفعت کی بجائے اخروی انعامات کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ وہ انسان کو سکھلاتا ہے کہ اس کا مقصود دنیا نہیں آخرت ہے۔ اس عقیدے سے انسان میں حرص و ہوا اور بغض و عداوت کی بجائے ایثار و قربانی اور محبت و اخوت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ آخرت اور رضائے الٰہی کے حصول کے لیے وہ نقد جان تک پیش کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ بڑی سے بڑی تکلیف اور سخت سے سخت مشکل اس کے راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ آخرت کا عقیدہ اسے ایک نئے جذبہ عمل سے مزین کرتا ہے جس سے باطل مذاہب کے پیروکار یکسر محروم ہوتے ہیں۔ یہ عقیدہ خدا پر ایمان اور اس کی محبت کی بنیاد پر پیدا ہوتا ہے جس سے اقدار حیات کو پاکیزگی ملتی ہے۔ یہ انسان کو حیات دوام کا پیغام دیتا ہے۔ اس کو ابدی زندگی کی نوید سناتا ہے۔ اسے احساس تحفظ عطا کرتا ہے۔ وہ اب ہر عمل کی جزا کا دنیا میں طالب نہیں ہوتا بلکہ کسی بھی عمل پر جزا اور انعام کے لیے آخرت پر امید لگاتا ہے۔ وہ اس ڈر سے بے نیاز ہو جاتا ہے کہ وہ موت کے ساتھ ختم ہو جائے گا۔ اس طرح عقیدہ آخرت سے افراد کی ایک ایسی جماعت جنم لیتی ہے بلکہ ایک ایسی قوم دنیا میں ابھرتی ہے جو موت سے اتنی ہی محبت کرتی ہے جس قدر باطل پرست زندگی سے محبت کرتے ہیں۔ اس عقیدے سے انسان کو یہ یقین حاصل ہوتا ہے کہ کارزار حیات میں اس کی سعی و کاوش اگر بے ثمر بھی رہ جائے تو آخرت میں اسے صلہ ضرور ملے گا۔

ہندومت عقیدہ آخرت کے اعتبار سے بانجھ تھا اس کے پاس آخرت، معاد، برزخی زندگی، مر کر جی اٹھنے، حساب دینے اور جزا و سزا پانے کے کوئی واضح تصورات نہیں تھے۔ اسلام نے ایک واضح تصور دیا تھا کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ مر کر ختم نہیں ہو جاؤ گے بلکہ اپنے اعمال

کی جزا یا سزا کے لیے دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے۔ ہندومت اس سلسلے میں الجھے ہوئے تصورات پیش کرتا تھا۔ فرد کو آواگون کے چکر میں ڈال کر مایوسی وقنوطیت کا شکار بنا دیتا تھا۔ وہ اپنے ماننے والوں کو نہ راہ عمل دیتا تھا اور نہ انہیں جذبہ عمل سے آراستہ کرتا تھا کیونکہ ان کے ہاں خدا اور معبود حقیقی کا کوئی واضح تصور نہیں تھا۔ دیوتا تھے، جو مر بھی جاتے تھے کمزور بھی ہو جاتے تھے۔ ان کی اہمیت گھٹ یا بڑھ بھی جاتی تھی۔ وہ دوسرے دیوتاؤں اور حالات کے سامنے بے بس بھی ہو جاتے تھے۔ ایسے دیوتا جو خود جیتے مرتے رہتے تھے اور بے بس ہو جاتے تھے۔ کسی انسان کو کیسے دوبارہ زندہ کر سکتے تھے۔ ہندومت نے نروان کے نام سے ایک ایسی آخری منزل سے اپنے لوگوں کو روشناس کرایا تھا جس تک پہنچنا کسی عام آدمی کے بس کا روگ نہیں تھا۔ جن لوگوں کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ نروان حاصل کر چکے ہیں۔ وہ زیادہ تر خیالی اور تصوراتی ہستیاں تھیں جن کا حقیقی وجود کبھی نہیں پایا گیا تھا یا پھر وہ ان کے گزرے ہوئے مشہور حکمران یا سپہ سالار یا مذہبی مصلح اور استاد تھے۔ جن کو عوام میں بہت زیادہ پذیرائی حاصل تھی۔ برہمنوں نے ان کی شہرت اور عوامی مقبولیت کو دیکھ کر آہستہ آہستہ ان کے لیے مافوق الفطرت باتوں کے اثبات کو شہرت دی اور انہیں نروان کا حامل قرار دیا۔ بعد میں انہیں نروان کے رتبے سے ترقی دے کر دیوتاؤں کا اوتار اور پھر دیوتا اور معبود بنا دیا۔ یوں ہندوؤں کا نروان اور آواگون کا عقیدہ اور دیگر معاد سے متعلق الجھے ہوئے تصورات ایک گورکھ دھندا بن کے رہ گئے۔ عوام کے لیے ان میں کوئی کشش اور امید نہ تھی۔

کتب

اسلام کا ایک بنیادی عقیدہ کتب الٰہیہ پر ایمان لانا ہے۔ یہ وہ کتابیں ہیں جو کلام الٰہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں ور رسولوں کی طرف وحی کیا۔ رسولوں نے ان کتابوں کو لوگوں تک پہنچایا۔ یہ کتابیں ہدایت کا سرچشمہ ہیں۔ تمام تر دینی احکام ان میں موجود ہیں۔ نبیوں اور رسولوں کے اہم فرائض میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ان کتابوں کو اپنی امتوں پر پڑھیں۔ اپنی اپنی امت کو ان کے احکام سکھائیں۔ ان کی تشریح وتوضیح کریں، نبی کے دنیا سے

اٹھا لئے جانے کے بعد اس پر نازل شدہ کتاب امت میں موجود رہتی اور ان کی رہنمائی کرتی۔ اللہ تعالیٰ جب تک چاہتا ان کتب کو دنیا میں اصل حالت پر قائم رکھتا۔ بعد میں لوگ اپنی بدبختی کے باعث ان میں تحریف اور تبدیلی کر دیتے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء معبوث کرتا جو لوگوں کو پرانی کتابوں سے ان کی اصل تعلیمات کے ساتھ روشناس کرواتے یا اللہ تعالیٰ ان پر نئی کتب نازل فرماتا۔ آخری کتاب قرآن مجید ہے جو ہدایت کا سرچشمہ، روحانی و جسمانی امراض کی شفا اور اور انسانیت کے نام اللہ رب العزت کا آخری پیغام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا۔ اس کتاب کے دوسرے امتیازات کے ساتھ ایک بڑا امتیاز یہ ہے کہ اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے۔ چنانچہ اس میں قیامت تک کوئی تبدیلی اور تحریف نہیں ہوسکتی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالْكِتَابِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَالْكِتَابِ الَّذِیْ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ۔ (نساء۔۱۳۶)

ترجمہ: اور (ایمان لاؤ) اس کتاب پر جو نازل کی اس نے اپنے رسول (حضرت محمد ﷺ) پر اور اس کتاب پر جو اس نے اتاری پہلے۔

الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَارَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ۔ (البقرہ:۱،۲)

ترجمہ: ال م۔ وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں، ہدایت ہے ڈر والوں کو۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ (بنی اسرائیل:۹)

ترجمہ: بے شک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے۔

یَهْدِیْ اِلَی الرُّشْدِ۔ (الجن:۲)

ترجمہ: (یہ کتاب) ہدایت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

هُدًی وَّبُشْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ)۔ (نمل:۲)

ترجمہ: (یہ قرآن) ہدایت ہے اور خوشخبری ہے ایمان والوں کے لیے۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَاهُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَاراً۔ (بنی اسرائیل:۸۲)

ترجمہ: اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ۔ (الحجر:۹)

ترجمہ: بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

قرآنِ پاک دین اسلام کا ماخذ ہے۔ شریعت مطہرۃ کا سرچشمہ اور تمام زمانوں کے لیے سامان ہدایت۔ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تشریح و تفسیر ہے۔ قرآن پاک غیر متبدل ہے۔ اس کے الفاظ، اس کی تعلیمات اور اس کی زبان کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ لوگوں کی تفہیم اور آسانی کے لیے اس کے تراجم کیے گئے ہیں مگر اس کے متن کو چھوڑ کر فقط اس کے ترجمہ کو مروج نہیں کیا جا سکتا۔

ہندو دھرم کسی بھی ایسی بنیادی کتاب سے خالی ہے جسے اس کا مآخذ قرار دیا جا سکے۔ مختلف ادوار میں مختلف کتابیں اس کا مآخذ رہی ہیں مثلاً ویدان کے ہاں قدیم ترین مقدس کتب ہیں مگر آج کا ہندومت ویدوں کی بنا پر تشکیل نہیں پایا۔ موجودہ ہندومت کے بنیادی تشکیلی عناصر غیر ویدی ہیں۔ حتیٰ کہ ہندو منادر میں آج جن بڑے بڑے دیوتاؤں کی پوجا ہو رہی ہے وہ بھی غیر ویدی ہیں۔ اس صورتِ حال میں ہندوازم کی بیچارگی بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اسلام جیسے ٹھوس بنیادوں اور مستحکم تعلیمات پر مبنی دین کے سامنے ہندو دھرم ایک تہی دامن مذہب ہے۔ اس کی بناوٹی، ہر لحظہ متبدل اور بے بنیاد تعلیمات اسلام کی فطری، قائم و دائم اور مستحکم تعلیمات کے مقابلے میں بے حیثیت ہیں۔

ملائکہ

ملائکہ یعنی فرشتے اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی مخلوق ہیں جنہیں اس نے نور سے تخلیق کیا ہے۔ یہ ایک غیبی مخلوق ہیں۔ نظام کائنات کے چلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں مختلف فرائض سونپے ہیں۔ یہ اس کے حکم کے پابند ہیں۔ ان میں نر، مادہ نہیں ہوتے اور نہ ہی ان میں اولاد کا سلسلہ ہوتا ہے۔

اسلام سے پہلے فرشتوں کے متعلق بہت سے غلط اعتقادات مشہور تھے۔ کافر اقوام میں سے بہت سی ایسی تھیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اسلام نے اس غلط عقیدے کی نفی کی۔ بعض لوگ انہیں کائنات میں مؤثر حقیقی مانتے تھے حالانکہ ایسا کہنا شرک ہے۔ مؤثر حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے جبکہ فرشتے جو کچھ کرتے ہیں اس کے اذن سے کرتے ہیں۔

اسلام نے ان کے بارے میں بڑے واضح انداز میں تعلیم دی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی مخلوق ہیں۔ ہر وقت اس کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ وہ جو حکم دیتا ہے اسے فوراً بجالاتے ہیں اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔ اس سے ہمیشہ ڈرتے ہیں۔ زمین والوں خاص طور پر نیک مومنوں کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں اور بدکاروں پر لعنت بھیجتے ہیں۔ یہی انسانوں پر اللہ تعالیٰ کے اذن سے برکت یا عذاب نازل کرتے ہیں۔ موت کے وقت روح بھی فرشتے قبض کرتے ہیں، رزق کی تقسیم، بارش کا برسنا، نفع ونقصان وغیرہ انسانی وکائناتی امور انہی کے ہاتھوں انجام پذیر ہوتے ہیں۔ مگر یہ کچھ بھی خود سے اور اپنی طاقت سے نہیں کرتے بلکہ جو کچھ بھی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی عطا کی ہوئی طاقت سے کرتے ہیں۔

ہندوؤں کے ہاں فرشتوں کا کوئی تصور نہ تھا۔ گمان یہ ہے کہ ان کے بہت سے دیوتا جن کی وہ پوجا کرتے تھے۔ وہ ملائکہ کے بارے میں ان کے بگڑے ہوئے عقیدت کا شاخسانہ تھے۔ آہستہ آہستہ ان کے مذہبی پیشواؤں نے فرشتوں کے ذکر ہی کو ختم کر دیا اور صرف دیوتاؤں کا تذکرہ باقی رہ گیا۔

ہندو مظاہر کائنات کی پرستش کرتے تھے اور ان کے لیے مختلف دیوتا مانتے تھے۔ جب اسلام کی یہ تعلیم ان کے سامنے آئی کہ دینے والا فقط خدا ہے۔ البتہ وہ انتظام اپنی ایک مخلوق ملائکہ کے ذریعے کرتا ہے تو ان کے لیے اصل حقیقت آشکار ہوگئی اور دیوی دیوتاؤں کے گورکھ دھندے سے نجات پانے ہی میں انہیں نے اپنی عافیت سمجھی۔

تقدیر

اسلام نے قدر یعنی تقدیر کا عقیدہ عطا کیا ہے۔ عقیدہ تقدیر سے مراد ہرگز یہ نہیں کہ انسان مجبور محض ہے بلکہ اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ کوشش بندے کے بس میں ہے اور نتیجہ

رب کے پاس ہے۔ چنانچہ بندے کو کبھی کوشش ترک نہیں کرنا چاہیے بلکہ اپنی زندگی کے تمام معاملات میں بھرپور اور عمدہ ترین کدوکاوش کرنے کے بعد نتیجہ رب پر چھوڑ دینا چاہئے۔ کبھی یہ نہ کہنا چاہیے کہ میں یہ کروں گا بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ میں انشاء اللہ یہ کروں گا۔ یعنی کوشش پوری کروں گا۔ آگے اللہ نے چاہا تو کام ہو جائے گا ورنہ نہیں ہوگا جب کوئی کام ہو جاتا ہے خواہ انسان کے حق میں ہو یا اس کے خلاف تو اسلام کہتا ہے کہ یہ ہو گیا ہے۔ اس نے اسی طرح ہونا تھا کیونکہ تقدیر یہی تھی اب اس پر بیٹھ رہنے کی بجائے جو نہیں ہوا اس کے لیے کوشش کرو۔

اسلام کا عقیدہ تقدیر انسان کو مایوسی اور قنوطیت سے بچاتا ہے اور اسے ہمہ وقت کارزار حیات میں سرگرم رکھتا ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ ہر وقت اپنا حصہ اور نصیبہ تلاش کرتے رہو اور کبھی اس سے رکو مت۔ تمھاری کوشش تمھیں اپنے حصے تک پہنچاتی رہے گی۔

وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ۔ (بقرہ:۱۸۷)

ترجمہ: اور تلاش کرو اس کو جو لکھ دیا ہے اللہ نے تمھارے لیے۔

ہندومت ایسے کسی عقیدے سے یکسر خالی ہے جو ناکام ہونے والے آدمی کو دوبارہ عمل کے قابل بنائے جبکہ ایک مسلمان ناکام ہونے کے بعد بجائے مایوس ہونے کے اسے اپنے حق میں تقدیر کا فیصلہ سمجھ کر قبول کرتا ہے اور اگلی کامیابیوں کے لیے سرگرم عمل ہو جاتا ہے۔

عبادات

اسلام کا نظام عبادت سادہ اور اچھوتا ہے اس میں تنوع اور استحکام ہے۔ انسانی فطرت کے مطابق ہے۔ یہ طبیعت میں اکتاہٹ اور تھکاوٹ پیدا نہیں کرتا۔ ایمان لانے کے بعد دن کے مختلف متعینہ اوقات میں پانچ نمازوں کی ادائیگی ہر آدمی کے ذمہ فرض ہے۔ صاحب نصاب پر سال میں ایک دفعہ زکوٰۃ' سال میں ایک ماہ کے روزے اور صاحب مال پر عمر بھر میں ایک دفعہ حج فرض ہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

بنی الاسلام علی خمس شهادة ان لا اله الا الله و ان محمداً عبده ورسوله واقام الصلوٰة و ایتاء الزکوٰة والحج و صوم رمضان (متفق علیہ)

ترجمہ: ''اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر ہے۔ اس بات کی شہادت کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور نماز کا قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔''

عبادات کے سلسلے میں بھی ہندو الجھاؤ کا شکار تھے۔ کوئی اہم عبادت سوائے اس کے نہ تھی کہ مندر جایا جائے۔ برہمن کو نذرانہ پیش کیا جائے اور پتھر کی مورتی کے سامنے سجدہ کر کے واپس آ جایا جائے۔ دیوتاؤں کے نام کی جاپ خواہ وہ کسی بھی حالت میں اور کہیں بھی کی گئی ہو ان کے لیے بہت بڑی عبادت تھی۔

اخلاق

اسلام اخلاق پر بہت زیادہ زور دیتا ہے اور ایک مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ اچھے اخلاق اپنائے اور برے اخلاق سے پرہیز کرے۔

قرآن پاک حسن خلق کا داعی ہے۔ نبی پاک ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔ (القلم:۴)

ترجمہ: اور بے شک آپ خلق عظیم کے رتبے پر فائز ہیں۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے۔

''مجھے حُسنِ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔'' (موطا)

''مسلمانوں میں سب سے زیادہ کامل ایمان والا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔'' (ترمذی)

''اللہ کے بندوں میں سے اللہ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔'' (طبرانی)

''لوگوں کو جو سب سے اچھی چیز دی گئی ہے وہ اچھا اخلاق ہے۔'' (نسائی۔ ابن ماجہ)

اسلام میں اچھے اخلاق دین کا تقاضا ہیں جس کے اخلاق اچھے نہ ہوں وہ خواہ کتنی ہی عبادت کیوں نہ کرے اسے اسلام میں اچھا قرار نہیں دیا جا سکتا۔ انسان کی زندگی کا نصب

العین اسلام کے نزدیک اخلاقی کمال کا حصول ہے۔ اخلاق حسنہ اپنانے اور اخلاق سیئہ سے بچنے کے لیے اسلام نے اتنی کامل' جامع اور معتدل تعلیم عطا کی ہے کہ جب انسان مسلمانی کے تقاضے کے پیش نظر اور رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اس پر عمل پیرا ہوتا ہے تو وہ اہل زمین کے لیے انسان کی شکل میں رحمت کا فرشتہ بن جاتا ہے۔ فلسفہ اخلاق کی کامیابی' اسلام کی حقانیت کی ایک معجزانہ دلیل ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر کسی انسانی سہارے کے اعلیٰ اخلاق کی ایسی کامل تعلیم عطا کی جس تک قوموں کے بڑے بڑے معلم اور فلسفہ اخلاق کے بڑے بڑے رہبر نہ پہنچ سکے۔ ایک ایسی قوم کو جو تہذیب و شائستگی سے ناآشنا' اخلاق و مروت سے عاری اور سلیقہ و شعور سے بیگانہ تھی۔ اپنی تعلیم و تربیت سے صیقل کر کے اخلاق عالیہ کی ایسی جلا بخشی۔ جس کے جلووں سے آج بھی دنیا ششدر و حیران ہے۔

اسلام نے نیکی کا ایسا تصور دیا ہے جس کے تحت مذہب اور اخلاق میں دوئی باقی نہیں رہتی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لَيۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَلٰكِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ الۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَالۡمَلٰٓئِكَةِ وَالۡكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الۡمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنَ وَ ابۡنَ السَّبِيۡلِ وَالسَّآئِلِيۡنَ وَفِى الرِّقَابِ ج وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَ الۡمُوۡفُوۡنَ بِعَهۡدِهِمۡ اِذَا عٰهَدُوۡا وَالصّٰبِرِيۡنَ فِى الۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيۡنَ الۡبَاۡسِ ط وَاُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ۔	نیکی یہ نہیں کہ تم پھیر لو اپنے چہرے مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف بلکہ نیکی یہ ہے کہ (انسان) ایمان لائے اللہ پر اور یوم آخر پر اور فرشتوں پر اور کتب پر اور نبیوں پر اور دے مال اللہ کی محبت میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافر کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں اور قائم کرے نماز اور ادا کرے زکوٰۃ اور پورا کرنے والے ہوں وہ اپنے عہد کو جبکہ عہد کرلیں اور صبر کرنے والے ہوں' وہ مصائب میں اور مشکلات میں اور جنگ کے وقت اور یہی لوگ سچے ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں۔ (بقرہ: ۱۷۷)

یہاں عقائد و عبادات کے ساتھ حُسنِ معاملت اور صبر کو بھی نیکی میں شامل کیا گیا ہے جو کہ اعلیٰ اخلاق سے ہیں بلکہ اخلاق عالیہ کی بنیاد ہیں۔

اسلام کے برعکس ہندوؤں میں اعلیٰ اخلاق کا کوئی تصور نہ تھا ان کے ہاں مذہب اور اخلاق جدا جدا تھے۔ مذہبی ہونے کے لیے بااخلاق ہونا ضروری نہ تھا۔ ایک شخص بہت بڑا مذہبی اور عبادت گزار ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑا جھوٹا' فریبی' مکار' دغاباز اور بدکار بھی ہو سکتا تھا۔ اس کے اخلاق رذیلہ اس کے اعلیٰ مذہبی مقام کو متاثر نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے ہاں پراسشر کا واقعہ بہت مشہور ہے بلکہ ان کی مذہبی کتابوں میں ایک بڑے حوالے کے طور پر درج ہے۔ جس کے مطابق پراسشر نے باوجود اس کے کہ وہ بہت بڑا زاہد و عابد تھا۔ ایک ملاح کی بیٹی کے ساتھ زنا کیا جس سے بیاس پیدا ہوا۔ بیاس بھی ان کا ایک قدآور مذہبی آدمی تھا۔ اس ولدالزنا بیاس کے واقعہ میں ہے کہ اس نے راجہ شنتن کی رضامندی بلکہ اس کے کہنے پر اس کی رانیوں سے زنا کیا جن سے راجہ کے بچے ہوئے ان میں سے ایک پانڈو تھا جو ہندوؤں کا مشہور راجہ ہوا ہے۔

غرضیکہ ہندو اعلیٰ اخلاق سے عاری تھے ان کے ہاں اخلاق رذیلہ کا ارتکاب بڑی جرات سے کیا جاتا تھا بلکہ ان کے ہاں فحش کاری' بدکاری اور اس جیسے اور گھناؤنے کام' عبادت اور مذہب کا حصہ سمجھ کر کیے جاتے تھے۔

شرفِ انسانیت

اسلام نے انسان کو شرافت و عظمت کا پیکر قرار دیا ہے۔ اسلام کے مطابق انسان اللہ تعالیٰ کا نائب اور خلیفہ ہے اور تمام مخلوقات پر فوقیت اور فضیلت رکھتا ہے اس کے لیے ساری کائنات کو مسخر کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات پر اس کی حکمرانی کو قائم کیا ہے تمام مظاہر فطرت اور جمیع مخلوقات اس کی خدمت گزاری کے لیے بنائی گئی ہیں۔ اسے چاہیے کہ وہ اپنی خداداد صلاحیتوں اور قوتوں سے کام لے کر کائنات کی تمام مخلوقات اور مظاہر سے خدمت کام لے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ۔ (تین:۴)

ترجمہ بے شک ہم نے آدمی کو احسن تقویم پر بنایا۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً (بقرہ:۳۰)

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب تمھارے رب نے فرشتوں سے فرمایا: میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ (بنی اسرائیل:۷۰)

ترجمہ: اور تحقیق ہم نے بنی آدم کو فضیلت عطا کی ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ O۔ (جاثیہ:۱۳)

ترجمہ: (اور اللہ تعالیٰ نے) مسخر کر دیا ہے تمھارے لیے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سارے کا سارا۔

اسلام کے اس انسانی عظمت و فضیلت کے نظریہ کا ہندوؤں کے ہاں کوئی نام و نشان نہ تھا بلکہ ان کے نظریات و عقائد ایسے تھے کہ ہندو دھرم نے اپنے پیروکاروں کے لیے حیات انسانی کو سب سے بڑی مصیبت اور دکھ بنا دیا تھا۔ ان کے نزدیک دنیا کی زندگی سب سے بڑا دکھ تھا جبکہ اس زندگی سے نجات پا جانا سب سے بڑا سکھ تھا اسی لیے وہ لوگوں کو اجرت دے کر خود کو قتل کرواتے تھے۔

جبکہ اسلام نے لوگوں کو یہ امید افزا نظریہ عطا کیا تھا کہ یہ دنیا اگلی زندگی کے لیے زادِ راہ اور کھیتی ہے یہاں انسان بونے کے لیے آیا ہے آگے جا کر کاٹے گا۔ لہٰذا اسے بونے کے عمل سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھنا چاہیے۔

حدیث پاک میں آیا ہے۔

الدنیا مزرعۃ الاخرۃ۔

ترجمہ: دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

ایک موقع پر کسی کے سوال کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے

اچھا وہ آدمی ہے جس نے لمبی عمر پائی اور نیک کام کیے۔

ہندوؤں کے پاس وقنوطیت پر مبنی نظریہ نے انہیں ذلت و پستی کی عمیق گہرائیوں میں گرا دیا تھا۔ حتیٰ کہ وہ ان چیزوں کے پجاری بن گئے تھے جو ان کی خدمت کے لیے بنی تھیں۔ سورج' چاند' ستارے' دریا' پانی' پہاڑ' ہوا اور آگ سب ان کے لیے قابل پرستش تھے۔

سودخوری کی ممانعت

اسلام ہمیشہ سے سودخوری کے خلاف رہا ہے۔ اس کے نزدیک یہ سخت شنیع اور حرام فعل ہے۔ اسے اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرنے سے بھی زیادہ برا اور گھناؤنا کام قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبٰوا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ (آل عمران:۱۴۰)

ترجمہ: اے ایمان والو! نہ کھاؤ سود دوگنا چوگنا' اور ڈرو اللہ سے تاکہ فلاح پاؤ۔

اَلَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبٰوا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَ أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔ (البقرہ:۲۷۵)

ترجمہ: ''وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں نہیں کھڑے ہوں گے (قیامت کے دن) مگر اس طرح جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جسے مخبوط الحواس بنا دیا ہو شیطن نے چھوکر۔ یہ سزا اس بنا پر ہے کہ انھوں نے کہا کہ تجارت بھی سود کی مانند ہے حالانکہ اللہ نے حلال کیا ہے تجارت کو اور حرام کیا ہے سود کو۔''

سود ہندوؤں کے ہاں نہ صرف جائز تھا بلکہ سود کی نحوست نے ہند کے بے شمار لوگوں کو نسل درنسل اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔ یوں تو دنیا بھر میں سود کے ہاتھوں نسل انسانی ذلیل و رسوا ہو رہی تھی مگر ہندوؤں کے ہاں اس کی بلائیں دیگر اقوام کی نسبت کہیں زیادہ تھیں۔ ان حالات میں اسلام کا ظہور ہوا اور اس نے انتہائی زوردار طریقے سے نہ صرف سود کی ممانعت کی

بلکہ اپنے معاشرے سے اسے یکسر ختم کر دیا اس کے مثبت اثرات دنیا کی بہت سی دوسری اقوام پر بھی پڑے جن میں ہندو بھی شامل تھے۔

مساوات

اسلام کا ایک بلند پایہ اصول مساوات انسانی ہے۔ انسان ہونے کے ناطے اس کے نزدیک تمام انسان برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر کوئی شرف و فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے۔ حدیث پاک میں آیا ہے۔

یعنی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے۔

يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقَاكُمْ۔ (حجرات:۱۳)

ترجمہ: ''اے لوگو! ہم نے تمہیں پیدا کیا ایک نر اور مادہ سے اور ہم نے بنایا تمہیں مختلف گروہ اور قبیلے تاکہ تم پہچانے جاؤ۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔''

ہندوؤں میں مساوات کا کوئی تصور نہ تھا ان کے ہاں ذات پات کا قبیح ترین نظام پایا جاتا تھا۔ برہمن، کھشتری، ویش اور شودر۔ یہ چار ذاتیں تھیں چھوٹی ذات کا آدمی خواہ کتنا ہی نیک اور پرہیزگار کیوں نہ ہو بڑی ذات کے کسی فرد کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ ہمیشہ کمتر اور ذلیل ہی سمجھا جانا اس کے مقدر میں تھا۔ جبکہ بڑی ذات کا کوئی فرد خواہ کتنا ہی برا کیوں نہ ہو وہ بڑا اور معزز ہی سمجھا جاتا تھا۔

غرضیکہ انسانی مساوات، والدین کے ساتھ حسن سلوک، اہل و عیال سے نیک برتاؤ، بیوگان، یتیموں، رشتہ داروں، محتاجوں، پڑوسیوں، مسافروں، مہمانوں، بیماروں، عام لوگوں حتیٰ کہ جانوروں تک کی خبرگیری اور انسانیت کی فلاح اسلام کی تعلیم و تربیت کے اہم اجزا ہیں۔ سچائی، امانت، دیانت، سخاوت، ایثار، توکل، شرم و حیا، رحم، انصاف، عہد کی پاسداری، عفو و درگزر، نرمی،

عاجزی‘ اعتدال‘ استقامت‘ بہادری‘ حق پرستی اور صلح جوئی وہ صفات حسنہ ہیں جن سے اسلام نے اپنے پیروکاروں کو آراستہ کیا۔

اسلام نے ہر قسم کے اخلاق ذمیمہ‘ صفات شنیعہ اور انسانیت کش کاموں سے منع کیا چنانچہ جھوٹ‘ بہتان‘ غداری‘ خیانت‘ ناپ تول میں کمی‘ چغلی‘ غیبت‘ ایک دوسرے کی جاسوسی‘ بدگمانی‘ حسد‘ بغض‘ کینہ‘ غرور‘ غصہ‘ حرص‘ دکھاوا‘ قتل‘ جھگڑا‘ تمسخر‘ فتنہ وفساد‘ خود پسندی‘ بخل‘ فضول خرچی‘ چوری‘ حرام کمائی‘ سود‘ شراب‘ جوا‘ بتوں کے چڑھاوے‘ بھیک مانگنے کا پیشہ‘ زنا‘ فحاشی‘ عریانی‘ رشوت‘ احسان جتلانا اور ان جیسے دوسرے بُرے کام اسلام کے ہاں سخت ممنوع اور حرام ہیں۔

دعوت وتبلیغ اسلام

اسلام اپنے ماننے والوں کو کس قدر پاکیزہ زندگی عطا کرتا ہے اور اخلاق کے کیسے بلند مقام پر پہنچاتا ہے۔ باطل ادیان خاص طور پر ہندومت جیسے دھرم میں اس کا کوئی تصور نہ تھا۔ ہندومت کے ماننے والوں کی اکثریت انتہائی ذلت اور مصیبت کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ ایسے میں اسلام کی تعلیمات ان کے لیے ابر رحمت کی برسات ثابت ہوئیں۔

اسلام نے نہ صرف اعلیٰ تعلیمات اور اخلاق واحکام پر مشتمل کامل ضابطہ حیات عطا فرمایا بلکہ دعوت وتبلیغ اسلام کا کام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر زوردار اور اثر آفرین طریقے سے کیا کہ بے شمار مشکلات‘ مصائب وآلام اور کٹھن حالات کے باوجود مختصر سے عرصہ میں اسلام کا پیغام چہار دانگ عالم میں پھیل گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے عہد مبارک میں تبلیغ اسلام کے کام کو اسی زوردار اور اثر انگیز طریقے سے جاری رکھا چنانچہ دنیا کے دوسرے بڑے بڑے ممالک کی طرح ہند بھی تعلیمات اسلام سے منور وشاد کام ہوا۔ بعد والی صدیوں میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے اس تبلیغی کام کو ان کے پیروکاروں خصوصاً صوفیاء کرام نے اسی زور وشور سے جاری رکھا۔ نتیجتاً کفرستان ہند وہ خطہ بن گیا جہاں اسلام کے ماننے والوں کی تعداد دنیا کے کسی بھی دوسرے خطے سے کہیں زیادہ ہے

یہاں ہم دعوت و تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مساعی جمیلہ کا مختصراً ذکر کریں گے تاکہ یہ حقیقت خوب آشکار ہو جائے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ﷺ کے نزدیک لوگوں کو دین اسلام کی دعوت دینا ہر چیز سے زیادہ محبوب تھا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں وہ اپنی جان اور مال تک کی پرواہ نہ کرتے تھے' ان کے دل میں سب سے زیادہ تڑپ اور خواہش اس بات کی تھی کہ تمام لوگ ہدایت پا جائیں اور اللہ کے دین میں داخل ہو جائیں۔

تبلیغ دین وہ مقدس فریضہ ہے جسے انجام دینے کے لیے رب ذوالجلال نے انبیاء کرام اور مرسلین عظام کو دنیا میں بھیجا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد فرمایا گیا:

يَآيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ط وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ۔ (المائدۃ ۶۷)

ترجمہ: "اے رسول! جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے' اسے (لوگوں تک) پہنچا دیجیے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اس کا پیغام نہ پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو راہ نہیں دیتا۔"

اسی فریضہ تبلیغ کی انجام دہی کے لیے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَاَنْذِرْ ○ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ○۔ (المدثر: ۱، ۲، ۳)

ترجمہ: "اے بالاپوش اوڑھنے والے' کھڑے ہو جاؤ پھر ڈر سناؤ اور اپنے رب ہی کی بڑائی بولو۔"

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی دعوت لوگوں کے سامنے ان الفاظ میں پیش کرنے کا حکم دیا گیا:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا نِ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ص فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔ (الاعراف ۱۵۸)

ترجمہ: "آپ فرما دیں اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ وہ اللہ جس کی آسمانوں اور زمین میں حکومت ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر جو نبی اُمی ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور

اس کے کلمات پر اور پیروی کرو ان کی تا کہ تم راہ پاؤ۔''

دین کی تبلیغ کے لیے جو جامع اوصاف اللہ رب العزت نے آپ کو عطا فرمائے تھے انہیں قرآنِ پاک میں یوں ذکر فرمایا گیا ہے۔:

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ○ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ○ (الاحزاب:۴۴،۴۵،۴۶)

ترجمہ:''اے نبی! ہم نے آپ کو بھیجا گواہ بنا کر اور خوشخبری دینے والا اور ڈرسنانے والا اور اللہ کی طرف بلانے والا اس کے حکم سے اور چمکانے والا چراغ۔''

ایک اور مقام پر آپ کے ان اوصاف وصفات کو ذکر کرکے ان کی غرض وغایت بھی انتہائی واضح انداز میں بیان فرمائی گئی ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ○ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا۔ (الفتح:۸،۹)

ترجمہ:''ہم نے آپ کو بھیجا گواہی دینے والا اور خوشخبری دینے والا اور ڈرسنانے والا بنا کر۔ تا کہ تم لوگ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کی (رسول کی) تعظیم کرو اور اس کی (رسول کی) توقیر کرو اور اس کی پاکی بیان کرو صبح اور شام۔''

اللہ رب العزت نے آپ کو رسالت ونبوت اور تبلیغ دین کے کام میں کامیابی سے ہمکنار ہونے کی خوشخبری قرآن پاک میں بڑے واضح انداز میں بیان فرمائی ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔ (التوبۃ:۳۳)

ترجمہ:''اسی نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق دے کر تا کہ اسے ہر دین پر غالب کر دے اگرچہ مشرکوں کو یہ برا لگے۔''

جس طرح دینِ حق ہر باطل دین پر غالب ہونے والا ہے اسی طرح اہلِ حق کے لیے یہ نوید سنائی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ باطل کے پیروکاروں پر غالب ہوں گے۔

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ (آل عمران:۱۳۹)

ترجمہ: ''اور اگر تم ایمان والے ہو تو تم ہی غالب ہو گے۔''

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد بیان کرتے ہیں کہ میری اور اس دین کی مثال جسے دے کر اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے' اس آدمی کی طرح ہے جو اپنی قوم کے پاس آیا اور کہا ''اے میری قوم! میں نے اپنی آنکھوں سے (دشمن) فوج کو (تمھاری طرف آتے) دیکھا ہے۔ میں تم کو بغیر کسی غرض کے آگاہ کر رہا ہوں پس (بھاگنے میں) جلدی کرو' جلدی کرو۔'' تو اس کی قوم میں سے کچھ لوگوں نے اس کی بات مان لی اور شام پڑتے ہی چل دیے اور آرام سے چلتے رہے اور بچ گئے اور اس قوم میں سے کچھ لوگوں نے اسے جھوٹا سمجھا اور اسی جگہ ٹھہرے رہے تو دشمن کی فوج نے صبح صبح ان پر حملہ کر کے انہیں ہلاک کر دیا اور ان کو ختم کر دیا۔ یہ مثال ہے ان لوگوں کی جنھوں نے میری بات مانی اور جو دینِ حق میں لایا ہوں' اس پر عمل کیا اور ان لوگوں کی جنھوں نے میری بات نہ مانی اور جو دینِ حق میں لایا ہوں' اس کو جھٹلایا۔'' (بخاری و مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ کچھ فرشتے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے' اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے تھے۔ فرشتوں نے (باہم) کہا: تمھارے ان بزرگ کے لیے ایک مثال ہے' اس مثال کو بیان کرو۔'' بعض فرشتے کہنے لگے ''یہ سو رہے ہیں'' اور بعض نے کہا ''ان کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل جاگتا رہتا ہے'' پس فرشتوں نے کہا کہ ''ان کی مثال اس آدمی کی طرح ہے کہ جس نے ایک گھر بنایا اور اس گھر میں کھانے کی دعوت کا اہتمام کیا اور بلانے والے کو بھیجا چنانچہ جس نے اس بلانے والے کی بات مانی' وہ گھر میں داخل ہو گیا اور اس دعوت میں سے کھایا اور جس نے اس بلانے والے کی بات نہ مانی' نہ وہ گھر میں داخل ہوا اور نہ اس دعوت میں سے کھایا'' پھر فرشتے کہنے لگے ''ان کے سامنے اس مثال کا مطلب بیان کرو۔'' اس پر بعض فرشتوں نے کہا ''یہ سو رہے ہیں'' اور بعض نے کہا ''ان کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل جاگتا رہتا ہے۔'' تب فرشتوں نے یہ مطلب بیان کیا کہ ''وہ گھر جنت ہے اور بلانے والے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ پس جس نے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی' اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی

اور جس نے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی' اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے لوگ دو طرح کے ہو گئے۔ پس جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات مانی' اس نے اللہ تعالیٰ کی بات مانی اور وہ جنت میں جائے گا اور جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نہ مانی' اس نے اللہ تعالیٰ کی نہ مانی اور وہ جنت میں نہیں جائے گا۔" (بخاری)

دعوت و تبلیغ دین کی خاطر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اضطراب اور تڑپ

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو کفر و شرک' فسق و فجور اور نفاق و گمراہی میں مبتلا دیکھ کر بہت زیادہ کڑھتے تھے۔ ہر وقت اسی فکر میں رہتے تھے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہو جائیں' فسق و فجور کی راہ چھوڑ دیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہمیشہ یہ تڑپ رہتی کہ تمام لوگ ہدایت پا جائیں' اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سائے میں آ جائیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اضطراب اور بے قراری اس سلسلہ میں اس قدر زیادہ تھی کہ خود خالقِ کائنات نے اس تڑپ اور بے قراری کا ذکر قرآنِ پاک میں انتہائی خوبصورت انداز میں فرمایا:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا○

(الکھف:٦)

ترجمہ: "شاید آپ تو ان لوگوں کے پیچھے رنج و غم میں اپنے آپ کو ہلاک ہی کر ڈالیں گے اگر یہ لوگ اس کلامِ پاک پر ایمان نہ لائیں۔"

اسی طرح لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا:

فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّ سَعِيْدٌ○ (ھود:١٥٥)

ترجمہ: "پس ان میں (لوگوں میں) بد بخت بھی ہیں اور نیک بخت بھی۔"

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد اور اس جیسی دیگر قرآنی آیات کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کی بہت زیادہ خواہش تھی کہ تمام لوگ ایمان لے آئیں اور آپ سے ہدایت پر بیعت کر لیں۔ آپ کا

یہ اضطراب دیکھ کر اللہ عزوجل نے آپ کو یہ بتایا کہ صرف وہی لوگ ایمان لائیں گے جن کے لیے لوحِ محفوظ پر پہلے ہی (ایمان لانے کی) سعادت لکھی جا چکی ہے اور صرف وہی لوگ گمراہ ہوں گے جن کے لیے لوحِ محفوظ میں پہلے سے یہ بدبختی لکھی جا چکی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد فرمایا:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ○ (الشعراء:۳،۴)

ترجمہ: ''شاید تو ہلاک کر دے اپنی جان اس بات پر کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔ اگر ہم چاہیں تو نازل کریں ان پر آسمان سے ایک نشانی پھر رہ جائیں ان کی گردنیں اس کے آگے جھکی۔''

ایک دوسرے مقام پر حق تعالیٰ نے آپ کی اس تڑپ کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا:

لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ○ (غاشیہ:۲۲)

ترجمہ: ''آپ ان پر نگران نہیں ہیں (کوئی پھرے یا انکار کرے آپ سے باز پرس نہ ہوگی۔)''

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داری قرآنِ پاک میں یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کو پورا پورا لوگوں تک پہنچا دیں۔ آپ کا اسی پر اکتفا کرنا کافی تھا مگر آپ لوگوں کے ایمان لے آنے کی اتنی فکر کرتے اور اس خاطر خود کو اس قدر مشقت میں ڈالتے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی صفاتِ محمودہ کے بیان میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے حریص علیکم کے الفاظ بھی ارشاد فرمائے یعنی یہ پیغمبر تمھارے ایمان لانے پر بڑے حریص ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ (التوبۃ:۱۲۸)

ترجمہ: ''تحقیق تمھارے پاس ایک رسول تشریف لائے ہیں جو تم میں سے ہیں جو تکلیف تمھیں پہنچے وہ ان پر بڑی بھاری گزرتی ہے، وہ تم پر بڑے حریص ہیں، ایمان والوں پر بڑے مہربان

اور رحم والے ہیں۔''

چنانچہ آپ کے لوگوں کے ایمان لے آنے کی فکر میں مضطرب رہنے' خود کو اس کام کی وجہ سے مشقت میں ڈالے رکھنے اور اس مقصد کے لیے بے انتہا تکالیف برداشت کرنے کے واقعات سے سیرتِ طیبہ کی کتب بھری پڑی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ابو طالب بیمار ہوئے تو قریش کا ایک وفد ان کے پاس آیا جس میں ابو جہل بھی تھا' انھوں نے کہا: ''آپ کا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے اور اس اس طرح کرتا ہے اور یوں یوں کہتا ہے۔ پس آپ ان کے پاس کوئی آدمی بھیج کر ان کو بلالیں اور ایسا کرنے سے انہیں روک دیں۔'' انھوں نے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک آدمی بھیجا۔ آپ تشریف لے آئے اور گھر میں داخل ہوئے اس وقت ابو طالب کے پاس ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: ''ابو جہل لعنۃ اللہ علیہ کو یہ ڈر پیدا ہوا کہ اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ابو طالب کے پہلو میں بیٹھ گئے تو (قریب ہونے کی وجہ سے) ابو طالب کے دل میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے نرمی پیدا ہو جائے گی۔ چنانچہ وہ چھلانگ لگا کر خود اس جگہ بیٹھ گیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے چچا کے پاس بیٹھنے کے لیے جگہ نہ ملی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دروازے کے قریب بیٹھ گئے۔ ابو طالب نے آپ ﷺ سے کہا ''اے بھتیجے! کیا بات ہے کہ تمھاری قوم کے لوگ تمھاری شکایت کر رہے ہیں؟ وہ کہہ رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے معبودوں کو برا کہتے اور اس اس طرح کی باتیں کرتے ہیں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس پر وہ سب لوگ بولنے لگ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بات چیت شروع فرمائی اور فرمایا: ''اے چچا! میری یہ خواہش ہے کہ یہ لوگ صرف ایک کلمہ پڑھ لیں تو تمام اہلِ عرب ان کے تابع اور فرمانبردار ہو جائیں گے اور سب اہلِ عجم ان کو جزیہ دینے لگ جائیں گے۔'' آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ بات سن کر وہ لوگ چوکنے ہو گئے اور کہنے لگے ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد کی قسم (اس کے لیے) ایک کلمہ تو کیا ہم دس کلموں کے ماننے کو تیار ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بتائیں وہ کلمہ کیا ہے؟'' ابو طالب نے بھی کہا ''اے میرے بھتیجے! وہ کلمہ کیا ہے؟' آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''لا الہ الا اللہ'' یہ سن کر وہ لوگ پریشان ہو کر اپنے کپڑے جھاڑتے کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے ''اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود رہنے دیا۔'' یہ بہت عجیب اور انوکھی بات ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: ''اس موقع پر **اجعل الالهة الها واحدا. ان هذا لشيء عجاب** سے لے کر **بل لما يذوقوا عذاب** تک آیات نازل ہوئیں۔'' (احمد' نسائی' ترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اللہ کی خاطر جتنی تکلیف مجھے پہنچائی گئی اتنی کسی کو نہیں پہنچائی گئی اور جتنا مجھے اللہ کی وجہ سے ڈرایا گیا' اتنا کسی کو نہیں ڈرایا گیا اور مجھ پر تیس دن اور تیس راتیں مسلسل ایسی گزری ہیں کہ میرے اور بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کسی جاندار کے کھانے کے قابل صرف اتنی چیز ہوتی جو بلال کی بغل کے نیچے آ جائے (یعنی بڑی کم مقدار میں ہوتی تھی)۔'' (احمد' ترمذی' ابن ماجہ)

حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قریش ابو طالب کے پاس آئے اور کہنے لگے ''ابو طالب! آپ کا بھتیجا ہمارے گھروں اور ہماری مجلسوں میں ہمارے پاس آتا ہے اور ہمیں ایسی باتیں سناتا ہے جن سے ہمیں بڑی تکلیف ہوتی ہے اگر آپ مناسب سمجھیں تو اس کو ہمارے پاس آنے سے روک دیں۔'' تو ابو طالب نے مجھ سے کہا ''اے عقیل! اپنے چچازاد بھائی کو میرے پاس بلا لاؤ۔'' چنانچہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ابو طالب کی ایک کوٹھڑی میں سے بلا کر لایا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میرے ساتھ چل رہے تھے' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سایہ میں چلنا چاہتے تھے (تیز دھوپ کی وجہ سے) لیکن راستہ میں سایہ نہ مل سکا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو طالب کے پاس پہنچ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ابو طالب نے کہا ''اے بھتیجے! اللہ کی قسم جیسے کہ تم کعبہ میں اور ان کی مجلسوں میں جا کر ان کو ایسی باتیں سناتے ہو جن سے ان کو دکھ ہوتا ہے اگر تم مناسب سمجھو تو ان کے پاس جانا چھوڑ دو۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نگاہ کو آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا ''جس امر کو دے کر مجھے بھیجا گیا ہے' اس کو چھوڑنے کی میں طاقت نہیں رکھتا

جس طرح تم میں سے کوئی سورج میں سے آگ کا شعلہ لانے کی طاقت نہیں رکھتا۔'' اس پر ابوطالب نے کہا ''میرا بھتیجا کبھی غلط بات نہیں کہتا' تم سب بھلائی کے ساتھ واپس جاؤ۔''
(طبرانی)

ان واقعات سے خوب واضح ہو جاتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دعوتِ دین اور تبلیغِ اسلام کے لیے کس قدر تکالیف اُٹھاتے رہے مگر اس کے باوجود کبھی انھوں نے دعوت و تبلیغِ دین کی طرف سے کوئی لاپرواہی نہ برتی' نہ کبھی اس سلسلہ میں سستی یا غفلت کا شکار ہوئے۔ بلکہ آپ کو ہمیشہ یہی فکر دامن گیر رہتی کہ لوگ خدائے وحدہ لاشریک پر ایمان لے آئیں' نیک اعمال اختیار کر لیں اور دوزخ کی آگ سے بچ جائیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کام کی راہ میں آنے والی کسی بھی رکاوٹ کو خاطر میں نہ لاتے' کوئی بڑی سے بڑی مشکل بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بڑھتے ہوئے قدموں کو نہ روک سکتی تھی۔ کافر آپ کو برا بھلا کہتے' گالیاں دیتے' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذاق اُڑاتے' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ میں کانٹے بچھا دیتے' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کو گندگی سے بھر دیتے' راہ چلتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوڑا اور غلاظت پھینک دیتے' عبادت کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ آور ہو جاتے' مارتے پیٹتے بلکہ بسا اوقات جسمانی تشدد کی انتہا کر دیتے۔ تبلیغ دین کا کام کرنے کی وجہ سے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادیوں کو طلاق دے کر کافروں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انتہائی ذہنی اذیت دینے کی کوشش کی مگر آپ کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہ آ سکی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عزیز' رشتہ دار اور وہ لوگ جو ایمان لا چکے تھے جن تکلیفوں میں مبتلا کیے گئے' وہ انسان کے گمان سے باہر ہیں۔

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ظاہری حیاتِ مقدسہ میں کئی طریقوں سے دعوت و تبلیغِ دین اور ترویج و اشاعتِ اسلام کا کام کیا اور فریضۂ نبوت و رسالت سے عہدہ برآ ہونے کے لیے کئی اقدام کیے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک ایک دو دو افراد سے تنہا مل کر انہیں دعوتِ اسلام دیتے' کبھی مجمع اور جماعت کے سامنے کھڑے ہو کر دین کا وعظ فرماتے۔ حج کے دوران عرب کے قبائل کے سامنے اپنی نبوت و رسالت کی دعوت رکھتے۔

تبلیغِ دین کے لیے بازاروں اور میلوں میں جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو غزوات لڑے یا جو سرایا بھیجے وہ بھی دعوت و تبلیغ دین کی خاطر ہی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ میدانِ جنگ میں اوّل کافروں کو دین کی دعوت دی جاتی پھر جنگ کی جاتی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام مختلف علاقوں کی طرف اور بادشاہوں کی طرف دین کی دعوت دینے کے لیے قاصد بھی روانہ فرماتے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انفرادی دعوت فرمانا

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک ایک یا دو دو افراد کو مل کر دین کی دعوت دیتے' انہیں اللہ کی طرف بلاتے۔ حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق' حضرت عثمان غنی' حضرت علی المرتضیٰ' حضرت ضماد' حضرت عمرو بن عبسہ' حضرت عدی بن حاتم' حضرت خالد بن سعید' حضرت ذوالجوشن ضبابی' حضرت بشیر بن خصاصیہ اور دیگر بہت سے جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکیلے اکیلے بالمشافہ دعوتِ اسلام دی جو انھوں نے قبول کی۔ یہاں بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چند واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ''حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ جاہلیت کے دوست تھے۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات کا ارادہ کر کے گھر سے نکلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو عرض کیا ''اے ابوالقاسم! کیا بات ہے۔ آپ اپنی قوم کی مجلسوں میں نظر نہیں آتے اور لوگ یہ الزام لگاتے ہیں کہ آپ ان کے آباؤ اجداد وغیرہ کے عیب بیان کرتے ہیں۔'' حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں اللہ کا رسول ہوں اور تم کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔'' جونہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بات پوری فرمائی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً مسلمان ہو گئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے اتنی زیادہ خوشی کے ساتھ واپس ہوئے کہ کوئی بھی مکہ کی ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان جن کو ''اخشبین'' کہا جاتا ہے' آپ سے زیادہ خوش نہ تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت

طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لے گئے' یہ حضرات بھی مسلمان ہو گئے۔ دوسرے روز حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حضرت عثمان بن مظعون' حضرت ابوعبیدہ بن الجراح' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد اور حضرت ارقم بن ابوالارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو لے کر حاضر ہوئے۔ یہ سب حضرات بھی اسلام لے آئے۔ (البدایۃ)

حضرت اسلم ﷺ بیان کرتے ہیں" ہم سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا" کیا تم لوگ چاہتے ہو کہ میں اپنے قبول اسلام کا واقعہ بیان کروں؟" ہم نے کہا" جی ضرور" آپ نے فرمایا" میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بڑے دشمنوں میں سے ایک تھا' صفا پہاڑی کے قریب ایک مکان میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے گریبان کو پکڑ کر فرمایا" اے ابن خطاب! مسلمان ہو جا" اور ساتھ ہی یہ دعا کی" اے اللہ! اسے ہدایت عطا فرما" میں فوراً کہہ اٹھا۔

اشهد ان لا اله الا الله و اشهد انك رسول الله

فرماتے ہیں" میرے اسلام لاتے ہی مسلمانوں نے اس قدر بلند آواز سے تکبیر کہی کہ اسے مکہ کی تمام گلیوں میں سنا گیا۔" (الحلیۃ)

حضرت عمرو بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں" حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا" میں اپنی خالہ اروی بنت عبدالمطلب کے پاس ان کی عیادت کے لیے گیا' تھوڑی دیر بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی وہاں تشریف لے آئے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غور سے دیکھنے لگا۔ آپ کی نبوت کا تھوڑا بہت تذکرہ ان دنوں ہو چکا تھا۔ آپ ﷺ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا" اے عثمان تمہیں کیا ہوا؟" میں نے کہا" میں اس بات پر حیران ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہمارے اندر بڑا مرتبہ ہے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ایسی باتیں کی جا رہی ہیں۔" اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا"لا الٰہ الا اللہ اللہ" گواہ ہے کہ میں یہ سن کر کانپ گیا" پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی:

وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ○ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ أَنَّكُمْ تَنطِقُوْنَ- (الذریت:۲۲'۲۳)

ترجمہ:"اور ہے آسمان میں تمھاری روزی اور جو وعدہ تم سے کیا گیا۔ پس قسم ہے آسمان اور زمین کے رب کی کہ یہ حق ہے جیسے کہ تم بولتے ہو۔"

پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے اور باہر چلے گئے۔ میں بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے چل پڑا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ (الاستیعاب)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نماز پڑھ رہے تھے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا"اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) یہ کیا ہے؟" حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا"یہ اللہ کا وہ دین ہے جسے اللہ نے اپنے لیے پسند فرمایا اور جسے دے کر اپنے رسولوں کو بھیجا۔ میں تمھیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے تم اسی کی عبادت کرو اور لات اور عزیٰ دونوں بتوں کا انکار کر دو۔" حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ"یہ ایسی بات ہے جو آج سے پہلے میں نے کبھی نہیں سنی۔ اس لیے میں اپنے والد ابو طالب سے پوچھ کر ہی اس کے بارے میں کچھ فیصلہ کروں گا۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کو پسند نہ فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلان سے پہلے آپ کا راز فاش ہو جائے تو اس لیے فرمایا"اے علی! اگر تم اسلام نہیں لاتے ہو تو اس بات کو پوشیدہ رکھو۔" حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی حال میں رات بسر کی پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں مسلمان ہونے کا شوق پیدا فرما دیا۔ اگلے روز صبح ہوتے ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا"کل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سامنے کیا بات پیش فرمائی تھی؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا کہ ''اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو کہ اکیلا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں اور لات و عزیٰ کا انکار کردو اور اللہ کے تمام شریکوں سے الگ ہو جاؤ۔'' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بات مان لی اور اسلام لے آئے اور ابو طالب کے ڈر سے چھپ چھپ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوتے رہے اور اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا' ظاہر نہ ہونے دیا۔ (ابن اسحٰق)

حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابتدائے اسلام میں مسلمان ہوئے تھے۔ وہ اپنے بھائیوں میں سب سے پہلے حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے اور ان کے اسلام کی طرف آنے کا آغاز اس طرح ہوا کہ انھوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک آگ کے کنارے پر کھڑے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ اس آگ کی لمبائی چوڑائی اتنی زیادہ تھی کہ اللہ ہی جانتا ہے اور خواب میں انھوں نے یہ بھی دیکھا کہ ان کا والد انہیں آگ میں دھکیل رہا ہے اور یہ بھی دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی کمر کو پکڑ رکھا ہے تاکہ وہ آگ میں نہ گر جائیں۔ وہ گھبرا کر بیدار ہوئے اور کہا ''میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں یہ بالکل سچا خواب ہے۔'' پھر ان کی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوئی اور انہیں اپنا خواب سنایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''تمھارے ساتھ (اللہ کی طرف سے) بھلائی کا ارادہ کیا گیا ہے۔ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں' تم ان کی پیروی کرو۔ (اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ) تم ان کا اتباع ضرور کرو گے اور ان کے ساتھ اسلام میں داخل ہو جاؤ گے اور اسلام ہی تم کو آگ سے بچائے گا جبکہ تمھارا باپ آگ میں جائے گا۔'' حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اجیاد محلّہ میں تشریف فرما تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' عرض کیا: ''اے محمد! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''میں تم کو ایک اللہ کی طرف بلاتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں اور اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور ان پتھروں کی عبادت چھوڑ دو' جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور نہ نقصان دے سکتے

ہیں اور نہ ہی نفع اور نہ انہیں یہ پتہ ہے کہ کون ان کی پوجا کرتا ہے اور کون نہیں کرتا ہے۔" حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً کلمہ شہادت پڑھ لیا کہ "میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اس بات کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔" ان کے اسلام لانے سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بہت خوشی ہوئی۔ اس کے بعد حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر سے چلے گئے۔ ان کے والد کو ان کے اسلام لانے کا پتہ چل گیا۔ اس نے ان کی تلاش میں آدمی بھیجے جو انہیں ان کے والد کے پاس ڈھونڈ کر لائے۔ والد نے ان کو خوب ڈانٹا اور جو کوڑا اس کے ہاتھ میں تھا' اس سے ان کو اس قدر پیٹا کہ وہ کوڑا ان کے سر پر توڑ دیا اور کہا "اللہ کی قسم! میں تمہارا کھانا پینا بند کر دوں گا۔" حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "اگر تم بند کر دو گے تو اللہ تعالیٰ مجھے ضرور اتنی روزی دے گا۔ جس سے میں اپنی زندگی گزار لوں گا۔" یہ کہہ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چلے آئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کا ہر طرح خیال رکھتے تھے اور یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہتے۔ (بیہقی)

حضرت ابو تمیمہ ہجیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی قوم کے ایک شخص کا قصہ بیان کرتے ہیں کہ وہ آدمی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا (یا حضرت ابو تمیمہ نے کہا کہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر تھا' وہاں ایک آدمی آیا) اور اس آدمی نے پوچھا "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں؟" یا یہ پوچھا کہ "آپ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔" حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہاں!" پھر اس نے پوچھا "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس کو پکارتے ہیں؟" حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اکیلے اللہ عزوجل کو پکارتا ہوں جس کی صفت یہ ہے کہ جب تمہیں کوئی نقصان پہنچے اور تم اس کو پکارو تو وہ تم سے نقصان کو دُور کر دے اور جب تم پر قحط سالی آ جائے اور تم اس کو پکارو تو وہ تمہارے لیے اناج اُگا دے اور جب تم چٹیل میدان میں ہو اور تمہاری سواری گم ہو جائے اور تم اس کو پکارو تو وہ تمہاری سواری تم کو واپس کر دے۔" یہ بات سن کر وہ آدمی فوراً مسلمان ہو گیا پھر اس نے عرض کیا "یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) مجھے کچھ وصیت

فرمائیں۔'' حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کسی چیز کو کبھی گالی نہ دو۔'' (حکم راوی کو شک ہے کہ اس موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ''شیئًا'' فرمایا ''یا احدا'' دونوں کا مطلب ایک ہی ہے) وہ صاحب کہتے ہیں کہ ''حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وصیت فرمانے کے بعد میں نے آج تک کبھی کسی اونٹ یا کسی بکری کو بھی گالی نہیں دی۔'' (احمد)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں ''حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بنونجار کے ایک شخص کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا ''اے ماموں! لا الٰہ الا اللہ پڑھ لو۔'' اس نے کہا ''میں ماموں ہوں یا چچا؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''چچا نہیں' ماموں ہو۔ لا الٰہ الا اللہ پڑھ لو۔'' اس نے کہا ''کیا یہ میرے لیے بہتر ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ہاں!'' (احمد)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں ''حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی سے فرمایا ''مسلمان ہو جاؤ' سلامتی پالو گے۔'' اس نے کہا ''میرا دل نہیں مانتا'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''دل نہ چاہے تب بھی'' (مسلمان ہو جا) (احمد)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں ''ایک یہودی لڑکا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا' وہ بیمار ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لے گئے اور اس کے سرہانے بیٹھ گئے پھر اس سے فرمایا ''مسلمان ہو جاؤ'' اس کا باپ بھی وہیں تھا' وہ اپنے باپ کی طرف دیکھنے لگا۔ باپ نے کہا ''ابو القاسم! (یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی مان لو' وہ مسلمان ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرماتے ہوئے باہر تشریف لے آئے ''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اس کو دوزخ کی آگ سے بچا لیا۔'' (ابوداؤد)

حضرت خبیب بن عبد الرحمٰن رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ ''حضرت اسعد بن زرارہ اور ذکوان بن عبد قیس رضی اللہ عنہما مدینہ سے مکہ عتبہ بن ربیعہ سے اپنا کوئی فیصلہ کروانے کے لیے آئے' وہاں آ کر دونوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کچھ سنا' ان دونوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی۔ آپ ﷺ نے ان

دونوں پر اسلام پیش فرمایا اور ان کو قرآن پڑھ کر سنایا۔ وہ دونوں مسلمان ہو گئے اور عتبہ بن ربیعہ کے قریب بھی نہ پھٹکے اور ویسے ہی مدینہ کو واپس آ گئے یہ دونوں سب سے پہلے مدینہ میں اسلام کو لے کر پہنچے۔" (ابن سعد)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں "حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیوی ہندہ کو اپنے پیچھے سواری پر بٹھا کر اپنے کھیت کی طرف جا رہے تھے۔ میں ان دونوں کے آگے چل رہا تھا اور اس وقت میں نو عمر لڑکا تھا اور اپنی گدھی پر سوار تھا اتنے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس آئے۔ ابوسفیان نے کہا "معاویہ! نیچے اتر جا تا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) سوار ہو جائیں۔ پس میں گدھی سے اُتر گیا اور اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سوار ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ دیر ہمارے آگے آگے چلتے رہے پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا "اے ابوسفیان بن حرب' اے ہند بنت عتبہ! اللہ کی قسم! تم ضرور مرو گے پھر تمھیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا پھر نیک جنت میں جائے گا اور بد دوزخ میں اور میں نے تمھیں بالکل صحیح اور حق بات بتائی ہے اور تم دونوں ہی سب سے پہلے (اللہ کے عذاب) سے ڈرائے گئے ہو پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حم تنزیل من الرحمن الرحیم سے لے کر قالتا اتینا طائعین تک آیتیں پڑھیں پھر ابوسفیان نے کہا "اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بات سے فارغ ہو گئے؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہاں!" پھر حضور ﷺ گدھی سے نیچے اُتر گئے اور میں اس پر سوار ہو گیا۔ حضرت ہندہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا "کیا تم نے اس جادوگر کے لیے میرے بیٹے کو گدھی سے اُتارا تھا؟" ابو سفیان نے کہا "نہیں! اللہ کی قسم! وہ جادوگر اور جھوٹے آدمی نہیں ہیں۔" (طبرانی)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اجتماعی دعوت فرمانا

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ "جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ۔

ترجمہ: ''اور ڈر سنا اپنے قریبی رشتہ داروں کو''

تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم باہر آئے اور مروہ پہاڑی پر چڑھ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلند آواز سے کہا ''اے آلِ فہر!'' تو قریش آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ گئے۔ ابولہب بن عبدالمطلب نے کہا ''یہ فہر قبیلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حاضر ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں کیا کہنا چاہتے ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اے آلِ غالب!'' تو فہر کی اولاد میں سے بنو محارب اور بنو حارث واپس چلے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اے آلِ لوی بن غالب!'' تو بنو تیم الادرم بن غالب واپس چلے گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اے آلِ کعب بن لوی!'' تو بنو عامر بن لوی واپس چلے گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اے آلِ مرہ بن کعب!'' تو بنو عدی بن کعب اور بنو سہم اور بنو جمح بن عمرو بن ھصیص بن کعب بن لوی واپس چلے گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اے کلاب بن مرہ کی اولاد!'' تو بنو مخزوم بن یقظہ بن مرہ اور بنو تیم بن مرہ واپس چلے گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اے قصی کی اولاد!'' تو بنو زہرہ بن کلاب واپس چلے گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اے عبد مناف کی اولاد!'' تو بنو عبد الدار قصی اور بنو اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی اور بنو عبد بن قصی واپس چلے گئے۔ الولہب نے کہا ''یہ بنو عبد مناف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حاضر ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں کیا کہتے ہیں؟'' تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے رشتہ داروں کو ڈر سناؤں اور آپ لوگ ہی قریش میں سے میرے قریبی رشتہ دار ہیں اور میرا اللہ کے سامنے کوئی اختیار نہیں اور نہ میں آخرت میں تمھارے لیے کچھ کرا سکتا ہوں جب تک کہ تم لا الہ الا اللہ کا اقرار نہ کر لو اور جب تم اس کا اقرار کر لو گے تو اس کلمہ کی وجہ سے تمھارے رب کے سامنے میں تمھارے لیے گواہی دے سکوں گا اور اس کی وجہ سے تمام عرب تمھارے مطیع اور فرمانبردار ہو جائیں گے اور تمام عجم تمھاری مانیں گے۔'' تو ابولہب نے کہا (نعوذ باللہ) تو برباد ہو جائے۔ کیا اسی لیے ہم لوگوں کو

بلایا تھا؟'' اس پر اللہ تعالیٰ نے تبت یدا ابی لھب سورت نازل فرمائی کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے یعنی برباد ہوگیا۔ (ابن سعد)

حضرت عبداللہ بن کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ''حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اعلان نبوت کے بعد تین سال تک پوشیدہ طور پر دعوت کا کام کرتے رہے پھر چوتھے سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی الاعلان دین کی تبلیغ کا کام شروع کردیا جو وہاں دس سال تک جاری رہا۔ اس عرصہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موسمِ حج میں بھی دعوت کا کام کیا کرتے تھے اور عکاظ اور مجنہ اور ذی المجاز بازاروں میں حاجیوں کے پاس ان کی قیام گاہوں میں جاتے تھے اور انہیں اس بات کی دعوت دیتے تھے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کریں تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب عزوجل کا پیغام پہنچا سکیں اور ان کو اس کے بدلہ میں جنت ملے گی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مدد ونصرت کے لیے کسی کو بھی تیار نہ پاتے۔'' (ابونعیم)

حضرت ابن رومان اور حضرت عبداللہ بن ابی بکر وغیرہ حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں ''حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بازار عکاظ میں قبیلہ کندہ کے پاس ان کی قیام گاہ میں تشریف فرما ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے زیادہ نرم مزاج قبیلہ کے پاس کبھی نہیں گئے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ یہ لوگ نرم ہیں اور بڑی محبت سے پیش آرہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دین کی طرف بلانا شروع کیا کہ میں تمھیں ایک اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور اس بات کی طرف بلاتا ہوں کہ جس طرح تم اپنی جانوں کی حفاظت کرتے ہو اسی طرح تم میری بھی حفاظت کرو پھر اگر میں غالب آگیا تو تمھیں پورا اختیار ہوگا۔'' اکثر قبیلہ والوں نے کہا ''یہ تو بہت اچھی بات ہے لیکن ہم انہی خداؤں کی عبادت کریں گے جن کی عبادت ہمارے آباؤ اجداد کیا کرتے تھے۔'' قوم میں سے ایک چھوٹی عمر والے نے کہا ''اے میری قوم! دوسروں کے ماننے اور ساتھ لے جانے سے پہلے تم ان کی مان کر ان کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ اللہ کی قسم! اہلِ کتاب کا کہنا ہے کہ ایک نبی حرم سے ظاہر ہوگا جس کا زمانہ قریب آچکا ہے۔'' قوم میں

ایک کانا آدمی تھا' وہ کہنے لگا'' چپ کرو' میری بھی سنو! اس کو تو اس کے خاندان نے نکال دیا ہے اور تم اس کو پناہ دے کر پورے عرب سے لڑائی مول لینا چاہتے ہو؟ نہیں' نہیں ایسا ہرگز نہ کرو۔'' یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے بڑے غمگین ہو کر واپس تشریف لے آئے اور وہ لوگ اپنی قوم میں واپس چلے گئے اور وہاں یہ واقعہ سنایا تو ایک یہودی نے کہا'' تم نے بڑا سنہری موقع ضائع کر دیا اگر تم دوسروں سے پہلے ان کی مان لیتے تو تم تمام عرب کے سردار بن جاتے۔ ان کی صفات اور حلیہ کا بیان ہماری کتاب میں موجود ہے۔'' وہ یہودی کتاب میں سے حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صفات اور حلیہ پڑھ کر سناتا جاتا اور جو لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر آئے تھے' وہ اس سارے کی تصدیق کرتے جاتے۔ اس یہودی نے کہا'' ہماری کتاب میں یہ بھی ہے کہ وہ مکہ میں ظاہر ہوں گے اور ہجرت کر کے یثرب (مدینہ) جائیں گے۔'' یہ سن کر ساری قوم نے طے کیا کہ اگلے سال موسمِ حج میں جا کر حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ضرور ملیں گے لیکن ان کے ایک سردار نے ان کو اگلے سال حج پر جانے سے روک دیا۔ چنانچہ ان میں سے کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہ مل سکا اور وہ یہودی مر گیا۔ لوگوں نے سنا کہ مرتے وقت وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کر رہا تھا اور ایمان لے آنے کا اظہار کر رہا تھا۔'' (ابو نعیم)

حضرت عبدالرحمٰن عامری اپنی قوم کے چند بزرگوں سے روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ بازار عکاظ کے بازار میں قیام کیے ہوئے تھے' ہمارے پاس حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا'' تم لوگ کون سے قبیلے سے ہو؟'' ہم نے کہا'' بنو عامر بن صعصعہ سے'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا'' بنو عامر کے کون سے خاندان سے ہو؟'' ہم نے کہا'' بنو کعب بن ربیعہ کے'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا '' تمھارا دبدبہ اور رعب کیسا ہے؟'' ہم نے کہا'' کسی کی ہمت نہیں کہ ہمارے علاقہ میں آ کر کسی چیز کو ہاتھ لگا سکے یا ہماری آگ پر ہاتھ تاپ سکے۔'' (یعنی ہم بڑے جری اور بہادر ہیں) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا'' میں اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں اگر میں تمھارے پاس آ جاؤں تو کیا تم لوگ میری حفاظت کرو گے تاکہ میں اپنے رب کا

پیغام پہنچا سکوں اور میں تم میں سے کسی کو کسی بات پر مجبور نہیں کرتا۔'' قبیلہ والوں نے کہا ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش کے کون سے خاندان سے ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''بنو عبدالمطلب سے'' انھوں نے کہا ''بنو عبد مناف نے آپ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''انھوں نے تو سب سے پہلے مجھے جھٹلایا اور دُھتکارا۔'' انھوں نے کہا ''ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ دُھتکارتے ہیں اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاتے ہیں۔ البتہ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ساتھ لے جائیں گے اور) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر طرح سے حفاظت کریں گے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کا پیغام پہنچا سکیں۔'' پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سواری سے اُتر کر ان کے پاس بیٹھ گئے۔ وہ لوگ بازار میں خرید و فروخت کرنے لگے' اتنے میں ان کے پاس بحیرہ بن فراس قشیری آیا اور اس نے کہا ''مجھے تمھارے پاس یہ کون نظر آ رہا ہے جسے میں نہیں پہچانتا؟'' انھوں نے کہا ''یہ محمد بن عبداللہ قریشی ہیں۔'' اس نے کہا ''تم لوگوں کا ان کے ساتھ کیا تعلق ہے؟'' وہ کہنے لگے ''انھوں نے ہمیں کہا ہے کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور ہم سے کہا ہے کہ ہم ان کو اپنے علاقہ میں لے جائیں اور ان کی ہر طرح حفاظت کریں تاکہ وہ اپنے رب کا پیغام پہنچا سکیں۔'' اس نے کہا ''تم نے ان کو کیا جواب دیا؟'' انھوں نے کہا ''ہم نے ان کو خوش آمدید کہا ہے اور یہ کہا ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے علاقہ میں لے جائیں گے اور اپنی جانوں کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کریں گے۔'' بحیرہ بولا ''میرے خیال میں اس بازار والوں میں سے تم سب نے زیادہ بری چیز لے کر جا رہے ہو۔ جس کی وجہ سے تمام لوگ تمھارے دشمن بن جائیں گے اور تم سے ہر طرح کا تعلق ختم کر لیں گے۔ عرب کے سب لوگ اکٹھے ہو کر تم سے لڑیں گے۔ اس کی قوم اس کو اچھی طرح جانتی ہے اگر وہ لوگ اس میں کوئی بھلائی دیکھتے تو ان کا ساتھ دینے میں اپنی بڑی سعادت سمجھتے۔ یہ اپنی قوم کا ایک کم عقل آدمی ہے (نعوذ باللہ) اور اسے اس کی قوم نے دُھتکار دیا ہے اور جھٹلایا ہے اور تم اسے پناہ دینا چاہتے ہو اور اس کی مدد کرنا چاہتے ہو؟ تمھارا فیصلہ بالکل غلط ہے۔'' پھر اس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف مڑ کر کہا کہ ''اُٹھو اور اپنی قوم میں

چلے جاؤ۔ اللہ کی قسم! اگر تم میری قوم کے پاس نہ ہوتے تو میں تمھاری گردن اُڑا دیتا۔'' چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اُٹھے اور اپنے اونٹنی پر سوار ہو گئے۔ خبیث بجیرہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی کی کوکھ میں لکڑی سے زور سے چوکا دیا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی بدک گئی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اونٹنی سے نیچے گر گئے اور اس دن حضرت ضباعہ بنت عامر بن قرط رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے چچا زاد بھائیوں سے ملنے کے لیے قبیلہ بنو عامر میں آئی ہوئی تھیں اور وہ ان عورتوں میں سے تھیں جو مسلمان ہو چکی تھیں اور مکہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دیا کرتی تھیں۔ وہ یہ منظر دیکھ کر بے قرار ہو کر بول اُٹھیں۔ ''اے عامر کی اولاد! آج تم میں سے کوئی بھی عامر کی طرح میری مدد کرنے والا نہیں رہا یا آج سے میرا قبیلہ عامر سے کوئی تعلق نہیں۔ تمھارے سامنے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یہ برا سلوک کیا جا رہا ہے اور تم میں سے کوئی بھی ان کی مدد کے لیے کھڑا نہیں ہوا۔'' چنانچہ ان کے تین چچا زاد بھائی بجیرہ کی طرف لپکے جبکہ دو آدمی بجیرہ کی مدد کے لیے اُٹھے۔ ان تینوں بھائیوں میں سے ہر ایک نے ایک ایک کو پکڑ کر زمین پر گرا لیا اور ان کے سینوں پر بیٹھ گئے اور ان کے چہروں پر تھپڑ مارے۔ اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اے اللہ! ان (مدد کرنے والوں) پر برکت نازل فرما اور ان تینوں (دشمنوں) پر لعنت کر'' راوی کا کہنا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کرنے والے تینوں بھائی مسلمان ہو گئے اور انھوں نے شہادت کا مرتبہ پایا اور باقی تینوں ذلت کی موت مرے جن دو آدمیوں نے بجیرہ بن فراس کی مدد کی' ان میں سے ایک کا نام حزن بن عبداللہ اور دوسرے کا نام معاویہ بن عبادہ تھا اور جن تین بھائیوں نے حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کی' وہ خطریف بن سہل اور غطفان بن سہل اور عروہ بن عبداللہ تھے۔''

(ابونعیم)

حضرت محمد بن عبدالرحمٰن بن حصین کا بیان ہے کہ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قبیلہ کلب کے خاندان بنو عبداللہ کی قیام گاہ میں تشریف لے گئے اور ان کو اللہ کی طرف دعوت دی اور خود کو ان پر پیش کیا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو فرما رہے تھے کہ

''اے بنو عبداللہ! اللہ نے تمھارے باپ کا نام بہت اچھا رکھا ہے۔'' لیکن انھوں نے آپ کی پیش کردہ دعوت کو قبول نہ کیا۔ (البدایۃ)

حضرت عبداللہ بن کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی حنیفہ کے پاس ان کی قیام گاہ میں تشریف لے گئے اور ان کو اللہ کی طرف بلایا اور اپنے آپ کو ان پر پیش کیا مگر عربوں میں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو ان سے زیادہ برے طریقے سے کسی نے نہیں ٹھکرایا۔ (البدایۃ)

حضرت ربیعہ بن عباد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ''میں نوجوان لڑکا تھا اور اپنے والد کے ساتھ منیٰ میں تھا اور حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عرب کے قبائل کی قیام گاہوں میں تشریف لے جاتے تھے اور ان سے فرماتے تھے ''اے بنی فلاں! مجھے اللہ نے تمھارے پاس اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ میں تمھیں اس بات کا حکم دیتا ہوں کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور اللہ کے علاوہ جن کو اللہ کا شریک ٹھہرا کر ان کی عبادت کرتے ہو' ان کو چھوڑ دو اور مجھ پر ایمان لے آؤ اور میری تصدیق کرو اور میری حفاظت کرو تاکہ جو پیغام دے کر اللہ نے مجھے بھیجا ہے' وہ میں اس کی طرف سے کھلے طور پر پہنچا سکوں۔'' حضرت ربیعہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے ایک بھینگا اور خوبصورت آدمی تھا اس کی دو زلفیں تھیں' وہ عدنی جوڑا پہنے ہوئے تھا۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی گفتگو اور اپنی بات سے فارغ ہو گئے تو اس آدمی نے کہا ''اے بنی فلاں! یہ آدمی تمھیں اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ تم لات اور عزیٰ کو اور بنی مالک بن اقیش کے حلیف جنوں کو اپنی گردن سے اُتار پھینکو اور جس بدعت اور گمراہی کو یہ لایا ہے' وہ اختیار کر لو۔ اس کی بات بالکل نہ مانو اور نہ ہی سنو۔'' حضرت ربیعہ کہتے ہیں ''میں نے اپنے والد سے کہا ''اے ابا جان! یہ آدمی کون ہے؟ جو ان کے پیچھے لگا ہے اور جو وہ فرماتے ہیں' اس کی تردید کرتا ہے۔'' میرے والد نے کہا ''یہ ان کا چچا عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب ابولہب ہے۔'' (ابن اسحٰق)

حضرت حارث بن حارث غامدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ''ہم منیٰ میں ٹھہرے تھے' میں نے اپنے والد سے پوچھا ''یہ مجمع کیسا ہے؟'' انھوں نے کہا ''یہ سب ایک بے دین آدمی کی

وجہ سے جمع ہیں۔" کہتے ہیں "میں نے گردن اونچی کی اور دیکھا تو نظر آیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو اللہ کی وحدانیت کی دعوت دے رہے ہیں اور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کو جھٹلا رہے ہیں۔" (اخرجہ البخاری فی التاریخ)

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ "میں حج کرنے گیا' وہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائی جا رہی تھیں۔ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آ کر کھڑا ہوا جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ وہ بنی عمرو بن مؤمل کی ایک لونڈی کو تکلیف دے رہے تھے پھر حضرت عمر حضرت زنیرہ کے پاس آ کر رُکے اور ان کو بھی طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانے لگے۔" (الواقدی)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن انصار کی فضیلت اور ان کے اسلام میں پرانا ہونے اور اسلام میں سبقت لے جانے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ "جو انصار سے محبت نہ کرے اور ان کے حقوق کو نہ پہچانے' وہ ایمان والا نہیں ہے۔ انھوں نے اسلام کی دیکھ بھال اس طرح کی جیسے گھوڑے کے بچے کی کی جاتی ہے۔ وہ اپنے ہتھیاروں کی مہارت اور اپنی گفتگو کی طاقت اور اپنے دلوں کی سخاوت کے باعث اسلام کی دیکھ بھال کے لیے کافی ہو گئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حج کے موسم میں قبائل کے پاس تشریف لے جاتے اور ان کو دعوت دیا کرتے تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کو تسلیم نہ کرتا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو قبول نہ کرتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجنہ اور عکاظ اور منیٰ کے بازاروں میں ان قبائل کے پاس جاتے اور ہر سال جا کر ان کو دعوت دیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس اتنی بار گئے کہ قبائل والے لوگ کہنے لگ گئے کہ "کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم لوگوں سے مایوس ہو جائیں۔" حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے انصار کے اس قبیلہ کو نوازنے کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر اسلام کو پیش فرمایا جسے انھوں نے فوراً قبول کر لیا اور انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پاس (مدینہ میں) ٹھہرا لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے ساتھ نصرت اور ہمدردی کا معاملہ کیا۔ فجزاھم اللہ خیرا ہم مہاجرین ان کے پاس گئے تو انھوں نے ہمیں اپنے ساتھ گھروں میں ٹھہرایا اور کوئی بھی ہمیں دوسروں کے پاس بھیجنے کو تیار نہ ہوتا۔ یہاں تک کہ بعض دفعہ ہمیں اپنا مہمان بنانے کے لیے قرعہ اندازی کیا کرتے تھے پھر انھوں نے خوشی خوشی اپنے مالوں کا ہمیں اپنے سے بھی زیادہ حق دار بنا دیا اور اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کی خاطر اپنی جانوں کو قربان کر دیا۔" (ابونعیم)

حضرت اُم سعد بنت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ "حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب تک مکہ میں رہے، قبائل کو اللہ عزوجل کی طرف بلاتے رہے۔ جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیفیں دی جاتی رہیں اور برا بھلا کہا جاتا رہا۔"

(ابونعیم)

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابولہب سے بھاگتے تھے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیچھا کرتا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ لوگوں میں سے میں نے کسی کو بولتے نہیں دیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلسل دعوت دیتے جاتے تھے، خاموش نہیں ہوتے تھے۔ (الھیثمی)

حضرت طارق بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں "میں بازار ذی المجاز میں تھا اچانک ایک نوجوان آدمی گزرا جس نے سرخ دھاریوں والا لباس پہن رکھا تھا اور وہ کہہ رہا تھا "اے لوگو! لا الہ الا اللہ کہو، کامیاب ہو جاؤ گے۔" اس کے پیچھے ایک آدمی تھا جس نے اس نوجوان کی ایڑیوں اور پنڈلیوں کو زخمی کر رکھا تھا اور کہہ رہا تھا "اے لوگو! یہ جھوٹا ہے، اس کی بات نہ مانو۔" میں نے پوچھا "یہ کون ہے؟" کسی نے کہا "یہ بنی ہاشم کا نوجوان ہے جو خود کو اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتا ہے اور دوسرا اس کا چچا عبدالعزیٰ (ابولہب) ہے۔" (طبرانی)

بنی مالک بن کنانہ کے ایک آدمی نے بیان کیا ہے کہ "میں نے حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بازار ذی المجاز میں پھرتے ہوئے دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے "اے لوگو! لا الہ الا اللہ کہو، کامیاب ہو جاؤ گے۔" وہ کہتا ہے کہ ابوجہل آپ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم پر مٹی پھینکتا اور کہتا ”لوگو! دیکھنا یہ آدمی تمھیں تمھارے دین سے ہٹا نہ دے۔ یہ چاہتا ہے کہ تم اپنے معبودوں کو اور لات وعزیٰ کو چھوڑ دو۔“ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کی طرف کوئی توجہ نہ فرماتے تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ ”آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ اور اس وقت کی حالت بیان کر دیں۔“ بنی مالک بن کنانہ کے اس آدمی نے کہا کہ ”حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دو سرخ دھاریوں والی چادریں پہن رکھی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قد درمیانہ اور جسم بھرا ہوا اور چہرہ انتہائی حسین تھا۔ آپ کے بال بہت کالے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت گورے چٹے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال پورے اور گنجان تھے۔“

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ”حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بنو عبدالمطلب کو جمع کیا یا آپ نے ان کو دعوت پر بلایا۔ یہ ایسے لوگ تھے کہ ان میں سے ہر ایک پورا بکرا کھا جاتا تھا اور تین صاع (ساڑھے دس سیر) تک پی جاتا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے ایک مد (تقریباً چودہ چھٹانک) کھانا تیار کیا۔ انھوں نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا مگر کھانا اتنا ہی رہا جتنا پہلے تھا اس میں کوئی کمی نہ آئی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اسے ہاتھ ہی نہ لگا ہو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھوٹا پیالہ منگوایا جسے انھوں نے پیا تو وہ سیراب ہو گئے اور وہ مشروب ویسے ہی رہا جیسے کسی نے اسے ہاتھ ہی نہیں لگایا یا اسے کسی نے پیا ہی نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (اے بنو عبدالمطلب) مجھے تمھاری طرف خاص طور سے اور تمام انسانوں کی طرف عام طور سے بھیجا گیا ہے اور تم میرا یہ معجزہ دیکھ چکے ہو (کہ تم سب نے سیر ہو کر کھایا مگر تھوڑا ہونے کے باوجود کھانے اور پینے میں کوئی کمی نہیں آئی) تم میں سے کون میرا بھائی اور میرا ساتھی بننے پر مجھ سے بیعت کرتا ہے؟“

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ”کوئی بھی کھڑا نہ ہوا تو میں کھڑا ہو گیا باوجود اس کے کہ میں ان سب میں چھوٹا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”بیٹھ جاؤ“ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے تین مرتبہ یہ بات کہی۔ ہر دفعہ میں کھڑا ہوتا رہا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے فرما دیتے ”بیٹھ جاؤ“ تیسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ میرے

ہاتھ پر مارا (یعنی مجھ سے بیعت لی)　　　　　　　　　　　　　　　(احمد)

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ' رہبر بن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو رکوبہ گھاٹی کے راستے لے کر گئے تھے۔ (سفر ہجرت میں) ان کے بیٹے کہتے ہیں ''میرے والد نے مجھ سے یہ بیان فرمایا کہ ''حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک شیر خوار بیٹی ہمارے ہاں دودھ پینے کے لیے رہتی تھی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تھے کہ مدینہ کا سفر چھوٹے راستہ سے کریں تو ان سے حضرت سعد نے عرض کیا کہ ''رکوبہ گھاٹی کے نیچے سے جانے والا راستہ زیادہ قریب ہے لیکن ادھر قبیلہ اسلم کے دو ڈاکو رہتے ہیں جن کو ''مہانان'' کہا جاتا ہے اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہیں تو ان کے پاس سے گزرنے والے راستہ سے چلیں؟'' حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ہمیں ڈاکوؤں والے راستے سے لے چلو۔'' حضرت سعد فرماتے ہیں کہ ''ہم اس راستے پر چلے۔ جب ہم ان کے قریب پہنچے تو ان میں سے ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا ''لو یہ یمانی آ گیا'' حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو دعوت دی اور ان کے سامنے اسلام کو پیش فرمایا۔ وہ دونوں مسلمان ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے نام پوچھے۔ انھوں نے کہا ''ہم مہانان ہیں'' (یعنی ذلیل) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''نہیں تم دونوں مکرمان ہو'' (یعنی عزت دار) پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنے پاس مدینہ حاضر ہونے کا حکم دیا۔''　　　　　　　　　　　　　　　(احمد)

حضرت عاصم اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ''جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غمیم کے مقام پر پہنچے تو حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اسلام کی طرف بلایا۔ وہ مسلمان ہو گئے اور ان کے ساتھ تقریباً ۸۰ خاندان مسلمان ہوئے پھر رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھائی اور ان سب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی۔''

(ابن سعد)

میدانِ جنگ میں دین کی تبلیغ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''جب تک حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کسی قوم کو اسلام کی دعوت نہ دے لیتے' اس سے جنگ نہ کرتے۔'' (حاکم)

حضرت عبدالرحمٰن بن عائذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے۔ ''جب حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کوئی لشکر بھیجتے تو ان کو یہ نصیحت فرماتے کہ لوگوں سے محبت پیدا کرو اور جب تک ان کو اسلام کی دعوت نہ دے لو ان پر حملہ نہ کرنا اور چھاپہ نہ مارو کیونکہ روئے زمین پر جتنے کچے اور پکے مکان ہیں' ان کے رہنے والوں کو تم اگر مسلمان بنا کر میرے پاس لے آؤ یہ میرے نزدیک اس سے زیادہ اچھا ہے کہ تم ان کی عورتوں اور بچوں کو (قید کر کے) میرے پاس لے آؤ اور ان کے مردوں کو قتل کر دو۔'' (ابن مندہ)

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ''حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب کسی شخص کو کسی لشکر کا امیر بنا کر بھیجتے تو اس کو حکم دیتے کہ وہ اپنی ذات کے بارے میں اللہ سے ڈرے اور اپنے ساتھ والے مسلمانوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور فرماتے کہ جب تمھارا مشرک دشمنوں سے سامنا ہو تو ان کو تین باتوں کی دعوت دو۔ ان باتوں میں سے جو بات بھی وہ مان لیں تم اسے ان سے قبول کر لو اور ان سے جنگ نہ کرو۔ پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو اگر وہ اسے مان لیں تو تم ان سے اس کو قبول کر لو اور ان کے ساتھ لڑنے سے رُک جاؤ پھر ان کو اپنا علاقہ چھوڑ کر دارالمہاجرین یعنی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کی دعوت دو اور انہیں بتاؤ کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو ان کو وہ سب ملے گا جو مہاجرین کو ملتا ہے اور ان پر وہ تمام ذمہ داریاں ہوں گی جو مہاجرین پر ہوتی ہیں اور اگر وہ اسے نہ مانیں اور اپنے علاقے میں رہنا چاہئیں تو انہیں بتلا دو کہ وہ دیہاتی مسلمانوں کی طرح ہوں گے اور اللہ کے حکم جو عام مسلمانوں کے ذمہ ہیں' وہ ان کے ذمہ ہوں گے اور انہیں فئے اور مالِ غنیمت میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ ہاں! اگر مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے تو مالِ غنیمت میں سے حصہ ملے گا۔

اگر وہ اسلام کو قبول کرنے سے انکار کر دیں تو انہیں جزیہ دینے کی دعوت دو۔ اگر وہ اسے مان جائیں تو تم اسے قبول کر لو اور ان کے ساتھ لڑنے سے رُک جاؤ اور اگر وہ اسے بھی نہ مانیں تو اللہ سے مدد چاہتے ہوئے ان سے جنگ کرو اور جب تم کسی قلعہ کا محاصرہ کرو اور قلعہ والے تم سے کہیں کہ "ہمیں اللہ کے حکم پر اُتارو" تو ایسا نہ کرنا کیونکہ تم نہیں جانتے کہ ان کے بارے میں اللہ کا کیا حکم ہے؟ بلکہ تم ان سے اپنے فیصلے کو ماننے کا مطالبہ کرو پھر تم ان کے بارے میں جو چاہو فیصلہ کرو۔" (ابوداؤد)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بھیجا تو ان سے فرمایا کہ "جب تک تم کسی قوم کو اسلام کی دعوت نہ دے لو ان سے جنگ نہ کرنا" (عبدالرزاق)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غزوۂ خیبر کے دن فرمایا "تم اطمینان سے چلتے رہو یہاں تک کہ ان کے میدان میں پہنچ جاؤ پھر ان کو اسلام کی طرف دعوت دو اگر اللہ تعالیٰ ایک آدمی کو ہدایت دے دے تو یہ تمھارے لیے اس سے زیادہ بہتر ہے کہ تمھیں سرخ اونٹ مل جائیں۔" (بخاری)

حضرت خالد بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یمن بھیجا اور حکم دیا کہ عرب کے جس قبیلہ پر تم گزرو اور تمھیں اس سے اذان کی آواز سنائی دے تو ان سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنا اور جس قبیلہ سے تم اذان کی آواز نہ سنو ان کو اسلام کی دعوت دو۔" (طبرانی)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے لات وعزیٰ کے پاس رہنے والوں کی طرف ایک لشکر بھیجا۔ لشکر والوں نے عرب کے ایک قبیلہ پر رات کو اچانک حملہ کیا اور ان کے تمام لڑنے والوں کو اور ان کے بال بچوں کو قید کر لیا (جب انہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائے تو) ان قیدیوں نے کہا "انھوں نے دعوت دیے بغیر ہم پر حملہ کیا ہے۔" حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر والوں سے پوچھا تو انھوں نے قیدیوں کی بات کی تصدیق کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ان کو امن کی جگہ واپس پہنچا دو پھر ان کو

دعوت دو۔‘‘ (الواقدی)

بادشاہوں کو اسلام کی دعوت

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ ﷺ کے پاس تشریف لا کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام انسانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے‘ تم میری طرف سے (میرا دین تمام انسانوں تک) پہنچاؤ اور جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے اختلاف کیا‘ تم میرے سامنے ایسا اختلاف نہ کرنا کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو اسی چیز کی دعوت دی تھی جس کی میں تم کو دعوت دینے لگا ہوں (یعنی انھوں نے دین کی دعوت دینے کے لیے انہیں دُور اور نزدیک بھیجنا چاہا) پس ان میں سے جس کو بھیجا گیا تھا۔ اس نے اس کو ناگوار سمجھا۔ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے اللہ عزوجل سے اس کی شکایت کی۔ چنانچہ اگلے دن ان میں سے ہر آدمی اس قوم کی زبان بول رہا تھا جس قوم کی طرف اس کو بھیجا گیا تھا۔ اس پر عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا ’’اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے یہ کام ضروری قرار دے دیا ہے اس لیے اب تم اسے ضرور کرو۔‘‘ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ ﷺ نے عرض کیا ’’یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین تمام انسانوں تک) پہنچائیں گے‘ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں جہاں چاہیں بھیج دیں۔‘‘ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسریٰ کی طرف بھیجا اور سلیط بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمامہ کے نواب ہوزہ بن علی کے پاس اور علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو ہجر کے حکمران منذر بن ساویٰ کے پاس بھیجا اور عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عمان کے دو بادشاہوں جیفر اور عباد کی طرف بھیجا جو جلندیٰ کے بیٹے تھے اور دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو قیصر کے پاس بھیجا اور شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ کو منذر بن حارث بن ابی شمر غسانی کی طرف بھیجا اور عمرو بن اُمیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نجاشی کے پاس بھیجا۔ علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ

کے علاوہ باقی تمام حضرات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے وقت بحرین میں تھے۔" (طبرانی)

حافظ ابن حجر کا قول ہے کہ اصحاب سیر نے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجر بن ابی اُمیہ رضی اللہ عنہ کو حارث بن عبد کلال کی طرف بھیجا اور جریر رضی اللہ عنہ کو ذی الکلاع کی طرف بھیجا اور سائب رضی اللہ عنہ کو مسیلمہ کے پاس بھیجا اور حاطب بن ابی بلتعہ کو مقوقس کی طرف بھیجا۔ (ذکرہ الحافظ فی الفتح)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے وصال سے پہلے کسریٰ اور قیصر اور نجاشی اور ہر سرکش متکبر بادشاہ کی طرف خطوط روانہ کیے۔ جن میں ان کو اللہ عز وجل کی طرف دعوت دی اور یہ وہ نجاشی نہیں جن کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھی تھی۔" (مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے وصال سے پہلے کسریٰ اور قیصر اور ہر ظالم اور سرکش بادشاہ کی طرف خطوط بھیجے تھے۔" (احمد)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دعوت وتبلیغ اسلام

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اسلام کے اولین مبلغ تھے جنھوں نے دین کو اللہ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کیا اور اسے بلا کم وکاست پوری دنیا تک پہنچایا۔ اپنے اوطان چھوڑ دیے اور چہار دانگ عالم میں پھیل گئے۔ یہی وجہ ہے کہ آج اصحابِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مقابر ومزارات ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ملتے ہیں۔ چنانچہ ایک جماعت اگر اقصائے مشرق تک پہنچی تو دوسری نے انتہائے مغرب پر پڑاؤ ڈالا۔ ایک گروہ اگر شمال کی طرف نکلا تو دوسرا جنوب کے انتہائی کناروں تک جا پہنچا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ظاہری حیات مبارکہ میں بھی اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال پاک کے بعد بھی یہ معمول تھا کہ وہ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کے لیے شبانہ روز محنت کرتے تھے بلکہ ان کی زندگیاں اسی مقصد کے لیے

وقف تھیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور انفرادی تبلیغ

ابن اسحٰق علیہ الرحمۃ کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ کے سمجھدار لوگوں سے ملتے تو انہیں اسلام کی طرف دعوت دیتے۔ چنانچہ بہت سے لوگ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کوششوں سے اسلام کے دائرہ میں داخل ہوئے۔ حضرت زبیر بن عوام' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جیسے کبار صحابہ ﷺ کو انفرادی طور پر بالمشافہ آپ نے دعوت اسلام دی۔ وہ اسلام سے متاثر ہوئے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

حضرت عمر فاروق' حضرت عثمان غنی' حضرت علی مرتضیٰ' اور دیگر بڑے بڑے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کے معمولات مبارکہ میں بھی یہ شامل تھا کہ وہ لوگوں کو انفرادی طور پر دعوت اسلام دیتے رہتے۔ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں ان کا ایک نصرانی غلام ہوا کرتا تھا۔ جسے آپ ہمیشہ دعوت اسلام دیتے مگر وہ قبول نہ کرتا تھا۔ آپ فرماتے اے اسبق (غلام کا نام) دین میں جبر نہیں۔ اس لیے میں تجھے جبر سے مسلمان نہیں کرسکتا۔ اس کے دین حق کو قبول نہ کرنے کے باوجود آپ مایوس نہ ہوتے اور اسے دعوت اسلام دیتے رہتے۔ بوقت وصال آپ نے اسے آزاد کر دیا۔ بعد میں وہ مسلمان ہو گیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ بھی اس سلسلہ میں بہت مشہور ہے۔ ان کی والدہ مشرکہ تھیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والدہ کو اسلام کی دعوت دیتے رہتے جبکہ وہ انکار کرتی رہتیں۔ خود فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے والدہ کو اسلام کی دعوت دی۔ والدہ نے مجھے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بڑی ناقابل برداشت باتیں کہیں۔ میں رونے لگ گیا۔ روتا ہوا نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سارا معاملہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گوش گزار کیا اور التجا کی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ سے میری

والدہ کی ہدایت کے لیے دعا فرمائیں۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا فرمائی۔ اے اللہ ! ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کو ہدایت عطا فرما دے۔ میں خوشی میں گھر کو دوڑا۔ وہاں پہنچا تو دروازہ بند تھا۔ والدہ نے قدموں کی آواز سن کر کہا۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذرا ٹھہرو۔ میں نے پانی گرنے کی آواز سنی۔ (والدہ نہا رہی تھیں) میری والدہ نے (غسل سے فارغ ہوکر) جلدی سے کرتہ پہنا۔ جلدی میں انہیں اوڑھنی لینے کا خیال بھی نہ رہا۔ دروازہ کھولا' میری طرف دیکھا اور کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہوگئیں۔ میں خوشی سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں واپس آیا اور اس بات کی اطلاع دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کا شکر ادا فرمایا اور دعائے خیر فرمائی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ واقعہ' امام مسلم نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے علاوہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محترم صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن بھی ہمہ وقت تبلیغ اسلام کے لیے کوشاں رہتیں اور لوگوں کے اسلام میں داخل ہونے کی فکر میں لگی رہتیں۔ یہاں حضرت اُم سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا واقعہ تحریر کیا جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام لانے سے پہلے (میری والدہ) حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نکاح کے لیے پیغام دیا۔ انھوں نے کہا کہ اے ابوطلحہ ! کیا تم نہیں جانتے ہو کہ تم جس معبود کی عبادت کرتے ہو وہ تو زمین سے اگنے والا درخت ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہاں۔ ام سلیم نے کہا کہ درخت کو پوجتے ہوئے تمھیں شرم نہیں آتی۔ اگر تم اسلام لے آؤ تو میں تم سے اسلام کے علاوہ کسی قسم کے مہر کا مطالبہ نہیں کروں گی۔ انھوں نے کہا کہ اچھا میں تھوڑا سوچ لوں اور چلے گئے پھر کچھ دیر بعد آئے اور کلمہ شہادت اشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ پڑھ لیا تو حضرت ام سلیم نے کہا اے انس! میرا نکاح ابوطلحہ سے کردو۔ چنانچہ حضرت انس نے ان کا نکاح کروادیا۔ (احمد)

لوگوں کو انفرادی طور پر دعوت اسلام دینے کے سلسلہ میں حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ بھی مشہور اور ایمان افروز ہے۔

ابنِ اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قوم کے سخت سلوک کے باوجود ان کی بھلائی کی پوری کوشش کرتے اور دنیا اور آخرت کی جس مصیبت میں وہ گرفتار تھے اس سے چھٹکارا پانے کے لیے ان کو اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے قریش سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری طرح حفاظت فرمادی تو انھوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ لوگوں کو اور باہر سے آنے والے عربوں کو ڈراتے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنے سے روکتے۔ حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ وہ مکہ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی وہاں ہی تھے۔ حضرت طفیل بڑے معزز آدمی اور بہت بڑے شاعر اور بہت سمجھدار شخص تھے۔ قریش کے کچھ آدمی ان کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ اے طفیل! آپ ہمارے شہر میں آئے ہیں۔ یہاں یہ آدمی ہے جو ہمارے درمیان رہتا ہے۔ اس نے ہمیں بڑی پریشانی میں ڈالا ہے۔ ہماری جماعت میں اس نے پھوٹ ڈال دی ہے۔ اس کی بات میں جادو کا اثر ہے۔ وہ باپ بیٹے میں اور بھائی بھائی میں اور میاں بیوی میں جدائی پیدا کر دیتا ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہ جو مصیبتیں ہم پر آئی ہیں۔ کہیں وہ آپ پر اور آپ کی قوم پر نہ آن پڑیں لہٰذا آپ نہ تو اس سے بات کریں اور نہ اس کی سنیں۔ حضرت طفیل فرماتے ہیں کہ انھوں نے مجھ پر اتنا زور ڈالا اور اتنا پیچھے پڑے کہ میں نے فیصلہ کرلیا کہ میں نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات سنوں گا اور نہ ان سے بات کروں گا۔ یہاں تک کہ صبح جب میں مسجد کو جانے لگا تو کانوں میں روئی بھر لی کہ کہیں بلاارادہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی بات میرے کان میں نہ پڑ جائے۔ میں مسجد گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ کے پاس کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب کھڑا ہوگیا۔ اتنی احتیاط کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض الفاظ سنا ہی دیے۔ مجھے وہ بہت اچھا کلام محسوس ہوا۔ میں نے اپنے دل میں کہا میری ماں مجھ پر روئے۔ میں ایک سمجھدار آدمی ہوں اور شاعر ہوں۔ اچھے اور برے کلام میں فرق کرلیتا ہوں۔ کیا حرج ہے کہ میں ان کی بات سنوں اگر اچھی ہوئی تو قبول کرلوں گا، بری ہوئی تو چھوڑ دوں گا۔ میں وہاں انتظار کرتا رہا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوکر گھر کو تشریف لے چلے تو میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی پیچھے چل پڑا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر میں داخل ہو گئے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا اے محمد! آپ کی قوم نے مجھ سے یہ یہ کہا اور اللہ کی قسم! مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اتنا ڈرایا کہ میں نے اپنے کانوں میں اچھی طرح سے روئی بھر لی تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات نہ سن سکوں مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات سنا ہی دی۔ مجھے آپ کا کلام اچھا معلوم ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا پیغام میرے سامنے پیش کریں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سامنے اسلام کا پیغام پیش کیا اور مجھے قرآن سنایا۔ فرماتے ہیں اللہ کی قسم میں نے اس سے قبل اس سے زیادہ اچھی اور اس سے زیادہ انصاف والی بات نہیں سنی تھی۔ پس میں کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ میں نے عرض کیا یا نبی اللہ! میری قوم میری بات مانتی ہے۔ میں واپس جا کر انہیں اسلام کی دعوت دوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ وہ مجھے کوئی ایسی نشانی عطا فرمائے جس سے مجھے دعوت دینے میں مدد ملے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی۔ اے اللہ! اس کو کوئی نشانی عطا فرما۔ میں اپنی قوم کی طرف چل پڑا۔ جب وہ گھاٹی آئی جہاں سے میں اپنی آبادی والوں کو دکھائی دینے لگا تو میری دونوں آنکھوں کے درمیان چراغ کی طرح ایک چمکتا ہوا نور ظاہر ہوا۔ میں نے دعا مانگی۔ اے اللہ! اس نور کو میرے چہرے کی بجائے کسی دوسری جگہ ظاہر فرما دے کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ میری قوم کے لوگ (چہرے پر نور دیکھ کر) یہ کہیں گے کہ اُن کے دین کو چھوڑنے کی وجہ سے میرا چہرہ جل گیا ہے۔ پس وہ نور وہاں سے ہٹ کر میرے کوڑے کے سرے پر آ گیا۔ جب میں گھاٹی سے آبادی کی طرف نظر آ رہا تھا تو آبادی والوں کو میرے کوڑے کا وہ نور لٹکے ہوئے قندیل کی طرح دکھائی دے رہا تھا جسے وہ ایک دوسرے کو دکھا رہے تھے۔ یہاں تک کہ میں ان کے پاس پہنچ گیا۔ میں سواری سے اترا تو میرے والد آئے جو بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ میں نے ان سے کہا ابا جان! مجھ سے دور رہئے۔ آپ کا مجھ سے کوئی تعلق ہے اور نہ میرا آپ سے۔ وہ کہنے لگے اے میرے بیٹے کیوں؟ میں نے کہا کیونکہ میں اسلام لا چکا ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین قبول کر چکا ہوں۔ میرے والد کہنے لگے میرا دین بھی وہی ہے جو

تمھارا ہے۔ پس انھوں نے غسل کیا اور اپنے کپڑے پاک کیے پھر میرے پاس آئے۔ میں نے ان پر اسلام پیش کیا۔ انھوں نے اسلام کو قبول کر لیا پھر میری بیوی آئی میں نے اس سے کہا: پرے ہٹ۔ میرا تجھ سے کوئی تعلق ہے اور نہ تیرا مجھ سے۔ اس نے کہا کیوں؟ میرے ماں باپ آپ قربان ہوں۔ میں نے کہا اسلام کے سبب میرے اور تیرے درمیان جدائی ہوگئی ہے۔ پس وہ بھی مسلمان ہوگئی۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اجتماعی دعوتِ اسلام

ابنِ اسحاق علیہ الرحمۃ کا بیان ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنوثقیف کے پاس سے واپس ہوئے تو حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے چل پڑے اور مدینہ سے پہلے ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوگئے اور اسلام قبول کر لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بات کی اجازت کی درخواست کی کہ اسلام کو لے کر اپنی قوم کے پاس واپس جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ تمھیں مار ڈالیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنوثقیف کے سابقہ سلوک سے معلوم تھا کہ ان میں غرور اور ہٹ دھرمی ہے۔ حضرت عروہ نے کہا یا رسول اللہ! میں ان میں ان کی دوشیزہ لڑکیوں سے بھی زیادہ محبوب ہوں اور وہ حقیقتاً بنوثقیف میں بہت زیادہ محبوب تھے اور ان کی بات تسلیم کی جاتی تھی۔ پس وہ اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دینے کے ارادے سے واپس ہوئے۔ چونکہ ان کا بنوثقیف میں بڑا درجہ تھا۔ اس لیے وہ امید رکھتے تھے کہ بنوثقیف ان کی مخالفت نہیں کریں گے۔ چنانچہ وہ اپنے ایک بالاخانہ پر چڑھے اور ساری قوم کے سامنے اپنے اسلام لانے کا اظہار کیا اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ بنوثقیف نے ہر طرف سے ان پر تیر برسائے یہاں تک کہ انہیں ایک تیر ایسا لگا' جس سے وہ شہید ہوگئے۔ زخمی حالت میں ان سے پوچھا گیا آپ اپنے خون کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: یہ ایک انعام ہے جو اللہ نے مجھے عطا فرمایا ہے اور مجھے شہادت کا رتبہ دیا ہے اور میرا وہی مرتبہ ہے جو ان صحابہ ﷡ کا تھا جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واپس جانے سے پہلے شہید ہوئے تھے لہٰذا مجھے ان کے ساتھ

دفن کر دینا۔ چنانچہ لوگوں نے ان کو ان صحابہ ﷺ کے قریب دفن کیا۔ صحابہ ﷺ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا کہ سورۂ یٰسین میں (حبیب نجار) کے ساتھ ان کی قوم کا جو معاملہ ذکر ہوا ہے۔ حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کی قوم نے وہی معاملہ کیا ہے۔ حضرت عروہ ﷺ کی شہادت کے چند ماہ کے بعد بنو ثقیف نے آپس میں بیٹھ کر یہ سوچ و بچار کی کہ ارد گرد کے تمام عرب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت ہو کر اسلام لا چکے ہیں۔ اب ان میں مسلمانوں سے لڑنے کی طاقت نہیں رہی۔ پس انھوں نے یہ طے کیا کہ اپنا ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجیں چنانچہ عبد یالیل بن عمرو کو روانہ کیا اور اس کے ساتھ بنی احلاف کے دو آدمی اور بنی مالک کے تین آدمی بھیجے۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر یہ لوگ ایک چشمہ پر ٹھہرے وہاں ان کی ملاقات حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوئی کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ ﷺ کی سواریوں کو چرانے کی باری دے رہے تھے۔ وہ بنو ثقیف کے اس وفد کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے آنے کی خوشخبری دینے تیزی سے چلے۔ راستہ میں ان کی ملاقات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی۔ انھوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنو ثقیف کے بارے میں بتایا اور یہ کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت ہو کر اسلام لانا چاہتے ہیں بشرطیکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی شرط مان لیں اور ان کی قوم کے نام خط لکھ دیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا میں تمھیں قسم دیتا ہوں کہ مجھ سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مت جاؤ۔ میں جا کر خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع کرتا ہوں۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مان گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وفد کے آنے کی اطلاع دی اور حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفد کے پاس واپس آ گئے اور ان کو ساتھ لے کر ان کے جانور واپس لے آئے اور راستہ میں ان کو سکھایا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں سلام کیسے عرض کریں مگر انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جاہلیت والا سلام ہی کیا۔ جب یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو ان

کے لیے مسجد میں خیمہ نصب کیا گیا۔ حضرت خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور اس وفد کے درمیان واسطہ تھے۔ وہ اس وفد کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں سے کھانا لاتے اور جب تک حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کھانے میں سے کھا نہ لیتے وہ اس کو ہاتھ نہ لگاتے اور حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ان کے لیے خط تحریر کیا تھا۔ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہ شرط بھی رکھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین سال تک طاغیہ بت یعنی لات کو رہنے دیں' پھر وہ ایک ایک سال کم کرتے رہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انکار فرماتے رہے یہاں تک کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک ماہ کی مہلت مانگی کہ جس دن وہ لوگ مدینہ آئے ہیں اس دن سے ایک مہینہ تک کی مہلت شمار کر لی جائے اور انھوں نے اس مہلت کا مقصد یہ بتایا کہ وہ اس طرح اپنی قوم کے بیوقوف لوگوں کو ذرا مانوس کرنا چاہتے ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی قسم کی مہلت دینے سے انکار فرما دیا بلکہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حرب اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان لوگوں کے ساتھ روانہ فرمایا تاکہ یہ دونوں وہاں جا کر اس بت کو گرا کر آئیں۔ ان کا مطالبہ یہ بھی تھا کہ وہ نماز نہیں پڑھیں گے اور اپنے ہاتھوں سے اپنے بتوں کو نہیں گرائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ تو ہم مان لیتے ہیں کہ تم اپنے ہاتھ سے اپنے بت نہ توڑو (ہمارے بھیجے آدمی توڑیں گے) لیکن تم نماز نہ پڑھو۔ یہ بات نہیں مانی جا سکتی کیونکہ اس دین میں کوئی خیر نہیں جس میں نماز نہ ہو۔ انھوں نے کہا چلو ہم نماز پڑھ لیں گے ویسے ہے یہ گھٹیا عمل۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ بنوسعد بن بکر نے حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا نمائندہ بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں بھیجا۔ انھوں نے مدینہ پہنچ کر مسجد کے دروازے پر اپنے اونٹ کو بٹھایا اور رسی سے اس کی ٹانگیں باندھیں۔ پھر مسجد میں داخل ہوئے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت ضمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے مضبوط اور بہت زیادہ

بالوں والے آدمی تھے۔ ان کے سر پر دو زلفیں تھیں۔ آ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ ﷡ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور پوچھا آپ میں سے ابن عبدالمطلب کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں ہوں۔ انھوں نے کہا اے ابن عبدالمطلب! میں آپ سے کچھ پوچھوں گا اور اس پوچھنے میں سختی کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض نہ ہونا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں ناراض نہیں ہوں گا تم جو چاہو پوچھو۔ انھوں نے کہا: میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معبود ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے والوں اور بعد والوں کا بھی معبود ہے۔ کیا اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا بخدا ایسا ہی ہے۔ پھر انھوں نے کہا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معبود ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے والوں اور بعد والوں کا بھی معبود ہے۔ کیا اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں فرمائیں کہ ہم صرف اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ان بتوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا پوجا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بخدا ایسا ہی ہے پھر انھوں نے کہا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معبود ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے والوں اور بعد والوں کا بھی معبود ہے۔ کیا اللہ نے آپ کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہم پانچ نمازیں پڑھیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں پھر وہ زکوٰۃ' روزے' حج اور اسلام کے دیگر فرائض کے متعلق پوچھتے گئے اور ہر دفعہ اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتے تھے۔ جب ان سوالات سے فارغ ہو گئے تو کہا **اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ** اور میں ان تمام فرائض کو ادا کروں گا اور جن باتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع کیا ہے ان سے بچوں گا اور میں اس میں کمی یا زیادتی نہیں کروں گا۔ پھر واپس جانے کے لیے اپنے اونٹ کی طرف چل پڑے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر اس دو زلفوں والے آدمی نے سچ کہا ہے تو یہ ضرور جنت میں جائے گا۔ وہ اپنے اونٹ کے پاس آئے۔ اس کی رسی

کو کھولا اور واپس چل دیے۔ جب اپنی قوم میں پہنچے تو وہ سب ان کے پاس جمع ہو گئے تو سب سے پہلے انھوں نے کہا لات اور عزیٰ کا برا ہو۔ لوگوں نے کہا کہ اے ضمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموش رہو۔ کہیں اس طرح کہنے سے تم برص یا کوڑھ یا پاگل پن میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ انھوں نے کہا: تمھارا ناس ہو یہ لات اور عزیٰ۔ اللہ کی قسم! نہ نقصان دے سکتے ہیں اور نہ نفع۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بھیجا ہے اور ان پر اپنی کتاب اتاری ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس کتاب کے ذریعہ اس شرک سے نکال دیا ہے جس میں تم مبتلا تھے اور پھر کلمہ شہادت پڑھ کر سنایا: اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له وان محمدا عبده ورسوله اور انھوں نے تمھیں جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے اور جن کاموں سے منع کیا ہے۔ ان تمام احکام کو ان کے پاس سے لے کر میں تمھارے پاس آیا ہوں۔ راوی کا کہنا ہے کہ شام ہونے سے پہلے ان کی اس آبادی کا ہر مرد اور عورت مسلمان ہو چکا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ حضرت ضمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ثعلبہ سے زیادہ بہتر ہم نے کسی قوم کا نمائندہ نہیں دیکھا اور واقدی میں ہے کہ شام ہونے سے پہلے پہلے اس آبادی کا ہر مرد اور عورت مسلمان ہو چکا تھا۔ ان لوگوں نے مسجدیں بنائیں اور نماز کے لیے اذان دیا کرتے تھے۔ (ابنِ اسحٰق)

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے۔ ان کی انفرادی دعوت سے ان کے والد اور ان کی بیوی مسلمان ہوگئی تھیں مگر ان کی والدہ کافرہ ہی رہیں۔ پھر انھوں نے اپنی قوم کو اجتماعی دعوت اسلام دینا شروع کی مگر قوم نے اسے قبول نہ کیا چنانچہ خود فرماتے ہیں۔ پھر میں اپنے قبیلہ دوس کو اسلام کی دعوت دیتا رہا (مگر وہ نہ مانے) انھوں نے بہت دیر کر دی۔ آخر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں مکہ حاضر ہو کر عرض کیا: یا نبی اللہ! قبیلہ دوس نے مجھے ہرا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے لیے بددعا کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (بددعا کی بجائے) ان کے لیے دعا فرمائی کہ اے اللہ! دوس کو ہدایت دے دے (فرمایا) اپنی قوم میں واپس جاؤ اور ان کو دعوت دیتے رہو۔ مگر ان کے ساتھ نرم رویہ رکھو۔ چنانچہ میں واپس آیا اور قبیلہ دوس میں ٹھہر کر ان کو

اسلام کی دعوت دیتا رہا یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت فرمائی اور مدینہ تشریف لے گئے اور بدر اور احد اور خندق کے غزوات بھی ہو گئے پھر میں اپنی قوم کے مسلمانوں کو ساتھ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر گئے ہوئے تھے۔ میں دوس کے ستر یا اسی گھرانوں کو لے کر مدینہ پہنچا تھا۔ (ابنِ اسحٰق)

حضرت صالح بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حیرہ میں پڑاؤ ڈالا تو حیرہ کے معزز شرفاء قبیصہ بن ایاس بن حیہ طائی کے ساتھ شہر سے نکل کر حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے۔ قبیصہ کو کسریٰ نے نعمان بن منذر کے بعد حیرہ کا گورنر بنایا تھا۔ چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبیصہ اور اس کے ساتھیوں سے کہا کہ میں تمھیں اللہ اور اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اگر تم اسے قبول کر لو تو تم مسلمان شمار ہو گے اور جو حقوق مسلمانوں کو حاصل ہیں وہ تمھیں ملیں گے اور جو ذمہ داریاں مسلمانوں پر عائد ہیں، وہ تم پر ہوں گی۔ اگر تم (اسلام قبول کرنے سے) انکار کرو تو پھر جزیہ ادا کرو اور اگر اس سے بھی انکار کرو تو میں تمھارے پاس ایسے لوگوں کو لے کر آیا ہوں کہ تمھیں زندہ رہنے کا جتنا شوق ہے ان کو اس سے کہیں زیادہ مرنے کا شوق ہے۔ ہم تم سے لڑیں گے یہاں تک کہ اللہ ہی ہمارے اور تمھارے درمیان فیصلہ کر دے۔ (ابنِ جریر)

قوم باہلہ کو دعوت اسلام دینے کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا۔ آپ انہیں میں سے تھے۔ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری قوم باہلہ کی طرف بھیجا تاکہ میں ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاؤں اور ان پر احکام اسلام پیش کروں۔ جب میں اپنی قوم کے پاس پہنچا تو وہ اپنے اونٹوں کو پانی پلا چکے تھے اور ان کا دودھ دوھ کر پی چکے تھے۔ انھوں نے مجھے دیکھا تو کہا صدی بن عجلان کو خوش آمدید ہو اور انھوں نے یہ کہا کہ ہمیں پتہ چلا ہے کہ تم اس آدمی کی طرف مائل ہو گئے ہو۔ میں نے کہا نہیں میں تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا ہوں اور مجھے اللہ کے رسول نے تمھاری طرف بھیجا ہے تاکہ میں تم پر اسلام اور اس کے احکام پیش کروں۔ فرماتے ہیں کہ ہماری یہ باتیں

جاری تھیں کہ وہ کھانے کا ایک بڑا پیالہ لے آئے اور اسے درمیان میں رکھ کر سب اس کے گرد جمع ہو گئے اور اس میں سے کھانے لگے اور مجھ سے کہا: اے صدی! تم بھی آ جاؤ۔ میں نے کہا کہ تمھارا بھلا ہو۔ میں تمھارے پاس ایسی ہستی کی طرف سے آ رہا ہوں جو اللہ کا نازل کردہ یہ حکم بتاتے ہیں کہ جو جانور ذبح نہ کیا جائے وہ تم پر حرام ہے۔ انھوں نے پوچھا کہ اس کے بارے میں انھوں نے کیا حکم دیا ہے؟ میں نے کہا کہ یہ آیت اتری ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ سے لے کر وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ۔

''حرام کیا گیا تم پر مردار اور خون اور گوشت خنزیر کا'' سے لے کر ''اور یہ کہ تم تقسیم کرو جوئے کے تیروں کے ساتھ۔'' تک۔

پس میں ان کو اسلام کی دعوت دیتا رہا مگر وہ انکار کرتے رہے۔ میں نے کہا تمھاری خیر ہو مجھے پانی تو دو میں بہت پیاسا ہوں۔ انھوں نے کہا: ہم پانی نہیں دیں گے تاکہ تم پیاسے ہی مر جاؤ۔ میرے پاس پگڑی تھی میں نے اس میں اپنا سر لپیٹا اور سخت گرمی میں ریت پر لیٹ گیا۔ میری آنکھ لگ گئی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی میرے پاس کچ کا گلاس لے کر آیا اس سے زیادہ خوبصورت گلاس کسی نے نہ دیکھا ہوگا اور اس میں پینے کا ایسا مشروب تھا۔ جس سے زیادہ لذیذ اور پر کشش کسی نے نہ پایا ہوگا۔ اس نے وہ گلاس مجھے دیا جسے میں نے پی لیا۔ میں پی چکا تو میری آنکھ کھل گئی اور اللہ کی قسم! اس کے بعد پھر مجھے کبھی پیاس نہیں لگی اور اب مجھے یہ بھی نہیں پتہ کہ پیاس کیا چیز ہے۔ (طبرانی)

ابو یعلی نے اس حدیث کو مختصراً بیان کیا ہے جس کے آخر میں یہ ہے کہ میری قوم کے ایک شخص نے ان سے کہا: تمھاری قوم کے سرداروں میں سے ایک آدمی آیا ہے اور تم نے اس کی کوئی خاطر تواضع نہیں کی۔ پس وہ میرے پاس دودھ لے کر آئے۔ میں نے ان سے کہا: مجھے اس کی ضرورت نہیں (پھر ان کو اپنا خواب بتایا) اور اپنا پیٹ ان کو دکھایا (جو بھرا ہوا تھا) جس پر وہ سب اسلام لے آئے۔

حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت

خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے یمن بھیجا۔ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جانے والے لشکر میں میں بھی تھا۔ ہم چھ ماہ وہاں ٹھہرے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو دعوت دیتے رہے مگر انھوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہاں بھیجا اور ان سے فرمایا کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو واپس بھیج دو اور ان کے ساتھیوں میں سے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ وہاں رہنا چاہیں وہ رہ جائیں۔ چنانچہ حضرت براء فرماتے ہیں کہ میں بھی ان لوگوں میں تھا جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رہ گئے تھے۔ جب ہم اہل یمن کے نزدیک پہنچے تو وہ بھی مقابلے کے لیے نکل کر ہمارے سامنے آ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھے اور ہمیں نماز پڑھائی پھر انھوں نے ہماری ایک صف بنادی اور ہم سے آگے کھڑے ہو کر ان لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط پڑھ کر سنایا۔ چنانچہ قبیلہ ہمدان سارے کا سارا مسلمان ہو گیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں قبیلہ ہمدان کے مسلمان ہو جانے کی خوشخبری کا خط بھیجا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ خط پڑھا تو فوراً سجدہ میں گر گئے۔ پھر آپ نے سجدے سے سر اٹھایا اور قبیلہ ہمدان کو دعا دی کہ ہمدان پر سلامتی ہو، ہمدان پر سلامتی ہو۔ (بیہقی)

فضائل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم

یہاں ہم صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے فضائل کو مختصراً ذکر کریں گے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے دعوت و تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں جو کارہائے عظیم سرانجام دیے ان کے ذکر کے ساتھ مختصراً فضائل صحابہ ﷺ کا بیان خالی از فائدہ نہیں۔ موجودہ دور کے بڑے بڑے فتنوں اور قبیح گمراہیوں میں سے ایک صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حقوق اور فضائل و مناقب سے بے خبری ہیں۔ عام مشاہدہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کو سب و شتم کی تحریک دن بدن زور پکڑ رہی ہے۔ اس گمراہ کن تحریک کے منحوس

اثرات سے مسلمانوں کو بچانے کا ایک موثر طریقہ یہ ہے کہ صحابہ کرام ﷺ کے فضائل ومناقب اور حقوق و آداب کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی جائے۔

صحابی کی تعریف

جو مسلمان بحالتِ ایمان حضورِ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات سے سرفراز ہوئے اور ایمان ہی پر ان کا خاتمہ ہوا' ان خوش نصیب مسلمانوں کو''صحابی'' کہتے ہیں۔ ان صحابیوں کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔ چنانچہ حضرت امام بیہقی کی روایت ہے کہ حجۃ الوداع میں ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ حج کے لیے مکہ مکرمہ میں جمع ہوئے اور بعض دوسری روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حجۃ الوداع میں صحابۂ کرام ﷺ کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی۔ واللہ اعلم بالصواب

(زرقانی ج ۳ ص ۱۰۶' مدارج جلد ۲ ص ۳۸۷ بحوالہ کرامات صحابہ)

مزید آسان لفظوں میں صحابی سے مراد وہ مسلمان ہے جس نے ایمان کی حالت میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا یا اسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھا۔ اس حال میں کہ وہ مسلمان تھا (ان الفاظ کے ذریعے نابینا صحابہ ﷺ کو شامل تعریف کیا گیا ہے) اور ایمان ہی پر اس کا خاتمہ ہوا۔

صحابہ کرام ﷺ افضل الاولیا ہیں

تمام علمائے اُمت کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ''افضل الاولیاء'' ہیں۔ یعنی قیامت تک کے تمام اولیاء اگرچہ وہ درجہ ولایت کی بلندترین منزل پر فائز ہو جائیں مگر ہرگز ہرگز کبھی بھی وہ کسی صحابی کے کمالات ولایت تک نہیں پہنچ سکتے۔ خداوندِ قدوس نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شمع نبوت کے پروانوں کو مرتبۂ ولایت کا وہ بلند و بالا مقام عطا فرمایا ہے اور ان مقدس ہستیوں کو ایسی ایسی عظیم الشان کرامتوں سے سرفراز فرمایا کہ دوسرے تمام اولیاء کے لیے

اس معراجِ کمال کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ (کرامات صحابہ)

اُمت میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے برابر کوئی نہیں

ابراہیم بن سعید جوہری راوی ہیں کہ میں نے حضرت ابوامامہ سے پوچھا کہ ''حضرت معاویہ اور عمر بن عبدالعزیز میں سے کون افضل ہے؟'' تو انھوں نے فرمایا:

لانعدل باصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم احدا.

ترجمہ: ''یعنی ہم کسی کو اصحابِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے برابر نہیں سمجھتے۔''

(الروضۃ الندیۃ)

عظمتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللهِ وَ رِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا. (الفتح:۲۹)

ترجمہ: محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں...... کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے ہوئے' سجدہ کرتے ہوئے۔ ڈھونڈتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا۔ ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے' سجدوں کے نشان سے یہ صفت ہے ان کی تورات میں اور صفت ان کی انجیل میں۔ جیسے کھیتی کہ اس نے اپنا پٹھا نکالا پھر اس کو طاقت دی' اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہوگئی۔ لگتی ہے بھلی کسانوں کو۔ تاکہ ان سے کافروں کے دل جلیں۔ اللہ نے وعدہ فرمایا ہے ان سے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے' بخشش کا اور بڑے ثواب کا۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فلاح یافتہ ہیں

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (الاعراف:۱۵۷)

ترجمہ: وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو نبی اُمی ہیں ان کو پاتے ہیں۔ لکھا ہوا اپنے پاس توریت اور انجیل میں۔ وہ رسول حکم کرتے ہیں ان کو نیکی کا اور منع کرتے ہیں برائی سے اور حلال کرتے ہیں ان کے لیے سب پاک چیزیں اور حرام کرتے ہیں ان پر ناپاک چیزیں اور ان پر سے ان کے بوجھ اتارتے ہیں اور وہ قیدیں جو ان پر تھیں۔ پس وہ ان پر ایمان لائے اور ان کا ساتھ دیا اور ان کی مدد کی اور پیروی کی اس نور کی جو ان کے ساتھ نازل کیا گیا تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

انصار و مہاجرین سچے مومن ہیں

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ. (الانفال:۷۴)

ترجمہ: اور جو ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور جنھوں نے جہاد کیا اللہ کی راہ میں اور جنھوں نے انہیں جگہ دی اور ان کی مدد کی۔ یہ سب سچے مومن ہیں ان کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔

مہاجرین و انصار سچے مومن اور فلاح یافتہ ہیں

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ. وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ

الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (الحشر: ۸'۹)

ترجمہ: (یہ مال فئی) ان مفلس مہاجروں کے لیے ہے جنہیں نکالا گیا۔ اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے' جو آئے ہیں تلاش کرتے ہوئے' اللہ کا فضل اور اس کی رضا اور جو مدد کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی۔ وہی لوگ سچے ہیں اور (فئی کا مال ان کا بھی حق ہے) جو لوگ پہلے سے دار ہجرت میں مقیم ہیں اور ایمان پر قائم ہیں محبت کرتے ہیں ہر اس شخص سے جو ہجرت کر کے آیا' ان کی طرف اور نہیں پاتے اپنے سینوں میں تنگی اس چیز سے جو مہاجروں کو دی جائے اور انہیں اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں خواہ انہیں خود ضرورت ہو اور جو بچایا گیا اپنے نفس کے لالچ سے تو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لیے ایمان کو پسند فرمالیا ہے

وَاعْلَمُوْا أَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ أُولٰٓئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ O فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔

(حجرات: ۷'۸)

ترجمہ: اور جان لو کہ بے شک تمھارے درمیان رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) ہیں اگر وہ اکثر کاموں میں تمھاری بات مان لیں تو تم تکلیف میں پڑ جاؤ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے ایمان کو پسندیدہ بنا دیا اور اسے تمھارے دلوں میں مزین کر دیا اور کفر و نافرمانی اور گناہ کو تمھارے لیے ناپسندیدہ بنا دیا۔ ایسے ہی لوگ ہدایت والے ہیں اللہ کے فضل اور اس کی نعمت سے اور اللہ جاننے والا ہے' حکمت والا ہے۔

صحابہ کرام کو اسلام پر اللہ تعالیٰ نے خود قائم فرمایا ہے

فَإِنْ يَكْفُرْ بِهَا هٰؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَيْسُوْا بِهَا بِكَافِرِيْنَ۔ (انعام:۸۹)

ترجمہ: اور اگر وہ (مکہ کے کافر) اس سے (یعنی اسلام سے) کفر کریں تو تحقیق ہم نے اس پر ایسی قوم مقرر فرمائی ہے جو اس کے ساتھ کفر کرنے والی نہیں (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم)''

صحابہ کرام ؓ کبھی دین سے نہ پھرے وگرنہ اللہ تعالیٰ ان کی جگہ کسی اور قوم کو لے آتا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ط۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔

(المائدۃ:۵۴)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! جو کوئی پھرے گا تم میں سے اپنے دین سے' تو عنقریب اللہ ایک ایسی قوم لے آئے گا کہ اللہ ان کو چاہے گا اور وہ اللہ کو چاہیں گے۔ مومنوں کے لیے نرم ہوں گے اور کافروں کے لیے سخت۔ جہاد کریں گے اللہ کی راہ میں اور ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے' عطا فرماتا ہے اور اللہ وسعت والا' علم والا ہے۔''

مشہور صحابہ کرام ؓ میں سے کوئی کبھی مرتد نہیں ہوا

لم يرتد من الصحابة احدو انما ارتد قوم من جفاة الاعراب ممن لانصرة له في الدين و ذلك لايوجب قدحا في الصحابة المشهورين۔

(فتح الباری)

ترجمہ: صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کوئی بھی مرتد نہ ہوا۔ جاہل اعرابیوں کا ایک گروہ جن کا دین کی نصرت میں کوئی حصہ نہ تھا (بلکہ انھوں نے صرف زبان سے کلمہ پڑھ لیا تھا) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں مرتد ہو گیا تھا مگر اس سے مشہور صحابہ کرام

رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر کوئی اعتراض (یا شبہ) وارد نہیں ہوتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر کیسے کیا جائے

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَاتَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ. (الحشر:۱۰)

ترجمہ: اور وہ لوگ جو ان (مہاجرین وانصار) کے بعد آئے۔ وہ کہتے ہیں' اے ہمارے رب' معاف کر دے ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ایمان میں ہم سے پہلے تھے اور ہمارے دلوں کو ان لوگوں کے لیے جو ایمان والے ہیں۔ کینے سے محفوظ فرما دے۔ اے ہمارے رب بے شک تو مہربان ہے رحم فرمانے والا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو طعن و تشنیع کرنا

اللہ تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار ہونے کا سبب ہے

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لاتسبوا اصحابی فان احدکم لو أنفق مثل احد ذهباً مابلغ مد احدهم ولانصفه. (جمع الفوائد)

ترجمہ: میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا نہ کہو اس لیے کہ تم میں سے اگر کوئی آدمی اُحد پہاڑ کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو صحابی کے خرچ کیے ہوئے ایک مد بلکہ آدھے مد کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔ (بخاری' مسلم' ابوداؤد' ترمذی بحوالہ جمع الفوائد)

الله الله فی اصحابی لاتتخذوهم عرضا بعدی فمن احبهم فبحبی احبهم ومن ابغضهم فببغضی ابغضهم ومن اذاهم فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی الله ومن اذی الله فیوشك ان یاخذه. (جمع الفوائد)

ترجمہ: میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے معاملے میں اللہ سے ڈرو' اللہ سے ڈرو۔ میرے بعد اُن کو طعن و تشنیع

کا نشانہ نہ بنا لینا کیوں کہ جس شخص نے ان سے محبت کی میری محبت کے ساتھ ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا میرے بغض کے ساتھ ان سے بغض رکھا اور جس نے انہیں ایذا پہنچائی اس نے مجھے ایذا پہنچائی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی اور جو اللہ کو ایذا دے تو قریب ہے کہ اللہ اس کو عذاب کی گرفت میں لے لے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا کہنے والے اللہ کی لعنت کے مستحق ہیں

ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اذا رأيتم الذين يسبون اصحابى فقولوا لعنة الله على شركم.

ترجمہ: جب تم ایسوں کو دیکھو جو میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا کہیں تو ان سے کہو کہ تم میں سے بدتر پر خدا کی لعنت ہو۔ (جمع الفوائد)

ابوداؤد و ترمذی میں حضرت سعید بن زید سے منقول ہے کہ انھوں نے سنا کہ بعض لوگ بعض امراء حکومت کے روبرو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو برا کہتے ہیں تو حضرت سعید بن زید نے فرمایا افسوس کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمھارے سامنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو برا کہا جاتا ہے اور تم اس پر گرفت نہیں کرتے اور اس کو نہیں روکتے۔ (آگاہ ہو جاؤ) میں نے اپنے کانوں سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے اور پھر (حدیث بیان کرنے سے پہلے) فرمایا کہ یہ بھی جان لو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف غلط بات منسوب کرنے کی مجھے کوئی ضرورت نہیں کہ قیامت کے روز جب میں آپ سے ملوں تو آپ مجھ سے اس کا مواخذہ فرمائیں پھر آپ نے حدیث بیان کی کہ ابوبکر جنت میں ہیں، عمر جنت میں ہیں، عثمان جنت میں ہیں، علی جنت میں ہیں، طلحہ جنت میں ہیں، زبیر جنت میں ہیں، سعد بن مالک جنت میں ہیں، عبدالرحمٰن بن عوف جنت میں ہیں، ابوعبیدہ بن جراح جنت میں ہیں۔ ان نو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد دسویں کا نام نہیں لیا۔ لوگوں نے کہا "دسواں کون ہے؟" فرمایا

''سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین (اپنا نام پہلے عاجزی کی وجہ سے ذکر نہ فرمایا) پھر حضرت سعید بن زید نے فرمایا:

واللہ لمشھد رجل منھم مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یغبر فیہ وجھہ خیر من عمل احدکم ولو عمر عمر نوح۔

(جمع الفوائد)

ترجمہ: اللہ کی قسم! صحابہ کرام ﷡ میں سے کسی کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کسی جہاد میں شرکت کرنا جس میں اس کا چہرہ غبار آلود ہوا، تم غیر صحابہ ﷡ میں سے کسی شخص کے عمر بھر کے عمل سے بہتر ہے اگرچہ وہ نوح علیہ السلام کی عمر جیے۔

بربادی ہے ان لوگوں کے لیے جو صحابہ ﷡ کو برا کہتے ہیں

یاویل من ابغضھم اوسبھم اوسب بعضھم (الی قولہ) فاین ھولاء من الایمان بالقرآن اذیسبون من رضی اللہ عنھم۔ (ابن کثیر)

ترجمہ: بربادی ہے ان لوگوں کے لیے (عذابِ الیم کی) جو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے دشمنی رکھتے ہیں یا ان سب کو یا ان میں سے بعض کو برا کہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا ایمان بالقرآن سے کیا تعلق کہ وہ ان مقدس ہستیوں کو برا کہتے ہیں (جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرما چکا کہ) اللہ ان سب سے راضی ہو گیا۔

صحابہ ﷡ کو اللہ تعالیٰ نے آپس میں بھائی بھائی بنا دیا اور وہ جہنم کی آگ سے محفوظ ہیں

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا. (آل عمران:۱۰۳)

ترجمہ: اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو اس نے تم پر کی کہ تم آپس میں دشمن تھے پھر اس نے تمھارے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی۔ پس تم اس کے احسان سے بھائی بھائی بن گئے اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے۔ اللہ نے تمھیں اس سے بچا لیا۔

صحابہ کرامؓ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوت ہیں

هُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ۝ وَ اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ. یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (انفال: ۶۲، ۶۳، ۶۴)

ترجمہ: وہی ہے جس نے (اے نبی) آپ کو اپنی مدد سے قوت دی اور ایمان والوں سے اور ان کے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی اگر آپ تمام روئے زمین کی دولت خرچ کر دیتے تو بھی ان کے دلوں میں اُلفت پیدا نہ کر سکتے لیکن اللہ نے ان میں باہم اُلفت پیدا کر دی بے شک وہ غالب حکمت والا ہے۔ اے نبی اللہ آپ کے لیے کافی ہے اور جو ایمان والے آپ کی پیروی میں ہیں۔

مہاجرین وانصار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر اللہ تعالیٰ مہربان ہے

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِیِّ وَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ یَزِیْغُ قُلُوْبُ فَرِیْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ. وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَیْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَ ظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَیْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ لِیَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ. (التوبہ: ۱۱۷، ۱۱۸)

ترجمہ: تحقیق اللہ مہربان ہوا نبی پر اور مہاجرین اور انصار پر جنھوں نے پیروی کی نبی کی مشکل کی گھڑی میں بعد اس کے کہ قریب تھا کہ دل پھر جائیں ایک فریق کے ان میں سے پھر اللہ مہربان ہوا ان پر۔ بے شک وہ ان کے لیے مہربان ہے رحم کرنے والا اور ان تین پر جو پیچھے رہ گئے تھے۔ حتی کہ جب تنگ ہوگئی اُن پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے اور تنگ ہوگئیں ان پر ان کی اپنی جانیں اور وہ جان گئے کہ اللہ سے کہیں پناہ نہیں۔ مگر اسی کی طرف، پھر اس نے مہربانی کی ان پر تا کہ وہ اس کی طرف رجوع لائیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہی مہربان رحم والا ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْيُبَا يِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَافِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحاً قَرِيْباً وَّ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْماً. وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْ نَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِه وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَ يَهْدِيَكُمْ صِرَاطاً مُّسْتَقِيْماً وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْراً -ط

(الفتح:۱۸،۱۹)

''تحقیق اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے (یعنی صحابہ کرام ﷺ سے) جب وہ (اے نبی) آپ سے بیعت کر رہے تھے اس درخت کے نیچے' پھر اللہ نے معلوم کر لیا جو ان کے دلوں میں تھا پھر اُتارا ان پر اطمینان اور اس کے بدلہ میں دی ان کو ایک فتح نزدیک اور بہت سی غنیمتیں' جن کو وہ لیں گے اور اللہ غالب ہے حکمت والا ہے اور اللہ نے وعدہ فرمایا تم لوگوں سے بہت سی غنیمتوں کا' جن کو تم لو گے' تو اس نے یہ انعام تم کو جلدی عطا فرمایا۔ اور روک دیا لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے تاکہ یہ ایمان والوں کے لیے نشانی ہو جائے اور اللہ نے ہدایت دی تم کو صراطِ مستقیم کی اور کچھ ایسی غنیمتوں کا بھی اللہ نے وعدہ کیا ہے جن پر تم کبھی قادر نہ ہوئے۔ اللہ نے ان کو گھیر لیا اور بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے۔''

یہاں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مخلص مومن ہونے اور ان سے راضی ہو جانے کی تصریح کی ہے۔ نیز ان کے دلوں پر سکینہ نازل فرمایا جس سے وہ ایمان پر استقامت پکڑ گئے۔ انہیں خیبر اور مکہ کے فتح ہونے اور کثیر مالِ غنیمت ملنے کی خوشخبری دی جو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ ظاہری میں پوری ہوئی۔ واخری لم تقدروا علیھا کے الفاظ کے ساتھ ایک اور فتح اور بہت بڑی غنیمت کی بشارت دی جن پر عرب والے کبھی بھی قادر نہ ہو سکتے تھے مگر اللہ نے قادر کر دیا۔ اس سے مراد روم و فارس کی فتح اور وہاں کے غنائم ہیں جو خلفاء ثلاثہ کے عہد میں حاصل ہوئے۔

مہاجرین وانصار سے اللہ تعالیٰ راضی ہو چکا ہے

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ. (التوبہ:۱۰۰)

ترجمہ: اور جو لوگ (اسلام میں) پرانے ہیں جو (ایمان لانے میں) سب سے پہلے ہیں مہاجروں میں سے اور انصار میں سے اور جو ان کے پیرو ہوئے نیکی کے ساتھ، اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے اور اللہ نے تیار کر رکھے ہیں ان کے لیے باغات جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہ ہے بڑی کامیابی۔

اللہ جس سے راضی ہو گیا پھر اس سے ناراض نہ ہوگا

ومن رضی اللہ عنہ لم یسخط علیہ ابدا ان شاء اللہ تعالیٰ.

ترجمہ: اور جس سے اللہ راضی ہو گیا پھر اس سے ناراض نہ ہوگا، انشاء اللہ تعالیٰ (ابنِ کثیر)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تقویٰ لازم وملزوم ہیں

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۔ (الفتح:۲۶)

ترجمہ: پھر اللہ نے سکینہ نازل فرمایا اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر اور ان کے لیے تقویٰ کے کلمہ کو لازم کر دیا اور وہ اس کے سب سے زیادہ حق دار اور اہل تھے اور اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی کثرتِ عبادت کی تعریف

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ. (المزمل:۲۰)

ترجمہ: بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ عبادت میں کھڑے ہوتے ہیں قریب دو تہائی

رات اور کبھی آدھی اور کبھی تہائی تک اور ایک گروہ ان لوگوں کا جو آپ کے ساتھ ہیں (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم)‘‘

کاتبین وحی کی تعریف

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ، فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ O فِيْ صُحُفٍ مُكَرَّمَةٍ O مَرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ O بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ O كِرَامٍ بَرَرَةٍ O ۔ (عبس: ۱۱ تا ۱۶)

ترجمہ: ’’آگاہ ہو جاؤ کہ یہ ایک نصیحت ہے تو جو چاہے اُسے یاد کرے ان صحیفوں میں جو عزت والے، بلند مرتبہ اور پاکیزہ ہیں اور جو بزرگ نیکوکار لکھنے والوں کے ہاتھ میں ہیں۔‘‘

اس آیت میں حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کرام کی تعریف ہے۔ ان کو بزرگ اور نیکوکار فرمایا گیا ہے۔ یہ ان صحابہ کرام ﷺ کی بابت ہے جو قرآن مجید کی کتابت کرتے تھے جیسے حضرت عثمان، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اس آیت کی تفسیر میں سفرۃ کرام پورہ سے فرشتوں کو مراد کیا۔ سیاق قرآن کے مطابق نہیں کیونکہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے کہ یہ نصیحت ان پاکیزہ ورقوں میں ملے گی جو بزرگ نیوکار لوگوں کے ہاتھ میں ہیں۔ فرشتوں کے ہاتھ میں جو چیز ہے وہ انسانوں کی نظر سے غائب ہے۔ اس سے نصیحت کیونکر حاصل ہو سکتی ہے۔‘‘ (شان صحابہ)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فوج درفوج اسلام سے سرفراز ہوئے

وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۔ (النصر: ۲)

ترجمہ: اور آپ نے لوگوں کو فوج درفوج اللہ کے دین میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور انعامات الٰہیہ

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ۔ (نور: ۵۵)

ترجمہ: ''تم میں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے' اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ ضرور ان کو زمین میں خلافت عطا فرمائے گا جیسے خلافت عطا فرمائی ان کو جو پہلے ہوئے ہیں اور ضرور ان کے دین کو جما دے گا جسے ان کے لیے پسند فرمایا اور ضرور بدل دے گا ان کے خوف کو امن سے۔ وہ میری ہی بندگی کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نفاق سے محفوظ ہیں

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنَافِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَا اِلَّا قَلِيْلًا مَّلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا۔ (احزاب:٦٠)

ترجمہ: ''تحقیق منافق اور وہ جن کے دلوں میں مرض ہے اور مدینہ میں جھوٹی خبریں اُڑانے والے اگر باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان کے پیچھے لگا دیں گے پھر وہ اس (شہر) میں آپ کے ساتھ نہ رہ پائیں گے مگر تھوڑے دن' وہ بھی پھٹکارے ہوئے جہاں پائے گئے' پکڑ لیے گئے اور جان سے مار دیے گئے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم قیامت کی رسوائی سے محفوظ ہیں

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ. (تحریم : ٨)

ترجمہ: اس دن اللہ تعالیٰ رسوا نہیں کرے گا نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اور ان ایمان والوں کو جو ان کے ساتھ ہیں۔ (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم)

بیعت رضوان میں شریک صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی جہنم میں داخل نہیں ہوگا

لا یدخل النار احد ممن بایع تحت الشجر.

ترجمہ: جن لوگوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ہے یعنی بیعت رضوان ان میں سے کوئی جہنم میں داخل نہ ہوگا۔ (ابن عبدالبر بسندہٖ فی الاستیعاب)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد تمام مخلوق سے افضل ہیں

ان اللہ نظر فی قلوب العباد فنظر قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فبعثه برسالته ثم نظر فی قلوب العباد بعد قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوجد قلوب اصحابه خیر قلوب العباد. فاختارهم لصحبة نبیه و نصرة دینه۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے سب بندوں کے دلوں کو دیکھا تو حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قلب کو ان سب میں بہتر پایا پس ان کو اپنی رسالت کے ساتھ بھیجا' پھر قلب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد دوسرے قلوب کو دیکھا تو اصحابِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دلوں کو باقی بندوں کے دلوں سے بہتر پایا تو ان کو اپنے نبی کی صحبت اور دین کی نصرت کے لیے منتخب کر لیا۔ (ابوداؤد طیالسی بروایت عبداللہ بن مسعود بحوالہ سفارینی)

عظمتِ خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم

مسند بزار میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ اختار اصحابی علی العالمین سوی النبیین والمرسلین و اختارلی من اصحابی اربعة یعنی ابابکر و عمر و عثمان و علیا فجعلهم اصحابی وقال فی اصحابی کلهم خیر.

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے انبیاء ومرسلین کے علاوہ باقی تمام مخلوق میں سے میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو منتخب فرمایا پھر تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے چار یعنی ابوبکر' عمر' عثمان اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو میرے لیے چنا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے سارے کے سارے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بہتر ہیں۔ (یعنی تمام اُمت سے) (بزار)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انه من یعش منکم فسیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء

الراشدین عضوا علیھا بالنواجذوایاکم ومحدثات الامور فان کل بدعة ضلالة. (رواہ الامام احمد و ابوداؤد الترمذی و ابن ماجه وقال الترمذی حدیث حسن صحیح وقال ابونعیم حدیث جید صحیح)

ترجمہ: تم میں سے جو کوئی میرے بعد زندہ رہے گا تو وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ پس (ایسے وقت میں) لازم ہے تم لوگوں پر کہ میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو اختیار کرو اور اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑ لو اور بچ کر رہو ان تمام کاموں سے جو نئے ایجاد کیے گئے (یعنی جن کی دین میں کوئی بنیاد نہ ملتی ہو بلکہ وہ دین کی بنیادوں کو ڈھانے والے اور فرائض و واجبات کو روکنے کا سبب بننے والے اور حدود اللہ کو توڑنے کا موجب ہوں) اس لیے کہ ہر نئی راہ گمراہی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا زمانہ سب زمانوں سے بہتر ہے

حضرت عمران بن حصین سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

خیرالناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم فلاادری ذکر قرنین اوثلاثة۔ (جمع الفوائد)

ترجمہ: لوگوں میں بہترین زمانہ میرا ہے پھر ان لوگوں کا جو اس سے متصل ہے پھر ان لوگوں کا جو اس سے متصل ہے۔ پھر ان لوگوں کا جو اس سے متصل ہے۔ راوی کا کہنا ہے کہ مجھے یاد نہیں کہ متصل لوگوں کا ذکر دو مرتبہ فرمایا یا تین مرتبہ۔

چنانچہ اس حدیث میں متصل آنے والوں کا ذکر اگر دو دفعہ فرمایا ہے تو دوسرا زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اور تیسرا تابعین کا ہے اور اگر تین دفعہ فرمایا ہے تو چوتھا قرن تبع تابعین کا ہوگا جو اس میں شمار کیا جائے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی پیروی سب سے بہتر ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:

من کان متاسیا فلیتاس باصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فانھم ابرھذہ الامة قلوبا و اعمقھا علما و اقلھا تکلفا و اقومھا ھدیا و احسنھا حالا

قوم اختارهم الله بصحبة نبيه و اقامة دينه فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوا آثارهم فانهم كانوا على الهدى المستقيم. (شرح عقیدہ سفارینی)

ترجمہ: جو شخص کسی کی پیروی کرنا چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرے کیونکہ یہ حضرات ساری اُمت سے زیادہ اپنے قلوب کے اعتبار سے پاک ہیں اور اپنے علم کے اعتبار سے ساری امت سے زیادہ گہرے ہیں اور پوری اُمت میں سب سے زیادہ تکلف و تصنع میں کم ہیں اور عادات میں تمام اُمت سے بڑھ کر اعتدال پہ ہیں اور حالات میں سب سے اچھے ہیں۔ صحابہ کرام ﷺ ایسی قوم ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت اور اپنے دین کی اقامت کے لیے منتخب فرمایا پس تم ان کی فضیلت پہچانو اور ان کے نقوشِ پا کی پیروی کرو کیونکہ یہی لوگ سیدھے راستے پر ہیں۔

حضرت ابو اراکہ فرماتے ہیں کہ "میں نے ایک روز حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے اور داہنی طرف رُخ کر کے بیٹھ گئے تو یوں دکھائی دے رہا تھا کہ آپ بے چین اور غمگین ہیں۔ حتیٰ کہ جب سورج مسجد کی دیوار سے ایک نیزہ بلند ہوا تو آپ نے دو رکعت نماز ادا کی پھر اپنے ہاتھ کو پلٹ کر فرمایا کہ "اللہ کی قسم! میں نے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دیکھا ہے آج ان جیسا کوئی نظر نہیں آتا ہے۔" صبح کے وقت ان کی یہ حالت ہوتی تھی کہ رنگ زرد اور بال بکھرے ہوئے اور جسم غبار آلود ہوا کرتا تھا' ان کی پیشانی پر (سجدہ کا) اتنا بڑا نشان نمایاں ہوتا تھا جتنا بڑا نشان بکری کے گھٹنے پر ہوتا ہے۔ ساری رات اللہ کی بارگاہ میں سجدہ کرتے اور کھڑے ہو کر قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے گزار دیتے اور وہ سجدہ اور قیام ہی میں سکون حاصل کرتے تھے۔ جب صبح ہو جاتی اور وہ اللہ کا ذکر کرتے تو ایسے جھومتے جیسے کہ تیز ہوا کے دن (یا بادِ صبا کے وقت) درخت جھومتا ہے اور اس طرح روتے کہ کپڑے بھیگ جاتے۔ اللہ کی قسم (ان کے رونے سے یوں لگتا) گویا انھوں نے رات غفلت میں گزار دی ہو پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کھڑے ہو گئے اور اس کے بعد کبھی آہستہ ہنستے ہوئے بھی نہ دیکھے گئے یہاں تک کہ اللہ کے دشمن ابن ملجم فاسق نے آپ کو شہید کر دیا۔" (البدایہ' ابو نعیم فی الحلیہ)

لقد رأيت اصحاب محمد صلی اللہ علیه وسلم فما اری احدا منکم یشبههم لقد کانوا یصبحون شعثا غبرا وقد باتوا سجدا و قیاما یراوحون بین جباههم وخدودهم و یقفون علی مثل الجمر من ذکر معادهم کان بین اعینهم رکب المعزی من طول سجودهم اذا ذکر اللہ هملت اعینهم حتی قبل جیوبهم ومادوا کما یمید الشجر یوم الریح العاصف خوفا من العقاب ورجاء للثواب— (نہج البلاغہ)

ترجمہ: تحقیق میں نے اصحابِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے۔ میں تم میں سے کسی کو بھی ان کی طرح نہیں پاتا۔ تحقیق وہ دن کو جہاد کے میدان میں دین کی سربلندی کے لیے غبار آلود ہوتے تھے اور رات سجدہ کرتے اور قیام کرتے گزارتے تھے۔ اپنے رخسار اور پیشانیاں باری باری زمین پر رگڑتے تھے اور وہ قیامت کے ذکر سے اس طرح کھڑے ہوتے جیسے انگارے پر کھڑا شخص بے قرار نظر آتا ہے۔ ان کی آنکھوں کے درمیان پیشانی پر لمبے سجدوں کی وجہ سے داغ نمایاں تھے جب اللہ کا ذکر کیا جاتا تو ان کی آنکھیں بہنے لگتیں یہاں تک کہ ان کے گریبان بھیگ جاتے اور وہ عذاب کے خوف اور ثواب کی امید سے یوں ہلتے تھے جیسے تیز و تند ہوا کے دن میں درخت ہلتا ہے۔

حضرت قتادہ راوی ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا گیا کہ ”کیا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہنسا کرتے تھے؟“ انھوں نے فرمایا ”ہاں! مگر اس حال میں کہ ان کے دلوں میں ایمان پہاڑوں سے بھی بڑا تھا۔“

(ابو نعیم فی الحلیہ)

☆☆☆

باب چہارم

ہند اور اسلام

مسلمانوں کے لیے ہند کی مذہبی اہمیت

عربوں کے ساتھ ہندیوں کے قدیم تعلقات جو تاریخ کی یاد سے پہلے سے استوار ہیں جن پر ہم سابق میں سیر حاصل گفتگو کر چکے ہیں۔ ان تعلقات کا تسلسل عربوں کے مسلمان ہو جانے کے بعد بھی قائم رہا۔ سمندر کے راستے عرب ہند کے ساتھ تجارت بھی کرتے رہے اور ایران کی راہ سے ہندوسندھ کی اقوام کی وساطت سے فوجی اور سیاسی تعلق بھی اپنی جگہ موجود رہا۔ ہند عربوں کے لیے ہمیشہ سے اہم رہا تھا مگر اسلام کے آ جانے کے بعد اس اہمیت میں مذہبی عنصر بھی شامل ہو گیا تھا۔ تجارتی اہمیت کے ساتھ ساتھ اب ان کے لیے ہند مذہبی اہمیت کا حامل بھی بن گیا تھا۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق سب سے پہلے نبی اور سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام جنت سے زمین پر ہند کی سرزمین پہ اتارے گئے تھے۔ چنانچہ مسلمان جہاں حضرت آدم علیہ السلام سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے وہیں آدم علیہ السلام کی وجہ سے ہند بھی ان کی مذہبی عقیدت و محبت کا مرکز بن گیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان اول ماهبط الله ادم علی ارض الهند وفی لفظ بدجنی ارض الهند۔	حضرت آدم علیہ السلام اول ارض ہند میں اتارے گئے۔ دوسری روایت میں ہے ارض ہند کے دکھن (جنوب) میں اتارے گئے۔

اسے امام سیوطی اور امام ابن جریر طبری، امام ابن ابی حاتم رازی رحمہم اللہ وغیرہ نے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔امام حاکم علیہ الرحمۃ نے اس کی تصحیح کی ہے۔

سید سلیمان ندوی کا بیان ہے۔

حدیثوں اور تفسیروں میں جہاں حضرت آدم کا قصہ ہے وہاں متعدد روایتوں سے یہ بیان آتا ہے کہ حضرت آدم جب آسمان کی جنت سے نکالے گئے تو وہ اس زمین کی ''جنت'' میں جس کا نام ''ہندوستان جنت نشان'' ہے اتارے گئے۔سراندیپ (سری لنکا) میں انھوں نے پہلا قدم رکھا جس کا نشان اس کے ایک پہاڑ پر موجود ہے۔ابن جریر' ابن ابی حاتم اور حاکم میں ہے کہ ہندوستان کی اس سرزمین کا نام جس میں حضرت آدم اترے ''دجناء'' ہے۔ کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ''دجناء'' ہندی کا ''دکھنا'' یا ''دکھن'' ہے جو ہندوستان کے جنوبی حصہ کا مشہور نام ہے۔ (عرب و ہند کے تعلقات)

بدجنی ارض الہند'' کی تحقیق میں قاضی اطہر مبارکپوری نے لکھا ہے۔

''علماء کا قول ہے کہ یہاں پر دجنی دکھن یا دکھنا کا معرب ہے اور اس سے مراد سراندیپ ہے۔حضرت ابن عباس سے ایک دوسری روایت منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام پہلے مکہ میں بیت اللہ کی جگہ پر اتارے گئے تھے پھر یہاں سے ہندوستان گئے۔

فتخطى فاذا هو بارض الهند	آدم علیہ السلام مکہ سے چل کر ہندوستان پہنچے
فمكث هنالك ماشاء الله ثم	اور جب تک اللہ نے چاہا وہاں رہے' پھر بیت
استوحش الى البيت۔	اللہ کی طرف لوٹ آئے۔

(عرب و ہند عہد رسالت میں)

حضرت آدم علیہ السلام جب جنت سے زمین پر تشریف لائے تو اپنے ساتھ خوشبو اور پھولوں کے پودے بھی لائے تھے جو جنت کی یادگاریں اور تحفے تھے۔جنہیں انھوں نے ہندوستان میں لگایا تھا۔

''مشہور تابعی عالم حضرت عطار ابن ابی رباح نے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے

میں یہ روایت بیان کی ہے۔

ان آدم وھبط بارض الھندو معه اربعة اعواد من الجنة فھی ھذہ التی یتطیب الناس بھا وانه حج ھذا البیت—	آدم سرزمین ہند میں اتارے گئے اور ان کے ساتھ جنت کی چار شاخیں بھی تھیں۔ جن سے لوگ خوشبو حاصل کرتے ہیں۔ انھوں نے وہاں سے بیت اللہ کا حج بھی کیا۔

(قاضی اطہر مبارکپوری' عرب وہند عہد رسالت میں)

سید سلیمان ندوی نے تحریر کیا ہے۔

اور چونکہ عرب کے ملک میں متعدد قسم کی خوشبوئیں اور مسالے اسی جنوبی ہند سے جاتے تھے اور پھر عربوں کے ذریعہ وہ تمام دنیا میں پھیلتے تھے اس لیے ان کا بیان ہے کہ یہ چیزیں ان تحفوں کی یادگاریں ہیں جو حضرت آدم اپنے ساتھ جنت سے لائے تھے۔ ان تحفوں میں سے چھوہارے کے سوا دو پھل یعنی لیموں اور کیلے ہندوستان ہی میں موجود ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ امرود بھی جنت ہی کا میوہ تھا جو ہندوستان میں پایا جاتا ہے۔

(عرب وہند کے تعلقات)

سید سلیمان ندوی آگے لکھتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ جنت سے چار دریا نکلے ہیں۔ نیل' فرات' جیجون اور سیحون' نیل تو مصر کا دریا ہے جس پر مصر کی زراعت کا دارومدار ہے۔ اسی طرح فرات کی جو اہمیت' عراق کی سرسبزی و شادابی کے لیے ہے۔ وہ ظاہر ہے۔ جیجون ترکستان کا دریا ہے اور ترکستان کے لیے اس کی وہی حیثیت ہے جو نیل و فرات کی مصر و عراق میں ہے اور سیحون کے متعلق ہے کہ ہندوستان کے دریا کا نام ہے۔ کیا جنت کے اس چوتھے دریا کو "گنگا" سمجھا جائے؟ بعض لوگوں نے اس کو دریائے سندھ قرار دیا ہے۔ (عرب وہند کے تعلقات)

میر آزاد بلگرامی نے سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان میں کئی صفحے ہندوستان کے ان فضائل کے بیان کے نذر کیے ہیں۔ اور اس میں یہاں تک کہا ہے کہ جب آدم سب سے پہلے ہندوستان اترے اور یہاں ان پر وحی آئی تو یہ سمجھنا چاہیے کہ یہی وہ ملک ہے جہاں خدا کی پہلی

وحی نازل ہوئی اور چونکہ نور محمدی حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں امانت تھی اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ابتدائی ظہور اسی سرزمین میں ہوا۔ اس لیے آپ نے فرمایا کہ ''مجھے ہندوستان کی طرف سے ربانی خوشبو آتی ہے'' یہ تمام روایتیں فن حدیث کے لحاظ سے بہت کم درجے کی ہیں۔ تاہم ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ جو عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ مسلمانوں کا تعلق ہندوستان سے محمود غزنوی کے فتوحات کے سلسلہ میں ہوا اور وہ اس کے بعد یہاں آ کر آباد ہوئے یہ کس قدر غلط ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ اس ملک کو اپنا مفتوحہ ملک نہیں بلکہ اپنا موروثی پدری وطن سمجھتے ہیں اور جو یہ نہیں سمجھتے ہیں ان کو سمجھنا چاہیے۔ خیر یہ تو تاریخ کی یاد سے پہلے کی باتیں ہیں۔ اگر تاریخی نظر سے دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ وہ محمود سے سینکڑوں برس پہلے ہندوستان آ چکے تھے اور جگہ جگہ ان کی نو آبادیاں قائم تھیں۔

(عرب و ہند کے تعلقات)

سید سلیمان ندی نے مسلمانوں کے لیے ہند کی مذہبی اہمیت کی ایک اور جہت بھی بیان کی ہے۔

اسلام کے بعد عربوں اور مسلمانوں میں نسبی حیثیت سے سب سے بڑا درجہ سادات یعنی سیدوں کا ہے۔ موجودہ سادات خاندانوں کا بہت بڑا حصہ حضرت امام حسین کے صاحبزادہ حضرت امام زین العابدین کی نسل سے ہے۔ حضرت زین العابدین کی ماں عرب نہ تھیں۔ ایرانیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ ایرانی تھیں اور خاندان شاہی سے تھیں مگر مورخین میں سے بعض نے ان کو سندھ کی بتایا ہے اگر یہ اخیر قول صحیح ہو تو اس کے ماننے میں کیا عذر ہو سکتا ہے کہ عرب و اسلام کے سب سے شریف و مقدس خاندان کے پیدا کرنے میں ہندوستان کا بھی حصہ ہے؟ اور یہ کہنا بھی صحیح ہوگا کہ اور مسلمان ہوں یا نہ ہوں مگر سادات آل زین العابدین علی ہمیشہ سے نیم ہندوستانی ہیں۔ (عرب و ہند کے تعلقات)

ہند کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ وہاں پائی جانے والی تین اشیاء کے نام قرآن میں آئے ہیں۔ سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے۔

اس مسئلہ میں اچھا خاصہ علماء میں اختلاف رہا ہے کہ قرآن پاک میں کسی غیر زبان کا

لفظ ہے یا نہیں؟ لیکن فیصلہ یہی ہوا کہ غیر زبان کے ایسے الفاظ موجود ہیں جو عربوں کی زبان میں آ کر مستعمل ہو گئے تھے اور وہ اپنی پہلی صورت بدل کر عربی زبان کے لفظ بن گئے۔ حافظ ابن حجر اور حافظ سیوطی نے قرآن پاک کے اس قسم کے لفظ جمع کیے ہیں۔ ہم ہندیوں کو بھی فخر ہے کہ ہمارے دیس کے بھی چند لفظ ایسے خوش نصیب ہیں جو اس پاک اور مقدس کتاب میں جگہ پا سکے۔ پہلے علماء نے جن الفاظ کا ہندی ہونا ظاہر کیا تھا وہ تو لغو و بے بنیاد تھے۔ مثلا ''ابلعی'' کی نسبت یہ کہنا کہ ہندی میں اس کے معنی ''پینے'' کے ہیں یا ''طوبیٰ'' کو ہندی کہنا جیسا سعید بن جبیر سے روایت ہے بے بنیاد ہے مگر اس میں شک نہیں کہ جنت کی تعریف میں اس جلت نشان ملک کی تین خوشبوؤں کا ذکر ضرور ہے یعنی مسک (مشک) زنجبیل (سونٹھ یا ادرک) اور کافور (کپور)'' (عرب و ہند کے تعلقات)

یہاں قرآن پاک کی وہ آیات لکھی جاتی ہیں جن میں ان چیزوں کا ذکر ہوا ہے۔

وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا۔

ترجمہ: اور اس میں وہ جام پلائے جائیں گے جس کی ملونی ادرک ہو گی۔ (دھر:١٧)

اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا۔

ترجمہ: بے شک نیک پیئں گے اس جام میں سے جس کی ملونی کافور ہے۔ (دھر:٥)

خِتَامُهٗ مِسْكٌ ؕ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ۔

ترجمہ: اس کی مہر مشک پر ہے اور اس پر چاہیے کہ للچائیں للچانے والے۔

(مطففین:٢٦)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک ہند کا علاقہ اور وہاں کے لوگ جانے پہچانے تھے بلکہ یہ امر انتہائی اہم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہند کو اسلام کا گہوارہ اور بہت بڑا مرکز دیکھنا چاہتے تھے۔ آپ جانتے تھے کہ ہند میں اسلام کی وسیع تر اشاعت کی راہ میں بڑی بڑی رکاوٹیں حائل ہوں گی۔ بڑی بڑی جنگیں لڑی جائیں گی اور طویل زمانے تک وہاں جہاد ہوتا رہے گا۔ اس لیے آپ نے ہندوستان میں جہاد کی خبر دی اور اس جہاد کی خصوصی فضیلت ارشاد فرمائی۔ امام نسائی علیہ الرحمۃ نے جہاد ہند

کے بارے میں اپنی سنن میں باب غزوۃ الہند کے نام سے خصوصی عنوان باندھا ہے۔حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصابتان من امتی احرز ھما اللہ من النار عصابۃ تغزوا الھند وعصابۃ تکون مع عیسیٰ بن مریم علیھما السلام۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری امت کے دوگروہوں کو اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ سے محفوظ رکھا ہے۔ایک گروہ جو ہندوستان میں جہاد کرے گا اور دوسرا وہ جو حضرت عیسیٰ بن مریم کے ساتھ ہوگا (نسائی)

ایسی ہی ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہے جو مسند احمد اور سنن نسائی دونوں میں ہے۔

وعدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۃ الھند فان ادرکتھا انفق فیھا نفسی و مالی فان اقتل کنت افضل الشھداء وان ارجع فانا ابو ھریرۃ المحرر۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے غزوہ ہند کا وعدہ فرمایا۔پس اگر میں نے اس کو پالیا تو اپنا جان و مال اس میں خرچ کروں گا۔پھر اگر مارا گیا تو افضل شہداء میں سے ہوں گا اور اگر واپس لوٹ آیا تو میں ابو ہریرہ جہنم سے آزاد ہو چکا ہوں گا۔

اس کے علاوہ احادیث مبارکہ میں دیگر بہت سے مقامات پر ہمیں ہند اور ہندی لوگوں کا ذکر ملتا ہے۔

بخاری میں منقول روایت میں معراج کے ذکر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا۔

واما موسیٰ فاٰدم سبط کانہ من رجال الزط۔	حضرت موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ کے اچھی قامت کے آدمی تھے گویا کہ وہ جاٹوں میں سے تھے۔

ترمذی میں ایک طویل حدیث ہے۔جس میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا ہے کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مکہ کی وادی میں گئے اور وہاں جنوں کو دیکھا۔انھوں نے اپنی اس روایت میں جنوں کو ہندوستان کے جاٹوں سے تشبیہ دی

ہے۔فرماتے ہیں۔

فبينا انا جالس في خطي اذا اتاني رجال كانهم الزط اشعارهم واجسامهم لااري عورة ولا اري قشرا	پس جب میں اپنے گردا گرد کھنچے دائرے میں بیٹھا تھا تو اچانک کچھ لوگ میرے پاس آئے۔ وہ اپنے بالوں اور جسموں سے جاٹ لگتے تھے۔ میں نے نہ ان کا ستر دیکھا اور نہ ان کی کھال۔

عرب میں آباد ہندی اقوام اور ان میں عہد رسالت اور عہد صحابہ میں اشاعت اسلام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت اس وقت کے ہند اور موجودہ برصغیر کے بہت سے لوگ عرب میں آباد تھے۔ ان کی تعداد اس وقت عرب میں بہت زیادہ تھی۔ وہاں ان کی آبادی کی دو وجوہات تھیں۔ ایک عربوں کی جہاز رانی اور ہندوستان سے تجارت' دوسرے وہ عرب علاقے جو ایرانی اقتدار کے زیرنگیں تھے وہاں ایرانیوں کے توسط سے ہندی اقوام کی موجودگی۔

عرب جہازران اور تاجر تھے۔ ہند کے ساحل ان کی قریبی مشرقی تجارتی منڈیاں تھیں۔ ہندی لوگ ان کے ساتھ تجارت کرتے تھے نیز ان کے جہازوں پر ملازم بھی تھے۔ رفتہ رفتہ اس ناطے سے انھوں نے ہندوستان کے سامنے پڑنے والے عرب کے ساحلی علاقوں میں آباد ہونا شروع کر دیا نیز صنعت وحرفت خصوصاً تلوار سازی اور نیزہ سازی میں ہندوستانی کاریگر اپنی مثال آپ تھے۔ یہ ایسے حرفے تھے جن کی اہل عرب کے ہاں بڑی وقعت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں ہندی لوگ بعثت نبوی کے وقت صرف عرب کے ساحلی علاقوں میں ہی نظر نہیں آتے بلکہ بہت سے ہندی تاجر اور صناع عرب کے انتہائی اندرونی علاقوں میں بھی دکھائی دیتے ہیں۔

اندرون عرب کا سب سے اہم تجارتی مرکز مکہ مکرمہ تھا۔ بعثت نبوی کے وقت مکہ مکرمہ کی تجارتی مرکزیت کے بارے میں اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں۔

یمن اور عدن مشرقی دنیا کے تجارتی مال کی قدیم منڈی تھے جہاں سے دوسرے ممالک

میں عرب تاجروں کے ذریعہ مال جایا کرتا تھا مگر بعد میں ایرانیوں اور رومیوں کے عمل دخل کی وجہ سے یہاں کی تجارت پر زوال آ گیا۔ بحر احمر پر رومیوں کے غلبہ کے بعد جب یمنیوں کی تجارت کمزور پڑنے لگی تو اہل یمن نے بحری راستہ کے بجائے اندرون عرب کے بری راستوں سے غیر ملکوں کا تجارتی سفر شروع کیا۔ یہ راستہ حضر موت سے شروع ہوتا تھا اور بحر احمر کے اوپر صحرائے نجد سے بچتا ہوا مکہ مکرمہ تک جاتا تھا جس کی وجہ سے مصر و شام اور یمن کے درمیان مکہ بہت بڑی منڈی بن گیا اور حجازیوں میں تجارت خوب چلی' خاص طور سے قریش نے جنوب میں یمن کا اور شمال میں شام کا تجارتی سفر شروع کیا۔ قرآن حکیم نے رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ میں ان ہی تجارتی اسفار کو بیان کیا ہے' اطراف عرب سے لوگ حجاز کے تجارتی اور مرکزی شہر مکہ میں آتے اور ہر قسم کے ملکی اور غیر ملکی سامان آسانی سے حاصل کرتے' مکہ کا سب سے بڑا سالانہ بازار عکاظ میں ہوتا تھا جو طائف کے راستہ میں ایام حج کے قریب لگتا تھا اور اسی کے قریب ایام حج میں ذوالمجاز کا بازار لگتا تھا اور مکہ سے بڑے بڑے تجارتی قافلے باہر جاتے تھے۔ طبری کی تشریح کے مطابق بعض اوقات ان قافلوں میں ۱۵۰۰ بار بردار اونٹ ہوا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بعض اوقات ان تجارتی قافلوں میں نکلتے تھے چنانچہ آپ نے پہلی مرتبہ بارہ سال کی عمر میں اور دوسری مرتبہ ۲۵ سال کی عمر میں ملک شام کا تجارتی سفر فرمایا۔ ایک مصری فاضل کا بیان ہے۔

کانت مکة محطالاصحاب القواقل الاتية من جنوب العرب تحمل بضائع الهندو اليمن الى الشام ومصر ينزلون بها ويسقون من بئر شهيرة بها تسمى بير زمزم و ياخذون منها حاجتهم من الماء۔	مکہ جنوب عرب سے آنے والے قافلوں کی منزل تھا' یہ قافلے ہندوستان اور یمن کے سامان تجارت شام اور مصر لے جاتے تھے اور مکہ میں قیام کر کے وہاں کے مشہور کنوئیں زمزم سے سیراب ہوتے اور آگے کے لیے بقدر ضرورت پانی لیتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے کچھ پہلے جزیرۃ العرب ایرانی اور بیزنطینی طاقتوں کا مرکز بن گیا تھا۔ بیزنطینی اقتدار حبشہ کے تعاون سے اپنا اثر بڑھا رہا تھا اور ایرانی

حکومت اپنا کام کر رہی تھی' اس کشمکش میں شامی علاقہ کی تجارت خراب ہونے لگی اور بیزنطینی اقتدار کے لیے عرب کے بازاروں سے عمدہ عمدہ اشیاء نایاب ہونے لگیں۔ خاص طور سے یورپ کے گرجاؤں اور پادریوں کے لیے ہندوستان کے عمدہ ریشمی کپڑوں کا قحط پڑ گیا اس لیے رومیوں نے بحر احمر کی راہ سے حضر موت اور یمن وغیرہ کی منڈیوں پر قبضہ جمایا اور چونکہ حبشہ اور روم کا مذہب مسیحی تھا۔ اس لیے مذہب کے نام پر حبشہ کے بادشاہ اور عوام کو رومیوں نے اپنی مدد کے لیے آواز دی۔

وارسل الامبراطور البيزنطي - جو ستبان (۵۶۵-۵۶۷ء) سفيرالى ملك الحبشة اهاب باسم الدين والمصلحة ان يقوم هوو السميع حاكم حمير بقتال الفرس وان يتولى الاحباش شراء الحرير من الهنود ثم يبيعونه بدورهم الى بيزنطة فيجنون ارباحا طائلة

بیزنطینی (رومی) شہنشاہیت نے جوستبان نامی ایک سفیر کو شاہ حبشہ کے پاس بھیجا اور دین و مصلحت کے نام پر کہا کہ وہ اور حمیر کا بادشاہ سمیع دونوں ایرانیوں سے ہماری طرف سے جنگ کریں اور یہ کہ حبشہ کے تاجر ہندوستان سے ریشمی کپڑے خریدیں اور روم کا تجارتی سفر کرکے ان کو بھاری نفع پر فروخت کریں۔ (تاریخ العرب)

اس صورت حال سے مکہ کے لوگوں نے فائدہ اٹھایا اور براہ خشکی یمن و عدن سے تجارت شروع کر دی۔ قریش نے اس سلسلہ میں دو تجارتی سفروں کا طریقہ اختیار کیا' مال کی خریداری کے لیے جاڑے میں یمن اور حبشہ کا سفر اور فروخت کرنے کے لیے گرمی میں شام کا سفر۔

ابتداء میں قریش میں تجارتی کاروبار قریش بنی مخزوم کیا کرتے تھے بعد میں جب ترقی ہوئی تو بنی ہاشم نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن تک مکہ کا تجارتی مرکز پورے طور پر قائم تھا۔

مکہ چونکہ تجارتی مرکز بن گیا تھا اس لیے یہاں کی تمدنی زندگی میں بھی بڑی ترقی ہوگئی تھی۔ زبان میں بھی وسعت پیدا ہوگئی تھی اور قریش کی یہی زبان قرآن اور اسلام کی زبان قرار پائی۔ چنانچہ قرآن و حدیث میں بہت سے ہندوستان میں بولے جانے والے الفاظ

پائے جاتے ہیں۔ قرآن میں کافور (کپور) 'زنجبیل (زنجا بیر)' مشک (موشکا) وغیرہ ہندوستانی الفاظ ہیں جن کو قریش نے اپنے طور پر معرب کرلیا تھا۔ احادیث میں قسط (کٹھ) 'زط (جاٹ)' عود ہندی مشک وغیرہ کے نام ملتے ہیں جو ہندوستانی نام ہیں۔ نیز مکہ میں ہندوستان کے لوگ رہتے تھے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جاٹوں کا تذکرہ ہے اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے ایک شعر میں ہندوستان کے لوہاروں کا ذکر ہے۔ (عرب و ہند عہد رسالت میں)

مکہ میں ہندوستان کے جاٹ رہتے تھے اور اہل مکہ ان سے بخوبی واقف تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جاٹوں سے تشبیہ دی۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی روایت میں جاٹوں کا ذکر کیا جیسا کہ سابقہ سطور میں بیان ہوا ہے۔ حضرت ابو طالب نے اپنے ایک شعر میں ہندوستانی عورت کا تذکرہ کیا ہے۔ مکہ میں ہندی کاریگر تلواریں بناتے تھے اور اس نواح میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔

مدینہ منورہ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت ہند کے جاٹ رہتے تھے۔ الادب المفرد کی روایت کے مطابق یہ جاٹ مسلمان ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایک مسلمان جاٹ طبیب تھے۔ انھوں نے ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا علاج کیا تھا اور بتایا تھا کہ ان کی لونڈی نے ان پر جادو کیا ہے۔

عرب میں ہندی اقوام کے آباد ہونے کی دوسری وجہ جیسا کہ ابتداء میں بیان ہوا ایرانی حکمران تھے۔ ایرانیوں نے عرب کے ساحلی علاقوں پر قبضہ جما رکھا تھا۔ عراق سے لے کر یمن تک کا ساحلی علاقہ ان کے زیر نگیں تھا۔ ایرانی اپنی فوج میں ہندوستان کے لوگوں کو بڑی تعداد میں بھرتی کرتے تھے جنہیں اساورہ کہا جاتا تھا۔ یہ اساورہ عرب کے ساحلی علاقوں میں بڑی تعداد میں رہتے تھے وہاں ان کو بلند حیثیت حاصل تھی۔ عرب علاقوں میں ان کی کثرت اور اہمیت کا یہ عالم تھا کہ جب حبشیوں نے یمن پر قبضہ کیا تو ایران کے بادشاہ نے وہاں کے عرب حاکم سے دریافت کیا۔

ای الاغربة الحبشة ام السند	کون سے اجنبیوں نے (یمن پر) قبضہ کیا
(ابن ہشام)	ہے۔ حبشیوں نے یا سندھیوں نے

عرب اپنی سرزمین پر آباد ہندیوں کو مختلف ناموں سے پکارتے تھے۔ زط' اساورہ' سیابجہ' احامرہ' تکاکرہ' بیاسرہ' میدوہ مشہور نام ہیں جو اہل عرب ہندی لوگوں کے لیے استعمال کرتے تھے۔

مذہبی اعتبار سے عرب ہندیوں کو صابئہ میں شمار کرتے تھے۔ طبقات الامم میں لکھا ہے۔

واما الصائبة وهم جمهور الهند و معظمها- (عرب میں آباد) ہندیوں کی اکثریت اور بڑی آبادی صابئہ میں شامل ہے۔

یعنی یہ لوگ مشرک تھے۔ انہیں مجوس اور صابئہ میں شمار کیا جاتا تھا۔ عراق' یمن' سواحل ابلہ اور بحرین و عمان تک کے علاقوں میں یہ لوگ پھیلے ہوئے تھے۔ اسلام قبول کر لینے کے بعد انہیں شام اور انطاکیہ کے ساحلی علاقوں میں بھی آباد کیا گیا۔ علامہ بلاذری کا بیان ہے۔

وقد كان معاوية نقل من الزط والسيابجة القدماء الى سواحل الشام و انطاكية بشراً - حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جاٹوں اور سیابجہ کی ایک جماعت کو جو قدیم سے آباد تھے شام اور انطاکیہ کے ساحلوں پر منتقل کر کے آباد کیا۔

فتوح البلدان کے اس بیان سے پتہ چل رہا ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے جاٹ اور دیگر اقوام کے لوگ قدیم زمانہ سے عرب میں آباد تھے۔ بعد میں یہ لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں میں سے ایک بڑی جماعت کو شام اور انطاکیہ کے ساحلوں پر آباد کیا تھا۔

اطہر مبارکپوری عرب میں آباد ہندیوں کے بارے میں لکھتے ہیں۔

ہندوستان کے شمال و مغرب کے ساحلی مقامات اور عرب کے شمال و مشرق کے ساحلی مقامات ایک دوسرے کے سامنے واقع ہیں۔ درمیان میں بحر ہند (جسے بحر عرب اور بحر فارس بھی کہتے ہیں) حائل ہے اسی سمندر کے ذریعہ دونوں ممالک میں تاریخ کے قدیم دور سے تعلقات چلے آرہے ہیں اور دونوں کے ساحلی علاقے ایک ملک کے دو علاقے کی حیثیت سے رہے ہیں۔ عرب و ہند کے قدیم تعلقات ابتدا میں صرف تجارتی اور معاشی تھے مگر بعد میں فکری' تمدنی اور ثقافتی تعلقات بھی پیدا ہو گئے بلکہ تجارتی و اقتصادی تعلق کو فکری اور ثقافتی

تعلق نے اور زیادہ مضبوط کر دیا۔

اس کے باوجود قدیم تاریخ میں ہندوستان کے کسی ساحلی یا غیر ساحلی مقام پر عربوں کی آبادی کا پتہ نہیں چلتا جو یہاں آ کر مستقل طور سے آباد ہو گئے ہوں حالانکہ عرب کے مقابلہ میں ہندوستان ہر اعتبار سے ترقی یافتہ ملک تھا اور عربی زندگی کے مقابلہ میں یہاں کی زندگی میں رنگینی اور دلفریبی زیادہ تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرب تاجر ہندوستان آتے اور تجارتی مقصد پورا کر کے واپس چلے جاتے تھے اور اپنی آزاد عربی زندگی پر اس کو ترجیح نہیں دیتے تھے۔ عربی زندگی ان کے لیے بہت ہی دلفریب اور خوشگوار تھی ہندوستان میں سب کچھ ہونے کے باوجود ان کو یہاں کھلی ہوا اور آزاد فضا میسر نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں ہمیں کسی قدیم عرب آبادی کا پتہ نہیں چلتا ہے اور نہ یہاں پر عربوں کے بہت زیادہ دنوں تک ٹھہرنے کا ثبوت ملتا ہے اس کے مقابلہ میں ہندوستان کے ایسے باشندے عرب میں کثرت سے ملتے ہیں جو وہاں جا کر مستقبل طور پر بس گئے اور ہندوستان کی قومیت و وطنیت چھوڑ کر عرب کے باشندے ہو گئے اور ان کو عربوں نے عربی زندگی میں اس طرح ضم کر لیا کہ وہ بالکل عرب بن کر رہ گئے۔ ہندوستانیوں کے ساتھ عربوں کے اس حسن سلوک اور رواداری کی وجہ ان کی فطری وسعت قلب اور مہمان نوازی تھی جو دور جاہلیت میں بھی ان کی امتیازی صفت تھی اس کے ساتھ ہی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ عربوں کو گھر بیٹھے ان ہندوستانیوں کے ذریعہ ضروریات زندگی کی چیزیں مل جاتی تھیں اور ان کو ان کے لیے ہندوستان کا بحری سفر نہیں کرنا پڑتا تھا۔ ابتداء میں بہت سے ایسے ہندوستانی باشندے عرب میں جا کر آباد ہو گے جو تاجر تھے اور عربوں کی ضرورت کا سامان ان کے میلوں اور بازاروں میں لے جا کر فروخت کرتے تھے۔ ان تاجروں کو عرب بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور نہ صرف یہ کہ ان کو لوٹتے مارتے نہیں تھے بلکہ ان کی حفاظت کر کے حق جوار کا پورا لحاظ کرتے تھے۔ چنانچہ عرب کے کئی بڑے قبائل نے ایسے ہندوستانی باشندوں کو اپنی ''ولا'' میں لے لیا تھا اور ان کو وہ اپنے قبیلہ کا فرد شمار کرتے تھے پھر چونکہ ہندوستان کے لوگ بت پرستی میں جاہلی عرب کے تقریباً ہم مشرب تھے اس لیے اور بھی دونوں ملکوں میں تعلقات استوار ہوئے چنانچہ عرب کے یہود و

نصاریٰ کے علاوہ مشرک مجوسی صابئہ وغیرہ ہندوستانیوں کو اپنا ہم مشرب گردانتے تھے اور بت پرستی اور دوسرے عقائد و اعمال میں بڑی حد تک ہمرنگ تھے اس لیے آپس میں مذہبی اختلاف بھی نہیں تھا۔ اسی طرح بہت سے عادات و خصائل اور رسوم و رواج میں عرب اور ہندوستانی تقریباً متفق و متحد تھے اس لیے ہندوستان کے باشندے عرب میں بڑی آسانی سے کھپ گئے۔

عربوں اور ہندوستانیوں کے تعلقات کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ ایران کے بادشاہ بلوچستان، سندھ اور سرندیپ وغیرہ پر قابض تھے اور ان علاقوں کے ہندوستانی باشندے جاٹ اور مید وغیرہ ایرانی فوج میں شامل ہو کر عرب کے ایرانی مقبوضات میں آباد ہو گئے تھے۔ اس طرح عراق کے اہم ایرانی مقبوضہ ابلہ (بصرہ) سے لیکر یمن تک ایرانی فوجوں کی طرح یہ بھی پھیلے ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے پہلے عرب جنوبی اور مشرقی سواحل پر ہندوستانی باشندوں کی بہت بڑی تعداد جمع ہو گئی تھی اور وہاں کی ملکی اور قومی زندگی میں ان سے شدید خطرات محسوس ہونے لگے تھے۔ چنانچہ یمن پر حبشیوں نے قبضہ کیا تو وہاں ہندوستان کے باشندوں کی بہت بڑی تعداد موجود تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ جب یمن کے سابق عرب حکمران سیف بن ذی یزن نے ایران کے بادشاہ کسریٰ نوشیرواں کے دربار میں پہنچ کر اپنا حال بیان کیا اور اجنبی لوگوں کے غلبہ کا واقعہ سنایا تو کسریٰ انوشیرواں نے سیف بن ذی یزن سے پوچھا کہ تمھارے ملک پر کن اجنبی لوگوں نے قبضہ کیا ہے؟ وہ حبشی ہیں یا سندھی۔ (عرب و ہند عہد رسالت میں)

عرب میں آباد ہندوستانی اقوام کا مختصر بیان قارئین کی دلچسپی کے لیے قاضی اطہر مبارکپوری کی کتاب ''عرب و ہند عہد رسالت میں'' سے نقل کیا جاتا ہے۔

''سندھ اور ہند عربوں کے نزدیک قدیم زمانہ سے دو الگ الگ ملک مانے جاتے ہیں اور وہ تغلیب کے طور پر دونوں ملکوں کے باشندوں کو ہندی بھی کہہ دیا کرتے ہیں ورنہ عام طور سے سندھ کے باشندوں کو سندھی اور ہندوستان کے لوگوں کو ہندی کہتے ہیں۔

سندھ اور سندھی

جس طرح سندھ ایک ملک کا نام ہے اسی طرح وہاں کی قوم کو بھی سند کہتے ہیں۔

لسان العرب میں ہے۔

والسند جیل معروف والجمع اسناد وسنود وسند بلاد نقول سندی للواحد وسند للجماعة مثل زنجی و زنج۔	سند ایک مشہور گروہ ہے اس کی جمع استاد اور سنود آتی ہے اور سندھ چند شہروں کے مجموعہ کا نام ہے تم یہاں کے ایک آدمی کو سندی کہو گے اور جمع کے لیے سند استعمال کرو گے جیسے زنجی اور زنج ہے۔

مسندہ' مسندیہ' سند اور سند کے نام سے سندھ میں ایک قسم کے کپڑے بنتے تھے جو عرب میں استعمال کیے جاتے تھے۔ رجل سندی کی طرح ثوب سندی اور دجاج سندی (سندھی مرغی) بھی اس ملک کی نسبت سے مشہور تھی۔ یہاں کے باشندے قدیم عرب میں بہت زیادہ آباد تھے خاص طور پر یمن کے علاقہ میں ان کی کثرت وشوکت مسلم تھی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام طفولیت میں جب شاہ حبشہ ابرہہ کے بیٹے مسروق بن ابرہہ نے یمن پر حملہ کر کے سیف بن ذی یزن کو بے دخل کر دیا اور اس نے کسریٰ انوشیرواں کے یہاں جا کر اس کا تذکرہ کیا تو اس نے دریافت کیا۔

ای الاغربة الحبشه ام السند۔ — کن غیر ملکیوں نے یمن پر قبضہ کیا ہے؟ حبشیوں نے یا سندھیوں نے۔

کسریٰ کے اس سوال سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس وقت یمن میں سندھیوں کی آبادی کس قدر زیادہ تھی اور ان کو کیسی شان وشوکت حاصل تھی۔

ہند اور ہندی

ہند جس طرح سندھ کے مقابلہ میں ایک ملک کا نام ہے اسی طرح ملک کے باشندوں کو عرب ہند کے نام سے یاد کرتے ہیں اور جمع کے لیے ہنود اور واحد کے لیے یائے نسبتی لگا کر ہندی بولتے ہیں۔ کبھی کبھی یائے نسبت سے پہلے کاف کا اضافہ کر کے ہندکی بھی بولتے ہیں جس کی جمع ہنادک آتی ہے کبھی ہندی سے عود ہندی بھی مراد لیتے ہیں۔ سیف مہند' سیف ہندی' سیف ہندوانی' ہندی ہندوستان کی بنی ہوئی تلوار کو کہتے ہیں۔ لسان العرب میں ہے۔

قال الازهری ولأصل فی التهنید عمل الهند یقال سیف مهند و هندی و هندوانی اذا عمل ببلادالهند واحکم عمله والمهند السیف المطبوع من حدید الهند وهند اسم بلاد والنسبة هندی والجمع هنود' کقولك زنجی وزنوج وسیف هندوانی بکسرالها وان شئت ضمتها اتباعاً للدال' ابن سیدة والهند جیل معروف ویقال رجل هندی و هند کی قال ولوقیل ان الکاف اصل وان هندی وهند کی اصلان بمنزلة سبط و سبطر لکان قولا قویا والسیف الهندوانی' والمهند منسوب الیهم۔	ازہری کا قول ہے کہ دراصل تہنید کے معنی ہندوستان میں یا ہندوستانیوں کا تلوار بنانا ہیں۔ سیف مہند' ہندی' ہندوانی اس تلوار کو کہتے ہیں جو ہندوستان میں بنائی گئی ہو اوراس کی بناوٹ نہایت عمدہ ہو۔ مہند وہ تلوار جو ہندوستان کے لوہے سے بنائی گئی ہو اور ہند شہروں کے مجموعہ کا نام ہے اس کی طرف نسبت ہندی ہے اور اس کی جمع ہنود آتی ہے اور سیف ہندوانی اور ہندوانی بھی کہتے ہیں اور ہند ایک مشہور گروہ کا نام بھی ہے یہاں کے باشندے کو ہندی اور ہندکی کہتے ہیں۔ اگر ہند کے کاف کو اصل مان کر سبط اور سبطر کی طرح اسے بھی مان لیا جائے تو یہ قول قوی ہے اور سیف ہندوانی اور مہند اس تلوار کو کہتے ہیں جو ہندوسانیوں کی طرف منسوب ہے۔

ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایک قصیدہ کہا ہے جس میں ایک شعر یہ بھی ہے۔

بنی امة محبوبة هندکیة — بنی جمع عبید قیس بن عاقل

کثیر شاعر نے کہا ہے

ومقربة دهم وکمت کانها — طماطم یوفون الوفورهنا د کا

محمد بن حبیب نے کہا ہے کہ کثیر نے ہناوک سے رجال ہند مراد لیا ہے۔ ابن ہرمہ نے کہا ہے۔

کاعناق نساء الهند — وقدشیت باوضاح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے چند ماہ پیشتر ہندوستان کے آدمیوں کا تذکرہ ایک موقع پر فرمایا تھا جبکہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیر قیادت نجران سے قبیلہ بنی حارث ابن کعب کا وفد خدمت اقدس میں حاضر ہوا تھا۔ آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا۔

من هولاء القوم ؟ كانهم رجال الهند	یہ کون لوگ ہیں جو ہندوستان کے آدمیوں کی طرح ہیں؟

ہنداور سندھ کی سات قومیں

الغرض عرب میں ہندیوں اور سندھیوں کی مختلف جماعتیں عہد رسالت میں موجود تھیں۔ چنانچہ زط (جاٹ) مید' سیابجہ' اساورہ' احامرہ' بیاسرہ اور تکاکرہ یہیں کے رہنے والے تھے جو ملک عرب میں مختلف کاموں اور پیشوں کی وجہ سے مختلف ناموں سے یاد کیے جاتے تھے ان کا مختصر تعارف یہ ہے۔

۱- زط (جاٹ) ہندوستان کی مشہور سیاہ رنگ کی جاٹ جو قوم ہے جو سندھ کے علاوہ منصورہ کے اطراف سے لے کر مکران تک پھیلی ہوئی تھی۔ بلوچستان میں اور ہندوستان کے علاقہ پنجاب میں اس کی آبادی تھی۔ یہ لوگ ان ہی مقامات سے عرب جاتے تھے۔

۲- مید ہندوستان کی ساحلی قوم ہے جو جہازوں اور کشتیوں کو سمندر میں لوٹ لیا کرتی تھی۔ اس قوم کی بستیاں دریائے سندھ سے لے کر ہندوستان کے سرحدی علاقہ اوتکین تک پھیلی ہوتی تھیں۔ دریائے سندھ کے ساحلی مقامات سے لے کر ملتان تک ان کی آبادیاں تھیں بلکہ گجرات اور کوکن کے سواحل میں بھی یہ سمندری لٹیرے بکثرت آباد تھے جن سے یہاں کے راجے مہاراجے تک عاجز تھے۔ بعد میں مسلمانوں نے ان کو زیر کیا۔ یہ لوگ شاہان ایران کی فوج میں بھرتی ہو کر عرب جاتے تھے اور ساحلی مقامات میں رہا کرتے تھے۔

۳- سیابجہ ہندوستان کی مشہور قوم سیابجہ کا وطنی تعلق بھی سندھ اور ہندوستان کے سواحل ہی سے تھا۔ خصوصاً سندھ کا علاقہ ان کا مرکز تھا۔

۴- احامرہ بھی یہاں کے ساحلی علاقوں سے تعلق رکھتے تھے خصوصاً سندھ سے یہ لوگ یہاں سے عرب جا کر اجرت پر تجارتی جہازوں کی حفاظت و نگرانی کیا کرتے تھے اور بحری ڈاکوؤں سے جنگ کرتے تھے۔

۵- اساورہ شاہان ایران کی فوج میں ''سواروں'' کے ممتاز عہدے دار تھے جو عرب میں رہتے تھے۔ ان میں ہندوستانی بھی ہوا کرتے تھے ان کا وطن سندھ کے سواحل سے لے کر سرندیپ تک پھیلا ہوا تھا۔

۶- بیاسرہ بھی ہندوستانی تھے اور عرب جا کر جہازوں کی نگرانی کی ملازمت کرتے تھے۔ یہ لوگ بھی سندھ سے لے کر بمبئی کے حدود صیمور (چیمور) تک کے رہنے والے تھے۔

۷- تکا کرہ (ٹھاکر) سندھ اور پنجاب کے جنگ جو بہادر تھے جنھوں نے ہندوستان پر محمد بن قاسم کے حملہ کے وقت راجہ داہر وغیرہ کی مدد میں بڑی بہادری دکھائی تھی۔

یہ چند مشہور قومیں ہیں جو ہندوستان کے مختلف مقامات سے عرب میں جاتی تھیں۔ ان میں سے بعض وہاں آباد ہو گئی تھیں ان کے علاوہ بھی ہندوستان کے دوسرے مقامات کے لوگ عرب میں پائے جاتے تھے۔ (عرب و ہند عہد رسالت میں)

ان اقوام میں سے بیاسرہ اور تکا کرہ قدیم عرب میں نہیں پائی جاتی تھیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ کے وقت بھی یہ قومیں عرب میں نہیں تھیں۔ اطہر مبارکپوری کا بیان ہے۔

''بیاسرہ کی طرح تکا کرہ کا ذکر بھی قدیم عرب میں نہیں مل سکتا اس لیے خیال ہے کہ یہ عہد رسالت میں عرب میں موجود نہیں تھے۔'' (عرب و ہند عہد رسالت میں)

اب ہم بعثت نبوی کے وقت عرب میں آباد ہندی اقوام اور ان میں اشاعت اسلام کے حوالے سے کچھ تفصیلات بیان کریں گے۔

زط یعنی جاٹ

جاٹ یا جٹ مشہور ہندوستانی قوم ہے۔ عربی میں ان کو زط کہا جاتا ہے۔ یہ سندھ اور پنجاب کے رہنے والے تھے۔ کچھ مؤرخوں نے بلوچیوں کو بھی جاٹ کہا ہے۔ لسان العرب

کے مطابق زط سندھ کے سیاہ رنگ باشندوں کو کہا جاتا ہے۔ یہ جٹ کا معرب ہے۔
بحارالانوار میں ہے ''یہ سیاہ رنگ کے لوگ ہیں جو سندھیوں اور ہندیوں کی جنس سے ہیں۔''
مجمع البحرین میں بھی یہی لکھا ہے کہ زط ہندوستان کے لوگ ہیں مگر انھوں نے زط کو جھت کا
معرب بتایا ہے۔ بہرحال جٹ اور جھت قریب قریب ہیں ابوالفداء نے تقویم البلدان میں
بلوچیوں کو بھی جاٹ میں شمار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں بلوچیوں کو بھی جاٹ
(جٹ) کہا جاتا ہے۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کی زبان ہندی سے ملتی جلتی ہے۔ ابن خرداذبہ
نے المسالک والممالک میں تصریح کی ہے کہ مکران اور منصورہ (سندھ) کے درمیان کئی سو میل
کے علاقہ میں جاٹ پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ علاقہ چونکہ بلوچستان کے قریب پڑتا ہے اس لیے
اس قربت کی بناپر عربوں نے بلوچیوں کو بھی زط میں شمار کرنا شروع کردیا ہوگا۔

عرب میں جاٹ ابلہ (بصرہ) سے عمان اور بحرین تک کے ساحلی علاقوں میں پھیلے
ہوئے تھے۔ ان میں سے کچھ تو مویشی پالنے کا کام کرتے تھے مگر ان کی اکثریت ایرانی
بادشاہوں کی فوج میں شامل تھی۔ ایران میں بھی جاٹوں کی بڑی بڑی بستیاں اور شہر تھے جن کا
پھیلاؤ فارس سے عراق تک تھا۔ زط حومۃ الزط اور خابران' ایران میں جاٹوں کے شہر اور
علاقوں کے نام ہیں۔ کابل میں بھی جاٹ آباد تھے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کا تعلق کابل کے رہنے والے جاٹوں سے تھا۔ ایرانی علاقوں کے جاٹوں کی طرح سندھ و
ہند کے جاٹ بھی شاہان فارس کی فوجوں میں شامل ہوتے تھے۔ ان کی حیثیت زیادہ تر بیگار
کی تھی اور وہ ایسے قیدیوں کی طرح ہوتے تھے جن سے جنگ کا کام لیا جاتا تھا۔ ایرانی
سپاہیوں کی نسبت سندھی سپاہیوں کی تنخواہیں کم ہوتی تھیں لیکن ان میں بہت سے لوگ اچھے
خاصے سربرآوردہ بھی ہوا کرتے تھے۔ بہرکیف تجارتی واقتصادی حوالوں کے علاوہ اکاسرہ
ایران کی سپاہ کی حیثیت سے بھی سندھ و ہند کے جاٹ بڑی تعداد میں عرب کے ساحلی اور
اندرونی علاقوں میں موجود تھے۔

کیا عہدِ رسالت میں عرب میں آباد یہ جاٹ مسلمان ہوگئے تھے۔ یہ کہنا مشکل ہے
البتہ ان تک دعوت اسلام پہنچ گئی تھی۔ ان میں سے بہت سوں نے اسلام بھی قبول کرلیا تھا۔

ان کی اکثریت نے اسلام عہد صحابہ میں قبول کیا۔ اطہر مبارکپوری کا بیان ہے۔

''عہدِ رسالت میں جاٹوں کے اسلام کی تصریح اب تک ہم کو نہیں مل سکی اور نہ یہ پتہ چل سکا کہ ان کی کوئی جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلام لائی تھی۔ مگر یہ قطعی ہے کہ عہد رسالت میں یمن اور بحرین کے حدود کے بعض جاٹ مسلمان ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت بیرزطن ہندی یمنی جو عہد رسالت میں اسلام لائے غالباً جاٹ نسل سے تھے البتہ عہد فاروقی میں جب ۱۴ھ میں بصرہ آباد کیا گیا تو یہاں مسلمان جاٹوں کی بڑی تعداد موجود تھی۔ جو بنوحنظلہ کے ساتھ رہتی تھی اور جب ایران کے اساورہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لائے تو وہ بصرہ میں ان ہی مسلمان جاٹوں اور سیابجہ کے ساتھ رہنے لگے۔ مگر جب ایرانی اور ہندوستانی مسلمانوں کی بڑی تعداد اکٹھا ہوگئی تو بنوتمیم نے ان کو اپنی طرف کھینچا اور اساورہ بنوسعد کے یہاں چلے گئے اور جاٹ اور سیابجہ بنوحنظلہ سے مل گئے۔

(عرب و ہند عہد رسالت میں)

بلاذری نے لکھا ہے۔

واما السيابجة والزط والاندغار فانهم كانوافى جند الفرس ممن سبوه وفرضواله من اهل السند ومن كان سبيا من اولى الغزاة فلما سمعوا بما كان من امرالا ساورة اسلموا واتوا اباموسىٰ فانزلهم البصرة كما انزل الاساورة-

سیابجہ، زط اور اندغار ایرانیوں کی فوج میں سے تھے اور ان کے قیدیوں میں شمار ہوتے تھے۔ اس فوج کو ایرانی سندھیوں میں شمار کرتے تھے اور انہیں لڑنے والے قیدیوں کی حیثیت دی تھی، جب ان فوجیوں نے اساورہ کے مسلمان ہونے کا سنا تو یہ بھی مسلمان ہوگئے اور حضرت ابوموسیٰ کے پاس آ گئے۔ آپ نے انہیں اساورہ کی طرح بصرہ میں آباد کیا۔

(فتوح البلدان، امر الاساورة والزط)

علامہ بلاذری نے فتوح البلان میں شیرویہ اسواری کے اسلام لانے کے ضمن میں لکھا ہے کہ وہ اپنی جمعیت کے ساتھ اسلام لاکر اساورہ سیابجہ سے آن ملا جو اس سے پہلے خلیج عرب

کے ساحلوں میں رہتے تھے۔ جاٹوں کا بھی یہی حال تھا وہ سواحل عرب پر چارے کی تلاش میں پھرتے رہتے تھے۔ بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں جاٹوں اور اساورہ کو سواحل شام اور انطاکیہ میں آباد کیا تھا۔

فتنہ ارتداد میں یہ جاٹ بھی شامل تھے۔ فتنے کی سرکوبی کے بعد یہ لوگ بھاگ گئے اپنے قبیلوں اور ملکوں کی طرف۔ ہندی جاٹ یقیناً ہندوسندھ کی طرف بھاگے ہوں گے۔ مسیلمہ کذاب کے لشکر میں بھی ان کی شمولیت کا پتہ چلتا ہے۔ جنگ ذات السلاسل بھی سندھیوں کی شمولیت کے حوالے سے مشہور ہے۔ فاروقی میں ہندی جاٹ مسلمان ہوکر اسلام کے دست و بازو بن گئے۔ بعد میں مسلمانوں کی باہمی چپقلشوں اور محاذ آرائیوں میں ایک عرصہ تک یہ لوگ غیر جانبدار رہے۔

بلاذری نے لکھا ہے۔

ولم يشهدوا معهم الجمل وصفين ولا شيئا من حروبهم

یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ نہ جمل میں شریک ہوئے اور نہ صفین میں اور نہ ہی کسی دوسری جنگ میں۔ (فتوح البلدان)

کچھ روایات ایسی بھی ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ بعد میں غیر جانبداری کی روش ترک کر کے انھوں نے کسی ایک فریق کا ساتھ دینا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ خلافت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معاملہ میں انھوں نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجھہ الکریم کی طرف داری کی۔

وفي حديث على انه لما فرغ من قتال اهل البصره اتاه سبعون رجلا من الزط فكلموه بلسانهم فقالوا لعنهم الله بل انت انت۔ (مجمع البحرین)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ میں آیا ہے کہ جب وہ اہل بصرہ سے لڑائی کے بعد فارغ ہوئے تو جاٹوں کے ستر آدمی ان کے پاس حاضر ہوئے اور ان سے اپنی زبان (ہندی) میں بات کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ان پر (اہل بصرہ پر) اللہ کی لعنت ہو آپ ہی امیر ہیں (کوئی دوسرا نہیں)۔

مید

یہ بھی ایک ہندی قوم تھی۔ قدیم سے عرب میں آباد تھی۔ عرب میں ان کی آبادی ایرانیوں کے توسط سے تھی۔ یہ لوگ ایرانی افواج میں شامل تھے۔ یہ ایک لڑاکا اور جنگجو قوم تھی۔ یہ لوگ زیادہ تر سواحل کے رہنے والے تھے۔ ان میں سے بہت سوں نے ایرانی افواج سے تعلق کے بغیر اپنے طور پر بھی عرب ساحلی علاقوں میں بودوباش اختیار کی ہوئی تھی۔ یہ اصلاً سندھ کے رہنے والے تھے۔ سندھ سے لے کر گجرات بلکہ اس سے بھی آگے کے ساحلی علاقے ان کا مرکز تھے۔ ہند کا وہ ساحلی علاقہ جو خاص ان کا مرکز تھا انہیں کی نسبت سے عربوں کے ہاں مید کہا جاتا تھا۔ ابن خرداذبہ نے المسالک والممالک میں صراحت کی ہے کہ دریائے سندھ سے ہندوستان کی ابتدائی سرحد اوتکین تک چار دن کی مسافت ہے۔ یہ علاقہ پہاڑی قسم کا ہے۔ پہاڑوں میں بانس کثرت سے ہوتا ہے جبکہ وادیوں میں کھیتی باڑی ہوتی ہے۔ یہاں کے لوگ بڑے سرکش اور چور قسم کے ہیں۔ یہاں سے دو فرسخ کے فاصلہ پر مید نامی مقام آتا ہے۔

مید عربی زبان میں سمندری بلا کو کہا جاتا ہے۔ یہ سمندری ڈاکو تھے۔ عربوں کے تجارتی جہازوں اور کشتیوں کو لوٹ لیتے تھے۔ اس لیے عرب انہیں مید یعنی سمندری بلا کے نام سے یاد کرتے تھے۔

اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں۔

''مید کی حقیقت سمجھنے کے لیے لسان العرب کی یہ تفصیل ضروری ہے۔

وقد مادفهو مائد من قوم میدیٰ	مائد کی جمع میدیٰ ہے جس طرح رائب کی جمع
کرائب وروبیٰ ابوالهیثم المائد	روبیٰ ہے۔ ابوہیثم کا قول ہے کہ مائد وہ شخص
الذی یرکب البحر فتغشی نفسه	ہے جو سمندر کا سفر کرے اور سمندر کے پانی
من نتن ماء البحر حتیٰ یدار به	کی بدبو سے اس کا دماغ خراب ہو جائے اور
ویکاد یغشی علیه فیقال مادبه	سر چکرانے اور بیہوش ہونے لگے۔ ایسے موقع

البحر يميد به ميداً وقال ابوالعباس فی قوله ان تميد کم فقال تحرك بكم وتزلزل قال الفراء سمعت العرب تقول الميدیٰ الذين اصابهم الميد من الدوار' فی حديث ام حرام المائد فی البحرله اجر شهيد هوالذی يدار راسه من ريح البحر واضطراب السفينة بالامواج الازهری و من المقلوب الموائد والمآود الدواهی۔

پر کہتے ہیں کہ سمندر نے اس کو چکر میں ڈال دیا چنانچہ ابوالعباس نے اللہ تعالیٰ کے قول ''ان تمید کم'' کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ تم کو حرکت اور چکر میں ڈال دے۔ فراء نے کہا ہے کہ میں نے عربوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میدیٰ وہ لوگ ہیں جن کو چکر کی وجہ سے غشی اور متلی وغیرہ آنے لگے اور حضرت ام حرام کی حدیث یہ ہے کہ سمندر میں بیہوش ہونے والے کو شہید کا ثواب ملتا ہے۔ یہ وہ شخص ہے جس کا سر سمندر کی ہوا اور موجوں کی وجہ سے کشتی کے ڈگمگانے سے چکرانے لگے ۔ازہری کا قول ہے کہ جن اسماء میں قلب ہے ان میں سے موائد اور مآود ہیں جو مصائب کے معنی میں ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ سمندر کی بدبودار ہوا اور موجوں کی وجہ سے یا جہازوں اور کشتیوں کے ہچکولے سے جو دوران سر' غشی' قے اور چکر وغیرہ کی کیفیت طاری ہوتی ہے' اسے مید کہتے ہیں' یعنی سمندری بیماری کا نام مید ہے جسے سمندری بلا بھی کہہ سکتے ہیں اور ہندوستان کی یہ ساحلی قوم بھی جو عربوں کے تجارتی جہازوں کو لوٹتی تھی' بہت بڑی بحری بلا تھی' اس لیے وہ اسے مید کہنے لگے۔ (عرب و ہند عہد رسالت میں)

سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ شاہان ایران نے سندھ اور بلوچستان پر قدیم زمانہ سے قبضہ کر کے یہاں کے جاٹ اور مید دونوں قوموں کو اپنی فوج میں رکھا تھا اور وہ ان سے اپنی حکومت کے قیام و بقا کا کام لیتے تھے۔ (عرب و ہند کے تعلقات)

عہد رسالت میں یہ لوگ مسلمان ہوئے یا نہیں' اس بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔

البتہ ان کے ہم وطن زط وغیرہ کی طرح ان تک اسلام کی دعوت پہنچی ہوگی۔ اغلب یہ ہے کہ عہد صحابہ میں دیگر ہندی اقوام کے ساتھ انھوں نے بھی اسلام قبول کرلیا ہوگا۔ یہی مید تھے جنھوں نے پہلی صدی ہجری کے آخر میں عرب تاجروں کی بیواؤں اور یتیموں کے جہاز کو جو سراندیپ سے آرہا تھا دیبل کے قریب سمندر میں لوٹ لیا تھا۔ جس کے ردعمل کے طور پر محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کیا تھا۔

اساورہ

عرب میں آباد ہندی اقوام میں سب سے زیادہ شوکت وقوت اور شہرت وعزت جس قوم کو حاصل تھی وہ اساورہ ہیں۔ یہ ایرانی فوج کے اسپ سوار تھے۔ ان کا درجہ زط، مید وغیرہ اقوام ہند سے بڑا تھا۔ یہ ان اقوام کی طرح عربی زندگی کا حصہ بن کے نہیں رہتے تھے بلکہ حاکمانہ حیثیت رکھتے تھے۔ عربوں کے ساتھ اختلاط کو اپنی شان سے گرا ہوا کام سمجھتے تھے۔ ایرانی طرز کی زندگی گزارتے تھے۔ عرب علاقے جو ایرانی مقبوضات میں شامل تھے وہاں ایرانی حکومت اور اس کے مفادات کی محافظت انہیں کے ذریعے انجام پاتی تھی۔ اسی لیے شاہان فارس کے ہاں ان کی اہمیت اور قدرومنزلت بہت زیادہ تھی۔ مسلمانوں نے جب ایران کو فتح کیا تو ان کی بہت بڑی تعداد نے اسلام قبول کرلیا اور عربوں کے ساتھ مل جل کر زندگی گزارنے لگے۔ لسان العرب کے مطابق اُسوار اور اِسوار فارس کے فوجی افسر کو کہا جاتا ہے۔ اچھے تیرانداز اور اچھے گھڑسوار کو بھی کہا گیا ہے۔ اس کی جمع اساورہ اور اساور ہے۔ بہرحال اساورہ میں ایرانی اور ہندی دونوں طرح کے لوگ شامل تھے۔ یہ باہم اس طرح رہتے تھے کہ انہیں الگ الگ شناخت کرنا بڑا مشکل تھا۔

اطہر مبارکپوری اساورہ کے بارے میں طویل بحث کے بعد خلاصہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ان شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ اساورہ میں ہندوستانیوں کی تعداد کافی تھی مگر ایرانیوں کے غلبہ کی وجہ سے ہم ان کو شناخت نہیں کرسکتے۔ پھر اساورہ اور خالص ہندوستانی زط اور سیابجہ میں ذہن وفکر اور معاشرت کے اعتبار سے بڑی حد تک یکسانیت تھی اور یہ تینوں

جماعتیں ایک ہی درخت کی شاخیں معلوم ہوتی تھیں چنانچہ یہ تینوں قومیں اسلام لانے کے بعد بھی ایک دوسرے سے اس طرح مل کر رہیں کہ ان کی وحدت قائم رہی۔

(عرب و ہند عہد رسالت میں)

عہد فاروقی میں اساورہ کے اسلام لانے کے بارے میں اطہر مبارکپوری کا بیان ہے۔

عہد فاروقی میں جب عجمیوں کی شوکت ختم ہوئی تو قومیں اسلام میں داخل ہونے لگیں اور اجتماعی زندگی بسر کرنے کے لیے ایک ساتھ ہوگئیں۔ بلاذری کی ایک روایت میں ہے کہ اساورہ مسلمان ہونے کے بعد بصرہ کے سیابجہ اور جاٹوں کے ساتھ مل گئے مگر بعد میں عرب قبائل نے ان کو الگ کر کے اپنے ساتھ لے لیا اور ان کی جمعیت ختم کر دی۔

(عرب و ہند عہد رسالت میں)

احامرہ

قدیم عرب میں ایک اور ہندی قوم کا پتہ بھی ملتا ہے جسے اہل عرب احامرہ کے نام سے یاد کرتے تھے۔ انہیں حمر اور احامر بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا واحد احمر اور محمرہ استعمال ہوتا۔ اس کے معنی سرخ پوش یا سرخے کے ہیں۔ یہ لوگ عربوں کے موالی اور حلیف بن کر عرب علاقوں میں رہتے تھے۔ یہ اصلاً سندھ کے رہنے والے تھے اور بدھی مذہب رکھتے تھے۔ چنانچہ مسعودی نے مروج الذہب میں گوتم بدھ کے تذکرے میں لکھا ہے۔

وقيل ذلك فى حمر السند۔ یہ بات سندھ کے سرخ پوشوں کے بارے میں کہی گئی ہے (مروج الذہب)۔

لسان العرب کے مطابق یہ لوگ بصرہ میں آباد تھے۔

سید سلیمان ندوی نے الملل والنحل شہرستانی کے حوالے سے لکھا ہے۔

''بودھوں کا ایک تیسرا نام عربی کتابوں میں محمرہ ہے یعنی سرخ کپڑے والے۔ جس سے مقصود شاید گیروا رنگ ہو یا زعفرانی۔ یہ رنگ ان کے مذہبی پیشواؤں کی پہچان تھی۔

(عرب و ہند کے تعلقات)

احامرہ کے متعلق اطہر مبارکپوری کا بیان ہے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں یہ ہندوستانی سرخے مدینہ اور شام کے درمیان آباد بنو غفار کے حلیف بن کر بڑی تعداد میں موجود تھے اور غزوہ تبوک کے موقع پر بنو غفار کی معیت میں اسلامی جہاد میں شریک نہیں ہوئے۔ چنانچہ امام بخاری نے الادب المفرد میں غزوہ تبوک کے سلسلے میں ایک طویل روایت نقل کی ہے جس میں راستہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابورہم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات اور گفتگو کا تذکرہ ہے۔ اس روایت کا آخری حصہ حضرت ابورہم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی یہ ہے۔

فطفق رسول الله صلى الله عليه وسلم يسالني عن من تخلف من بني غفار وهو يسالني فقال مافعل النفر الحمر الطوال الثط قال فحدثته بتخلفهم قال فما فعل السود الجعاد القصار الذين لهم نعم بشبكة شرخ۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی غفار کے ان لوگوں کے بارے میں مجھ سے سوال فرمانے لگے جو غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے چنانچہ آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ لمبے چوڑے پیٹ والے سرخوں کا کیا حال ہے؟ میں نے بتایا کہ وہ شریک نہیں ہوئے پھر آپ نے فرمایا کہ گھونگھریالے بال والے کالے لوگوں (غالباً حبشی) کا کیا معاملہ رہا جن کے جانور مقام شبکہ شرخ میں ہیں۔

لسان العرب میں "مادہ ثطط" میں اس حدیث کا ایک ٹکڑا یوں درج ہے۔

فقال مافعل النفرا الحمر الثطاط...... وروى هذا الحديث مافعل الحمرا لنطاط۔	آپ نے النفر الحمر الثطاط فرمایا...... اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے الحمر النطاط فرمایا۔

ثط جس کی جمع ثطاط ہے۔ بڑے پیٹ والے سست آدمی کو کہتے ہیں اور اس آدمی کو بھی کہتے ہیں جو کوسج ہو، جس کے چہرے پر بال نہ ہوں یا کم ہوں اور نطط نطناط کی جمع ہے جس کے معنی طویل کے ہیں۔

ہمارا خیال ہے کہ **النفر الحمر الطوال الثط** سے مراد بنو غفار کے ہندوستانی موالی

(احامرہ) ہیں اور السود الجعاد القصار سے مراد بنو اسلم کے حبشی موالی ہیں جیسا کہ ابورہم کی اسی روایت میں ہے کہ میں نے ان کے متعلق سوچا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ لوگ تو اسلم سے ہیں۔ علمائے فن کو اس کی مزید تحقیق کرنی چاہیے ہم نے ظاہری الفاظ و بیان سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔

سیابجہ

سیابجہ قدیم سے عرب میں آباد ہندی اقوام میں سے ایک مشہور قوم ہے۔ یہ عرب کے جہازوں پر بطور محافظ ملازمت کرتے تھے اور دشمنوں خصوصاً بحری ڈاکوؤں سے جہازوں کو محفوظ رکھتے تھے اور ان کے حملے کے وقت ان سے مقابلہ کرتے تھے۔ انہیں عربی کتابوں میں سبابجہ بھی لکھا گیا ہے۔ لسان العرب میں ہے۔

والسبابجة قوم ذوو جلد من السند والهند يكونون مع رئيس السفينة البحرية يبذر قونها ...... واحد سبيجي ودخلت في جمعه الهاء للعجمة والنسبة كما قالوا البرابرة وربما قالوا السابج۔

سیابجہ سندھ اور ہند کی قوی اور بہادر قوم ہے۔ یہ سمندری کشتی کے مالک کے ساتھ رہتے ہیں۔ کشتی کی حفاظت کرتے ہیں اور سمندری لٹیروں سے بچاتے ہیں۔ اس کا واحد سبیجی ہے اور جمع میں عجمیت اور نسبت کی وجہ سے صرف ہاء داخل ہوتی ہے جیسے برابرہ جمع بربر اور کبھی واحد کے لیے سابج بھی استعمال کرتے ہیں۔

ابن السکیت کے مطابق سیابجہ ایک سندھی قوم ہے جو عربوں کے جہازوں اور کشتیوں پر دشمن سے مقابلہ کے لیے اُجرت پر رہتے تھے۔

جوہری کا بیان ہے کہ سیابجہ سندھ کی ایک قوم تھی جو بصرہ میں تعینات تھی۔ یہ قید خانوں کے محافظ تھے۔

بلاذری کی تحقیق پر ہے کہ سیابجہ' زط اور اندغار ایرانیوں کی فوج میں قیدیوں کی طرح رہتے تھے۔ انہیں سندھیوں میں شمار کیا جاتا تھا۔

سیابجہ اور زط تو سندھی ہی تھے البتہ اندغار کے بارے میں آیا ہے کہ وہ سجستان سے متصل کرمان کے علاقہ کی قوم تھی۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ سیابجہ ایرانی فوج میں بھی ہوتے تھے اور اس توسط سے بھی وہ عربی علاقوں میں رہا کرتے تھے۔

عہد رسالت میں دیگر ہندی اقوام کی طرح سیابجہ کے اسلام لانے کا ہمیں کوئی حوالہ نہیں ملتا۔ البتہ عہد صحابہ خصوصاً عہد فاروقی میں ان کے مسلمان ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ جیسا کہ اساورہ کے بارے میں سابق میں حوالہ گزر چکا ہے کہ جب وہ مسلمان ہوئے تو زط اور سیابجہ جو پہلے سے مسلمان ہو چکے تھے ان کے ساتھ آن ملے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں بصرہ کے بیت المال کے محافظ اور نگران سیابجہ تھے جو مسلمانوں کی باہمی مناقشت کے دوران بڑی تعداد میں قتل بھی ہوئے تھے۔

یہ ان اقوام کے مختصر حالات ہیں جو عہدِ رسالت یا اس سے پہلے عرب میں سکونت پذیر تھیں۔ انھوں نے اسلام کب اور کیسے قبول کیا۔ اس پر بھی مختصر طور پر لکھا گیا ہے۔ بہرکیف یہ امر ناقابل تردید ہے کہ عہد رسالت میں عرب میں ہندی اقوام آباد تھیں۔ ان تک اسلام کا پیغام بھی پہنچا تھا۔ ان میں سے بہت سوں نے اسے قبول بھی کر لیا تھا۔ عہد صحابہ میں یہ سلسلہ جاری وساری رہا۔ عرب میں آباد یہ ہندی اقوام برصغیر پاک و ہند میں اسلام کے پہنچنے کا بہت بڑا ذریعہ بھی بنیں۔

ہندی اور غیر عرب اقوام کی آبادی والے علاقوں میں دعوتِ اسلام

یمن و نجران

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے مکی دور میں اسلام کا پھیلاؤ اس قدر نہیں تھا جتنا کہ مدنی زندگی میں ہوا۔ اس کی مختلف وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ مشرکین مکہ اور سرداران قریش کا اسلام کی شدید مخالفت کرنا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور آپ کی نبوت کی شہرت حدود عرب سے نکل کر قریبی ممالک تک پہنچ چکی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حج کے موقع پر لگنے والے بازاروں میں ہر سال جاتے اور ہر قبیلہ کے پاس جا کر لوگوں پر اپنی نبوت کو پیش فرماتے۔ سرداران قریش جو کہ پورے عرب کی آقائی کے حامل تھے۔ وہ پوری شدومد سے آپ کی مخالفت کرتے جیسا کہ دعوت وتبلیغ اسلام کے باب میں تفصیل سے بیان گزر چکا ہے۔ اس لیے قبائل عرب آپ کی دعوت کو قبول کرنے سے کتراتے تھے۔ مگر اس سلسلہ کی ایک اہم بات یہ ہے کہ باوجود ان حالات کے پورے عرب پر یہ حقیقت خوب واضح ہو چکی تھی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی صورت میں اپنے دعوائے نبوت سے دستکش ہونے والے نہیں ہیں۔ نہ ہی وہ بتوں اور مشرکانہ عقائد واوہام کی مخالفت سے باز رہنے والے ہیں بلکہ آپ کی تعلیمات اتنی محکم ہیں کہ ان کا ابطال یہود ونصاریٰ اور مشرکین مکہ سمیت کسی کے بس میں نہیں۔ آپ پر نازل ہونے والا کلام الٰہی پورے عرب کے لیے ایک کھلا چیلنج تھا۔ اس کے بارے میں عرب کے بڑے بڑے فصحاء اور ادباء برملا یہ کہتے تھے کہ اس طرح کا کلام بنانا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ چنانچہ پورے عرب اور اس کے اطراف میں جہاں بھی آپ کی شہرت پہنچتی ساتھ ہی ان حقائق کا چرچا بھی پہنچ جاتا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ انہی ایام میں جب آپ کی شہرت عرب سے باہر تک پھیل چکی تھی۔ آپ کا چرچا جب کسریٰ ایران کے دربار تک پہنچا تو اس نے فوراً یمن میں اپنے مقرر کردہ ایرانی حاکم باذان کو لکھا کہ میرے علم میں آیا ہے کہ قریش کے ایک شخص نے مکہ میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ تم اس کے پاس جاؤ اور اسے اس دعویٰ سے باز رکھنے کی کوشش کرو اگر وہ اپنے دعویٰ سے دست کش ہو جائے تو خیر ورنہ اس کی گردن اڑا دو اور اس کا سر میرے پاس بھجوا دو۔

باذان نے اس خط پر کوئی عمل کرنے کے بجائے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھجوا دیا۔ آپ نے باذان کو اس کا جواب لکھا جس میں خبر دی کہ کسریٰ فلاں مہینے کی فلاں تاریخ کو قتل کر دیا جائے گا۔ باذان کے پاس آپ کا نامہ مبارک پہنچا تو اس نے اسے سنبھال کر رکھ لیا اور انتظار کرنے لگا کہ اگر آپ نبی برحق ہوئے تو آپ کی بات سچ ہو

کر رہے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر کے مطابق اسی مہینے اور اسی تاریخ کو کسریٰ اپنے بیٹے کے ہاتھوں قتل ہوا۔ یہ واقعہ ۶ یا ۷ نبوی کا ہے۔ اس معجزہ کو دیکھ کر حضرت باذان اپنے ساتھیوں سمیت اسلام لے آئے۔

اس واقعہ کے متعلق سیرت ابن ہشام میں ہے۔

فلما بلغ ذلك باذان بعث باسلامه واسلام من معه من الفرس الیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم فقالت الرسل من الفرس لرسول الله صلی الله علیه وسلم الیٰ من نحن یا رسول الله قال انتم منا والینا اهل البیت۔

پس جب یہ خبر (کسریٰ کے قتل ہونے کی) باذان کو پہنچی تو انھوں نے اپنے اور اپنے ایرانی ساتھیوں کے اسلام لانے کی خبر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں پہنچا دی (باذان کے) ایرانی قاصدوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا یا رسول اللہ ہم کن میں شمار ہوں گے۔ ارشاد فرمایا تمھارا شمار ہم میں اور ہمارے اہل بیت میں ہوگا۔

اس روایت میں حضرت باذان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کے ساتھی ایرانیوں کے مسلمان ہونے کی تصریح ہے۔ یہاں ایرانیوں سے مراد صرف ایرانی نسل کے لوگ نہیں ہیں بلکہ حکومت ایران کی طرف سے فوج وغیرہ میں جو لوگ بھیجے جاتے تھے وہ سب اس میں شامل ہیں کیونکہ پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ حکومت ایران کی طرف سے بہت سے ہندی اور سندھی لوگ یمن سمیت دیگر عرب سواحل میں بھیجے جاتے تھے۔ یہاں ایرانیوں میں وہ سب شامل ہیں۔

خود حضرت باذان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو محدثین کرام نے باذان الفارسی' باذان ملک الیمن اور باذان ملک الہند لکھا ہے جس میں مطابقت یوں دی گئی ہے کہ حضرت باذان کا خاندان ہند میں کسی علاقے کا حکمران تھا اس نسبت سے انہیں باذان ملک الہند کہا جاتا تھا بعد میں یہ خاندان ایران نقل مکانی کر آیا۔ وہاں اس خاندان کی حاکمانہ اہلیت کی بناء پر انہیں فارس میں کسی علاقے کی حکمرانی تفویض کی گئی۔ اس بنا پر حضرت باذان' باذان الفارسی کہلائے۔ بعد میں انہیں یمن کا حاکم بنایا گیا جو انکے ملک الیمن کہلانے کا سبب ہوا۔ بہر حال حقیقت کچھ بھی ہو حضرت باذان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے اسلام لانے سے

یمن اور اس کے نواح کے تمام علاقوں میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا دروازہ کھل گیا۔ خاص طور پر یمن میں جو غیر عربی اقوام تھیں انھوں نے اس خوشگوار تبدیلی کو نہ صرف اچھی نگاہ سے دیکھا بلکہ اسے قبول بھی کر لیا۔ سابق میں مذکور ہوا کہ شاہان ایران کی طرف سے جو فوج عرب میں بھیجی جاتی تھی اس میں برصغیر کے بہت سے باشندے بھی شامل ہوتے تھے جنہیں اساورہ اور دیگر ناموں سے پکارا جاتا تھا۔ روایات شاہد ہیں کہ حضرت باذان کے ساتھ ان کے اساورہ اور دیگر ہندی اقوام کے لوگ بھی مسلمان ہو گئے تھے۔ کتاب السیرۃ المحمدیۃ والطریقۃ الاحمدیۃ میں مرقوم ہے کہ کسریٰ کے قتل کے بعد حضرت باذان کے اساورہ ان کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ وہ اب کس کی پیروی کریں۔ آپ نے انہیں اسلام لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی اختیار کرنے کا حکم فرمایا چنانچہ لکھا ہے۔

فاجتمعت له اساورته فقال من نومر علينا فقال اتبعوا هذا الرجل وادخلوا في دينه و اسلموا

پس آپ کے اساورہ آپ کے پاس جمع ہوئے اور کہا اب ہمارا امیر کون ہوگا تو انھوں نے کہا اس آدمی (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پیروی کرو اور ان کے دین میں داخل ہو جاؤ اور اسلام قبول کر لو۔

ان روایات سے یہ امر متحقق ہوتا ہے کہ ہجرتِ مدینہ سے بہت پہلے جبکہ ابھی اسلام عرب میں ایک قوت کے طور پر نہ ابھرا تھا اور نہ ہی سارا عرب اسلام کا مطیع ہوا تھا بلکہ حالات دگرگوں اور خیالات کو ناامیدی کی طرف لے جانے والے تھے، یمن میں اسلام عربوں اور غیر عربوں خاص طور پر ایرانیوں اور ہندیوں میں فروغ پا رہا تھا ۶ یا ۷ نبوی میں وقوع پذیر ہونے والا حضرت باذان کا قبول اسلام کا واقعہ ایرانیوں اور ہندیوں کی آنے والے وقتوں میں اسلام کے ساتھ شدید محبت کی نشاندہی کرتا ہے۔ نیز یہ خیال کہ ایرانیوں اور ہندیوں نے اسلام عربوں کی تلوار کے خوف سے قبول کیا ان روایات و واقعات سے غلط ثابت ہو جاتا ہے۔ اس واقعہ اور سابق میں مذکور دیگر واقعات سے نہ صرف عرب میں رہنے والی ہندی اور ایرانی اقوام میں اسلام کی وسیع تر اشاعت کا پتہ چلتا ہے بلکہ یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ یہ لوگ

مسلمان ہونے کے بعد جب کبھی اپنے وطن گئے ہوں گے یا ان کی خبر ان کے وطن تک پہنچی ہو گی تو ساتھ اسلام کا پیغام بھی خود بخود وہاں پہنچ گیا ہوگا۔ چنانچہ یہ کہنا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارکہ میں یا دور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اسلام برصغیر کے لوگوں کے لیے ایک اجنبی دین تھا یا وہ اس سے واقف و آگاہ نہ تھے حقیقت سے میل نہیں کھاتا۔

یمن ہی میں مقیم ایک ہندوستانی بزرگ حضرت بیرزطن ہندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس دور میں مسلمان ہوئے تھے۔ آپ اطراف یمن میں بڑی شہرت رکھتے تھے انھوں نے بڑی لمبی عمر پائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے مگر ان کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کرنا ثابت نہیں۔ الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ میں ہے۔

بیرزطن الھندی شیخ کان فی زمن الاکاسرۃ لہ خبر مشھور فی حشیش القنب وانہ اول من اظھرھا بتلك البلاد واشھر امرھا منہ بالیمن' ادرك ھذاالشیخ الاسلام فاسلم۔

بیرزطن ہندی ایک بوڑھے آدمی تھے' شاہان فارس کے زمانہ میں بھنگ سے علاج کرنے میں ان کا واقعہ مشہور ہے۔ ان بلاد میں سب سے پہلے انھوں نے اس کو رواج دیا۔ یمن میں اس کی شہرت ان کی وجہ سے ہوئی۔ اس بزرگ نے اسلام کا زمانہ پایا اور اسلام قبول کیا۔

حضرت بیرزطن ہندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے ہندوستانی بزرگ ہیں جن کا اسلام لانا جرح و نقد کی رو سے باقاعدہ پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے۔ نیز یہ بات کہ آپ یمن کے مشہور و معروف طبیب تھے اور آپ نے طویل عمر پائی۔ اس امر کی طرف مشیر ہے کہ یقیناً آپ کے اسلام کے اثرات یمنی عوام خصوصاً ہندوستانی باشندوں پر بہت گہرے مرتب ہوئے ہوں گے۔ آپ کا ہندوستانی ہونا بطور طبیب مشہور و معروف ہونا اور طویل عمر پانا ایسے امور ہیں جن کی وجہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ کے اسلام لانے سے برصغیر پاک و ہند کے لوگ بے خبر رہے ہوں گے۔ یقینی ہے کہ آپ کے اسلام لانے سے برصغیر کے لوگوں خاص طور پر آپ کے جاننے والے حلقوں میں اسلام سے دلچسپی پیدا ہوئی ہو گی۔

حضرت باذان اور حضرت بیرزطن ہندی جیسے لوگوں کے اسلام قبول کرنے کا ایک ثمرہ

یہ بھی تھا کہ بہت جلد یمن اور اس کے گردونواح کے علاقوں میں اسلام ایک قوت بن گیا۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اطراف و جوانب کے رؤسا و حکام کو دعوتِ اسلام کے خطوط روانہ فرمائے تو یمن کے مشہور علاقہ نجران کے باشندوں کی طرف بھی ایک خط روانہ فرمایا۔ امام طبری کا بیان ہے۔

وکتب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی اھل نجران الیٰ عربھم وساکنی الارض من غیر العرب فَثَبَتُوْا فَتَحَوا وانضموا الی مکان واحد۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجران کے عرب اور غیر عرب باشندوں کی طرف خط لکھا چنانچہ وہاں کے تمام مسلمان اسلام پر ثابت قدم رہتے ہوئے ایک جمعیت بن گئے اور ایک جگہ پر اکٹھے ہو کر رہنے لگے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں پر حضرت زبرقان بن بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی طرف سے حاکم مقرر فرمایا تھا۔

اطہر مبارکپوری نے لکھا ہے۔

حضرت باذان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاکم یمن اور ان کے اساورہ کے اسلام لانے کے بعد جن میں ایرانی، ہندوستانی اور سندھی سب ہی شامل تھے۔ یمن اور اطراف میں عربوں کی طرح عام عجمی باشندے بھی اسلام لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے مسلمانوں پر حضرت زبرقان بن بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا حاکم مقرر فرمایا۔

(عرب و ہند عہد رسالت میں)

مزید لکھتے ہیں۔

عرب کے ان مشرقی اور جنوبی سواحل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر زمانہ میں اسلام کی دعوت عام فرمائی۔ جہاں اساورہ ان کی اولاد ابنائے یمن، سیابجہ اور زط عام طور پر موجود تھے۔ اس لیے یہاں کے مشرک اور مجوس عربوں کی طرح بہت سے عجمی باشندے بھی اسلام لائے جن میں ایرانی، ہندی، سندھی اور حبشی وغیرہ سب ہی شامل تھے۔ عرب کے ان عجمیوں میں ہماری تحقیق میں سب سے پہلے یمن کے علاقہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام عام

ہوئی اور یہاں کے عربی باشندوں کی طرح عجمی باشندے بھی مسلمان ہوئے۔

(عرب و ہند عہد رسالت میں)

یمن میں رہنے والے ان غیر عرب لوگوں کے اسلام لانے کے اثرات کتنے دور رس تھے اور ان کے اسلام لانے کی وجہ سے ایران اور ہندوستان میں ان کے جاننے والے اسلام اور مسلمانوں سے کس قدر متاثر ہوئے تھے اس کا اندازہ ابن اثیر کی اس روایت سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب ۳۱ھ میں عہد عثمانی میں حضرت احنف بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خراسان کو فتح کر کے مرد الروز پر حملہ کیا تو وہاں کا ایرانی حاکم جو حضرت باذان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قرابت دار تھا بغیر لڑے مطیع ہو گیا اور اس نے چھ لاکھ سالانہ جزیہ پر صلح کر لی۔ اس نے حضرت احنف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ میری صلح کا سبب باذان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام لانا ہے۔

یہ شہادت اس بات کے لیے کافی ہے کہ حضرت باذان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم وطن ایرانیوں نے ایران کے اندر رہتے ہوئے ان کے اسلام لانے کی خبر سنی اور اس سے متاثر ہوئے۔ حاکم خراسان کے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے لوگ ہوں گے جو فقط حضرت باذان کے اسلام لانے کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں سے اس قدر متاثر ہو گئے ہوں گے کہ یا تو انھوں نے جزیہ دینا قبول کر لیا ہو گا یا پھر وہ باقاعدہ مسلمان ہو گئے ہوں گے۔ لیکن افسوس کہ یہ تمام تفصیلات تاریخ کے صفحات میں محفوظ نہ ہو سکیں جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس وقت علم تاریخ اپنی موجودہ صورت میں موجود نہ تھا۔ اس لیے اس قسم کی معلومات کو مجتمع کرنے اور محفوظ کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔

قریب قریب یہی معاملہ حضرت بیرزطن ہندی جیسے بزرگ ہندوستانیوں اور دیگر ہندوستانی باشندوں کا ہے جو عرب میں رہتے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کے اثرات کس قدر گہرے تھے۔ اس کا اندازہ تاریخی روایات کی شہادت سے ملتا ہے۔ چنانچہ برصغیر کے کئی راجوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنی عقیدت کا مختلف طریقوں سے اظہار فرمایا کئی علاقوں کے لوگوں کے وفد آپ سے ملاقات کے لیے اور آپ کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے بلکہ ہندوستان کے بعض مذہبی فرقوں نے بھی عرب کی سرزمین کی طرف اپنے لوگ

بھیجے تا کہ اسلام سے متعلق معلومات حاصل کی جائیں۔ جنوبی ہند کے ساحلی علاقوں کے راجوں' مہاراجوں اور دیگر حکومتی طبقوں نیز عوامی حلقوں میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے ایک گونہ احترام اور محبت کی فضا پیدا ہوئی۔ انہیں وہاں آباد ہونے' مساجد بنانے' اپنے مذہب پر عمل کرنے اور اپنے دین کی تبلیغ کرنے کی آزادی دی گئی جیسے سراندیپ اور دیگر جنوبی ہند کے ساحلی مقامات جن کے بارے میں تاریخی کتب بھری ہوئی ہیں کہ وہاں دور صحابہ سے مسلمان آباد تھے۔ ایسے ہی مسلمانوں کی بیواؤں اور یتیم بچوں کا جہاز عرب آ رہا تھا جسے دیبل کے قزاقوں نے لوٹ لیا تھا جس کے بعد محمد بن قاسم اور راجہ دہر کے مابین لڑائیاں ہوئی تھیں۔

دوسری طرف اسلام کی آگاہی پر یہ حقیقت بھی دلالت کرتی ہے کہ برصغیر کے بہت سے راجوں' مہاراجوں' حکمرانوں اور مذہبی پیشواؤں نے اسلام کو اپنے لیے ایک بہت بڑا خطرہ خیال کیا چنانچہ انھوں نے اسلام کو مٹانے کے لیے اسلام کے خلاف برسرپیکار قوتوں کی بھرپور مدد کی خاص طور پر شاہان فارس کی مسلمانوں سے جو جنگیں ہوئیں ان میں ان کی مالی اور فوجی امداد کی۔ اپنی افواج کو ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑنے کے لیے بھیجا۔ عہد صدیقی کی ایک جنگ جو ذات السلاسل کے نام سے مشہور ہوئی اس میں سندھی فوجی اپنے پاؤں میں زنجیریں باندھ کر ایرانیوں کی فوج میں شامل ہوئے اور مسلمانوں سے لڑے ایرانیوں کی امداد کے لیے ہندوستانی ہاتھیوں کے دستے بھی بھیجے گئے۔ چنانچہ قادسیہ کی جنگ میں سندھ کے راجہ کی سواری کے لیے استعمال ہونے والا سفید ہاتھی جو تمام ہاتھیوں کا سردار تصور ہوتا تھا۔ اپنے پورے دستے کے ساتھ رستم کی فوج میں شامل تھا جب تک اس سفید ہاتھی کو مار نہ دیا گیا مسلمانوں کے لیے جنگ جیتنے کی سبیل پیدا نہ ہوئی۔ اسی طرح عہد صدیقی میں فتنہ ارتداد کے زمانہ میں عرب میں مقیم بہت سے ہندی باشندوں نے مرتدین کا ساتھ دیا۔ مسیلمہ کذاب کی فوج کو بھی ہندیوں کی امداد حاصل تھی۔

بعد میں ہندوستان کے راجوں نے اپنی سرپرستی میں بحری قزاقی کی شکل میں طویل عرصہ تک مسلمانوں کے تجارتی بحری بیڑوں پر حملے جاری رکھے جس سے بالآخر مسلمان حملہ آوروں کو مجبور ہو کر عہد صحابہ ہی میں ایسے ہندوستانی سواحل پر جہاں بحری قزاقوں کو پناہ ملتی

بھی فوج کشی کرنا پڑی۔ محمد بن قاسم کا حملہ بھی اسی تسلسل کا نتیجہ تھا۔

یہ تمام امور اس حقیقت پر شاہد عدل ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ اور عہد صحابہ میں برصغیر کے حکمران طبقے اور عوامی حلقے بڑی حد تک اسلام سے آگاہ ہو چکے تھے۔ فطرت سلیمہ رکھنے والی طبیعتیں اسلام کی طرف مائل ہو رہی تھیں جبکہ شیطنت کی خوگر طبائع اسلام کے خلاف سرگرم ہو چکی تھیں۔

سواحل عرب میں دعوتِ اسلام جس کے مخاطب عربوں کے ساتھ ساتھ غیر عرب عجمی خصوصاً ہندی بھی تھے کی تفصیل اور اس کے اثرات کے بارے میں اطہر مبارکپوری کا بیان ہے۔

چونکہ تیرہ سال تک مکی زندگی مقامی کفار و مشرکین کی وجہ سے مظلومیت میں گزری اس لیے عرب کے انتہائی حدود کے لوگوں کو اسلام سے کم واقفیت ہوئی اور وہاں کے عربوں کی طرح ہندوستانی بھی اسلام سے تفصیلی طور سے واقف نہیں ہو سکے البتہ مکی زندگی میں حبشہ کی طرف صحابہؓ کی ہجرت ہوئی۔ اس لیے حبشہ اور اس کے اطراف کے لوگوں کو اسلام کی عام واقفیت ہوئی۔ اغلب یہ ہے کہ اسی سلسلے میں حبشہ کے سامنے سواحل کے عربی اور عجمی باشندوں کو بھی اسلام کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل ہوئی ہوں گی۔ چنانچہ حضرت باذانؓ حاکم یمن ابتدائے بعثت ہی میں اسلام لائے اور ان کے ساتھ یمن میں مقیم بہت سے اساورہ اور ایرانی نسل کے ابناء بھی مسلمان ہوئے۔ اس کے باوجود دعوت و تبلیغ کے طور پر ان اطراف میں اسلام کی تفصیلی معلومات نہیں ہوئیں اور اس کا موقع اس وقت آیا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے تیرھویں سال مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ ہجرت کے واقعہ نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق نہ صرف عرب کے انتہائی حدود میں تفصیلی واقفیت کے لیے راہ پیدا کی بلکہ اطراف و جوانب کے ان ممالک میں بھی اس کی خبر پہنچی جو عرب سے متصل تھے اور ان ممالک سے عرب کے قدیم تعلقات تھے اور جس طرح دوسرے ممالک میں یہ خبریں پہنچیں۔ ہندوستان میں بھی ان کو سنا گیا اور یک گونہ دلچسپی ظاہر کی گئی۔

پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۷ھ اور ۸ھ کے درمیان حدود عرب میں دعوت اسلام بھیجی اور صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کو اسلام کا مبلغ و داعی اور قاصد بنا کر عرب اور

بیرون عرب کے رئیسوں، حاکموں اور باحیثیت لوگوں کو خطوط بھیجے تو اس وقت عراق سے لے کر مشرقی سواحل اور یمن تک میں اسلام کی دعوت عام ہوئی اور ان اطراف کے عربوں کی طرح عجم، فرس اور مجوس بھی اس کی دعوت سے تفصیلی طور پر واقف ہوئے۔ ان ہی کے ساتھ یہاں کے ہندوستانی باشندے بھی عام طور پر اسلام سے باخبر ہو کر یا تو مسلمان ہوئے اور اسلامی زندگی کا جزو بن گئے۔ یا عام مجوسیوں کی طرح یہ لوگ بھی اپنے آبائی مذہب پر قائم رہ کر جزیہ ادا کرنے پر راضی ہو گئے اور ان کو مجوس میں شمار کیا گیا۔

نیز عہدِ رسالت میں جس طرح اسلام کا چرچا دیگر ممالک میں ہوا۔ ہندوستان میں بھی ہوا اور یہاں کے مذہبی لوگوں اور راجوں مہاراجوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام سے براہ راست تعلق پیدا کرنے کی کوشش کی اور دعوت اسلام کو سمجھنا چاہا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندوستان اور یہاں کے لوگوں کے متعلق باتیں کیں۔ قرآن حکیم میں ہندوستانی اشیاء کے نام آئے اور ان کا تذکرہ فرمایا گیا۔ احادیث میں ہندوستان کے باشندوں اور یہاں کی چیزوں کا تذکرہ آیا۔ یہاں کی بہت سی اچھی چیزوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال کا حکم دیا، بہت سی بری باتوں سے منع فرمایا اور دور رسالت کی اسلامی ادبیات میں ہندوستان کی قوموں کے یہاں کی چیزوں کے اور اس ملک کی باتوں کے تذکرے آئے۔ قرآن و حدیث کے علاوہ صحابہ کرام کے اشعار میں ان کا تذکرہ آیا۔ (عرب و ہند عہد رسالت میں)

سابق میں یمن و نجران میں دعوت اسلام کی تفصیلات مذکور ہو چکی ہیں۔ عرب کے دیگر ساحلی علاقوں میں بھی عہد رسالت میں دعوت و تبلیغ اسلام کا کام ہوا۔ اس سلسلہ میں اطہر مبارکپوری کا ایک اقتباس ملاحظہ کریں۔

بحرین اور عمان

گزشتہ تصریحات سے معلوم ہو چکا ہے کہ عراق کے شہر ابلہ سے لے کر خلیج عربی کے پورے طفوف و سواحل اور سیف میں ہندوستانیوں کی مختلف جماعتیں مختلف ناموں سے پھیلی ہوئی تھیں اور بحرین و عمان کے تمام علاقے ان سے آباد تھے۔ جن میں خط، قطیف، آرہ، ہجر

بینونہ، زارہ، سابور، دارین، غابہ اور دبا وغیرہ شامل تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیات طیبہ کے آخری حصہ میں عرب کے ان سواحل اور ان کے اطراف کے عوام وخواص کو اسلام کی دعوت کے خطوط روانہ فرمائے جن میں یہاں کے عربوں کی طرح یہاں کے ہندوستانی باشندے بھی مخاطب تھے۔

عمان میں نامہ مبارک کے جانے کا حال حافظ ابن عبدالبر نے استیعاب میں اور حافظ بن حجر نے اصابہ میں حضرت ابوشداد زماری عمانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں ان کی زبانی اس طرح نقل کیا ہے کہ ہمارے پاس عمان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ آیا تو کوئی ایسا آدمی نہ مل سکا جو اسے پڑھ کر سنا سکے۔ ہم نے ایک لڑکے کو بلا کر اسے سنا۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابوشداد سے دریافت کیا کہ اس وقت عمان پر کون حاکم تھا تو انھوں نے بتایا کہ

اسوار من إساورة كسرىٰ — کسریٰ کے اساورہ میں سے ایک اسوار حکمران تھا

ظاہر ہے کہ عمان کے ایرانی حاکم اسوار کے معین ومددگار، دوسرے اساورہ بھی وہاں تھے۔ جیسا کہ عرب کے ایرانی مقبوضات میں ایرانیوں کی حکومت کا طریقہ تھا۔ معلوم ہو چکا ہے کہ ایران کے اساورہ میں ہندوستان کے جاٹ اور سیابجہ وغیرہ شامل تھے اس لیے عمان کے یہ جاٹ وغیرہ بھی اس نامہ مبارک کے مخاطب رہے ہوں گے۔

وضائع کسریٰ کون تھے؟

بحرین کے مشہور مرکزی مقام ہجر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور سے کسریٰ کے خدام ومتوسلین کو دعوت اسلام دی اور اس کے لیے مستقل آدمی یا خط بھیجا۔ علامہ بلاذری لکھتے ہیں۔

بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم الى وضائع كسرىٰ بهجر فلم يسلموا فوضع عليهم الجزية دينار اعلىٰ كل رجل منهم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر میں کسریٰ کے یرغمالوں کے پاس اسلام کی دعوت بھیجی اور جب وہ اسلام نہیں لائے تو ان کے ہر مرد پر ایک دینار سالانہ جزیہ مقرر کر دیا۔

''وضائع کسریٰ'' کون لوگ تھے؟ اور عرب میں ان کی کیا حیثیت تھی؟ اس کے متعلق لسان العرب کا بیان ہے۔

والوضيعة قوم من الجند يوضعون في كورة لايغزون منها والوضائع والوضيعة قوم كان كسرىٰ ينقلهم من ارضهم فيسكنهم ارضا اخرى حتى يصير وابها وضيعة ابداً وهم الشحن والمسالح قال الازهرى والوضيعة الوضائع الذين وضعهم كسرى فهم شبه الرهائن كان يرتهنهم وينزلهم بعض بلاده	وضیعہ وہ سپاہی ہیں جو ضلع میں رکھے جاتے ہیں اور وہ اس سے باہر جنگ نہیں کرتے اور وضائع ایک جماعت تھی جسے کسریٰ اس کے وطن سے منتقل کر کے دوسری جگہ آباد کرتا تھا جہاں وہ ہمیشہ اس خدمت کے لیے مخصوص رہتے۔ وہ فوج اور سپاہی کا کام دیتے تھے۔ ازہری کا قول ہے کہ وضیعہ وہ لوگ ہیں جن کو کسریٰ نے ذلیل کیا تھا وہ یرغمال کے مشابہ تھے جن کو وہ اپنے بعض علاقوں میں آباد کرتا رہتا تھا۔

وضیعہ اور وضائع کے اس مفہوم میں اگرچہ بظاہر کسریٰ کے نوکر چاکر اور بیگار قسم کے سپاہی شامل ہیں مگر ان میں ہندوستان کے جاٹوں اور دوسری جماعتوں کا موجود ہونا بھی قرین قیاس ہے۔ اس لیے وہ دعوت اسلام کے مخاطب رہے ہوں گے۔

قطیف' خط اور دارین

اسی طرح ہجر اور اس کے اطراف کے شہر قطیف اور خط' دارین وغیرہ ہیں ان میں عہد رسالت میں جاٹ اور سیابجہ کی اچھی خاصی آبادی تھی اور آپ کی وفات کے بعد جب ان اطراف میں ارتداد کی وبا پھوٹی تو حطم بن ضبیعہ مرتدین سے الگ بچے کھچے کفار کی جماعت کو لے کر زط اور سیابجہ کو ساتھ ملا کر مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہوا۔

حتى نزل القطيف وهجر واستغوى الخط ومن فيها من الزط والسيابجة وبعث الى دارين	حطم نے قطیف اور ہجر میں آ کر مقام خط کے باشندوں کو گمراہ کیا۔ نیز یہاں کے جاٹ اور سیابجہ کو بہکا کر دارین کی طرف بھیجا۔

اس سے ظاہر ہے کہ خطہ کے پورے علاقے کے وہ ہندوستانی بھی مکتوب نبوی کے

مخاطب تھے جنھوں نے بعد میں خطم بن ضبیعہ کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔

بحرین پر عہد رسالت میں فارس کی حکومت تھی اور اس کے اطراف و جوانب میں عجمیوں اور ایرانیوں کی بستیاں تھیں۔ عرب قبائل میں عبدالقیس، بکر بن وائل اور بنو تمیم بدوی زندگی بسر کرتے تھے چونکہ وہاں ان ہی عربوں کی کثرت تھی۔ اس لیے ایرانیوں کی طرف سے وہاں کے حکمراں عرب ہی مقرر کیے جاتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہاں کے عرب حاکم حضرت منذر بن ساوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

ہجر میں دعوتِ اسلام

اسی طرح بحرین کا مرکزی شہر ہجر اس وقت بہت آباد تھا جہاں عربوں کے علاوہ اہل عجم میں یہود و نصاریٰ اور مجوس کی بڑی تعداد آباد تھی۔ عہد رسالت میں یہاں شاہ ایران کی طرف سے حضرت سیبخت مرزبان تھے۔ ہجر کے باشندوں کے لیے تاریخ میں اہل فرس، اہل عجم اور اہل ارض وغیرہ کے الفاظ آتے ہیں جن میں مجوس، یہود اور نصاریٰ سب شامل ہیں اور ان ہی میں ہندوستان کے زط، سیابجہ اور اساورہ بھی تھے جن پر مجوس کا اطلاق ہوتا تھا کیونکہ عرب میں ہندوستانی باشندوں کو مجوس میں شمار کیا جاتا ہے اس لیے ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی معاملہ کیا ہوگا جو عام مجوس ہجر وغیرہ کے ساتھ فرمایا۔

بلاذری نے فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ ۸ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علاء بن عبداللہ بن عماد حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بحرین اور ہجر میں اسلام کا داعی بنا کر روانہ فرمایا اور ان کے ذریعہ منذر بن ساوی حاکم بحرین اور سیبخت مرزبان ہجر کو خطوط روانہ کیے جن میں اسلام کی دعوت تھی اور اس دعوت پر انھوں نے لبیک کہا۔

فاسلما واسلم معهما جميع العرب هناك وبعض العجم فاما اهل الارض من المجوس واليهود والنصارىٰ فانهم صالحوا العلاء۔	یہ دونوں حاکم اسلام لائے اور ان کے ساتھ وہاں کے تمام عرب باشندے اور کچھ عجمی اسلام لائے مگر وہاں کے آباد مجوس، یہود اور نصاریٰ نے اسلام قبول نہیں کیا اور حضرت علاء سے صلح کر لی۔

حضرت علاء حضرمی نے بحرین کے ان غیر مسلموں کے لیے یہ صلح نامہ تحریر فرمایا۔

بسم الله الرحمن الرحيم	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
هذا ماصالح عليه العلاء الحضرمی اهل البحرين صالحهم علی ان يكفونا العمل ويقاسمونا التمرفمن لم يف بهذا فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين واما جزية الرؤوس فانه اخذ لها من كل حالم ديناراً۔	اس صلح نامہ کے مطابق علاء حضرمی نے اہل بحرین سے صلح کی اور یہ شرط قرار پائی کہ وہ کھجور کے باغات میں خود کام کریں گے اور کھجور میں ہمارا حصہ بھی لگائیں گے جو اس شرط کو پورا نہیں کرے گا اس پر اللہ کی' فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو اور جزیہ کا حساب یہ ہے کہ ہر بالغ مرد سے ایک دینار لیا جائے گا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کے مسلمانوں کے نام یہ مکتوب روانہ فرمایا۔

| اما بعد فانكم اذا اقمتم الصلوة واتيتم الزكوٰة ونصحتم لله ورسوله واتيتم عشر النخل ونصف عشر الحب ولم يمجسوا اولادكم فلكم ما اسلمتم عليه غير ان بيت النار لله و رسوله و ان ابيتم فعليكم الجزية۔ | حمد وصلوٰۃ کے بعد اگر تم لوگ نماز قائم کرو گے اور زکوٰۃ ادا کرو گے اور اللہ ورسول کی خیر خواہی کرو گے اور کھجوروں کا عشر اور غلہ کا نصف عشر دو گے اور اپنی اولاد کو مجوس نہیں بناؤ گے تو جس حالت میں مسلمان ہوئے ہو اس کے تمام حقوق تم کو حاصل رہیں گے البتہ آتش کدہ االلہ و رسول کے تصرف میں ہوگا اور اگر تم ان شرائط کا انکار کرو گے تو پھر تم پر جزیہ لازم ہوگا۔ |

اس طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بحرین میں جنگ اور قتال کی نوبت نہیں آئی بلکہ بہت سے باشندوں نے جن میں عربی قبائل زیادہ تھے برضا رغبت اسلام قبول کرلیا اور کچھ لوگوں نے جن میں زیادہ تر عجم کے مجوسی اور کچھ یہودی تھے اسلام قبول کرنے کے بجائے حضرت علاء حضرمی سے غلہ اور کھجور کی نصف پیداوار کی تقسیم پر صلح کر لی۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علاء حضرمی کو بحرین اور

ہجر میں ۶ھ میں روانہ فرمایا تھا۔ جب آپ نے اطراف وجوانب کے بادشاہوں اور حکمرانوں کے نام اسلام کے دعوت نامے روانہ فرمائے تھے۔

مقام ہجر کا معاملہ بحرین سے کچھ مختلف رہا۔ یہاں مجوسیوں کی آبادی زیادہ تھی جب یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اسلام کی دعوت آئی تو یہاں کے عربوں نے بھی عام طور سے اسلام قبول کرلیا مگر مجوسیوں اور یہودیوں نے یہاں بھی اسلام کے مقابلہ میں جزیہ دینا قبول کرلیا۔

ودعا اهل هجر فكانوا بين راض وكاره اما العرب فاسلموا واما المجوس واليهود فرضوا بالجزية فاخذت منهم	اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ہجر کو اسلام کی دعوت دی جسے کچھ لوگوں نے پسند کیا اور کچھ نے پسند نہیں کیا۔ عرب تو مسلمان ہو گئے مگر مجوس اور یہود جزیہ ادا کرنے پر راضی ہوئے اور ان سے جزیہ وصول کیا گیا۔

بحرین اور ہجر سے جزیہ کی جو پہلی قسط آپ کی خدمت میں آئی تھی اس کی تعداد اسی ہزار تھی۔ آپ کی زندگی میں باہر سے اتنی کثیر آمدنی اس سے پہلے ہوئی نہ اس کے بعد۔

(عرب و ہند عہد رسالت میں)

عہد رسالت اور عہد صحابہ میں برصغیر پاک و ہند میں اشاعت اسلام

یہ امر محقق ہو چکا ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں اشاعت اسلام کا آغاز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ہو چکا تھا۔ عہد صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں اس میں یک گونہ تیزی آئی۔ یہاں ہم ان روایات و واقعات کا جائزہ لیں گے جو اس بات کو پایۂ تحقیق تک پہنچاتی ہیں کہ جس طرح عرب میں آباد ہندی اقوام جیسے جاٹ وغیرہ میں اسلام بہت زیادہ مقبول ہوا تھا اور ان کی اکثریت اس کے دامن رحمت سے وابستہ ہوگئی تھی۔ اسی طرح برصغیر پاک و ہند میں بھی پہلی صدی ہجری کے ابتدائی عشروں میں اسلام ایک دین رحمت کے طور پر متعارف ہو چکا تھا۔ چنانچہ یہاں کے عوام وخواص نے

اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہ راست تعلق پیدا کرنے اور اسلام کو سمجھنے کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔ برصغیر کے لوگوں کے اسلام کے ساتھ تعارف میں بہت زیادہ دخل عرب میں آباد جاٹوں اور دیگر ہندوستانیوں کے مسلمان ہو جانے کا تھا۔ خاص طور پر حضرت بیرزطن ہندی جیسے مشہور و معروف بزرگ ہندیوں کا دامن اسلام سے وابستہ ہو جانا برصغیر کے لوگوں کے اسلام سے متاثر ہونے کا ایک بڑا سبب بنا۔

ہندوستان اور ہندیوں کے ساتھ عربوں کے تعلقات ہزاروں برسوں سے بحری اسفار کے ذریعے استوار تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بہت سے دیگر مسلمان عرب بھی بحری اسفار اختیار کرتے تھے۔ ایسے ہی بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اوائل دور کے بہت سے مسلمان عربوں کے ذریعے اول اول حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا چرچا اور اسلام کا پیغام ہندوستان تک پہنچا۔ خاص طور پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدنی زندگی کے آخری سالوں میں جبکہ اسلام ایک حکمران طاقت کے طور پر پورے عرب کو اپنے تسلط میں لے چکا تھا اور عرب کے لوگوں کی اکثریت دائرہ اسلام میں داخل ہو چکی تھی۔ اسلام کی روشنی مسلمان عرب تاجروں کے ذریعے ساحل ہند تک اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ پہنچی۔

ہندی لوگ اسلام سے متاثر ہوئے بلکہ قرائن بتاتے ہیں کہ بہت سے ہندی لوگ اسلام قبول کر کے مسلمان ہو گئے تھے چنانچہ ایک ہندوستانی راجہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں اپنی عقیدت کے اظہار کے لیے زنجبیل (سونٹھ یا ادرک) کا تحفہ بھیجا جسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبول فرمایا چنانچہ امام حاکم نے مستدرک میں اس واقعہ کو مشہور صحابیٔ رسول حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اهدى ملك الهند الىٰ رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم جرة فيهاز نجبيل فاطعم اصحابه قطعة قطعة واطعمني منها قطعة۔	ہندوستان کے ایک راجہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں زنجبیل (سونٹھ) کا بھرا ہوا ایک گھڑا تحفہ بھیجا' آپ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس کا ایک ایک ٹکڑا کھلایا اور مجھے بھی اس میں سے ایک ٹکڑا کھلایا۔

اس طرح کے اور واقعات بھی تاریخ کے صفحات میں موجود ہیں۔

بزرگ بن شہریار ناخدا نے اپنی شہرہ آفاق کتاب عجائب الہند میں برصغیر میں اسلام کے وارد ہونے کے اسباب میں بہت سے واقعات لکھے ہیں۔اس کے مطابق ہندوستان میں سب سے پہلے سراندیپ کے لوگ اسلام سے متاثر ہوئے اور انھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ایک وفد بھیجا۔ بزرگ بن شہریار ناخدا نے لکھا ہے۔

وکان اهل سرانديپ وما والاها لما بلغهم خروج النبى صلى الله عليه وآله وسلم فارسلوا رجلاً فهما منهم وامروه ان يسير اليه فيعرف امره وما يدعوا اليه فعاقت الرجل عوائق و وصل الى المدينة بعدان قبض رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم و توفى ابوبكر ووجد القائم بالامر عمر بن خطاب رضى الله تعالىٰ عنه فسأله عن امر النبى صلى الله عليه وآله وسلم فشرح له وبين۔

سراندیپ اور اس کے گردونواح کے لوگوں کو جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلان نبوت کی خبر پہنچی تو انھوں نے اپنے ایک صاحب فہم شخص کو مدینہ بھیجا اور اسے کہا کہ وہ آپ کے پاس جائے اور آپ کے حالات اور جس چیز کی آپ دعوت دیتے ہیں اس کی تحقیق کرے۔ لیکن اس آدمی کو راستے میں کچھ مشکلات پیش آ گئیں۔ جب وہ مدینہ پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصال فرما چکے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی فوت ہو چکے تھے۔اس نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس وقت خلیفہ پایا چنانچہ آپ سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کے بارے میں دریافت کیا۔ پس انھوں نے اسے خوب کھول کر اور واضح کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کے بارے میں بتایا۔

بزرگ بن شہریار ناخدا کہتا ہے کہ وہ نمائندہ واپس سراندیپ کے لیے روانہ ہوا۔ راستے میں مکران کے قریب اسے موت نے آ لیا۔اس کا ملازم جو اس کے ساتھ تھا۔ سراندیپ پہنچا اور

لوگوں کو تمام حالات بیان کیے۔ اہل سراندیپ اسلام' پیغمبر اسلام اور خلیفۃ المسلمین کے بارے میں سن کر بڑے متاثر ہوئے۔ انھوں نے اس خادم کی بتائی ہوئی بہت سی باتوں کو اپنالیا۔ بزرگ بن شہریار ناخدا کا کہنا ہے کہ سراندیپ والوں میں تواضع' انکساری اور بہت سے دیگر اسلامی آداب اسی خادم کی بتائی ہوئی باتوں کی وجہ سے آج تک چلے آ رہے ہیں۔ ان لوگوں کی اسلام اور مسلمانوں سے بے پناہ محبت کا سبب بھی یہی ہے۔ چنانچہ عرب کے مسلمان تاجر سراندیپ میں مستقل رہنے لگ گئے۔ یہی عرب تاجر تھے جن کے اہل وعیال ایک جہاز کے ذریعے واپس سرزمین عرب کو جا رہے تھے کہ سندھ کے اطراف میں سمندری ڈاکوؤں نے انہیں لوٹ لیا۔ ان ہی کا انتقام محمد بن قاسم ثقفی کے سندھ پر حملے کا بڑا سبب بنا تھا۔

بعد میں سراندیپ سے اسلام کی یہ روشنی آہستہ آہستہ مالدیپ' لکادیپ اور ملیبار تک پھیلتی چلی گئی۔

برصغیر میں پہلی صدی ہجری میں اسلام کے پھیلاؤ کے حوالے سے قنوج کے راجہ اور رتن ہندی کی روایات بھی ملتی ہیں۔ ان دونوں نے بہت طویل عمر پائی۔ یہ دونوں مسلمان تھے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ وہ صحابی ہیں لیکن اہل جرح ونقد کے ہاں ان کا صحابی ہونا پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ البتہ ان کے مسلمان ہونے اور طویل العمر ہونے میں کسی کو کلام نہیں جس سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ اسلام کی روشنی پہلی صدی ہجری کے ابتدائی عشروں میں برصغیر پاک و ہند تک پہنچ چکی تھی۔

یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پانچ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نامہ مبارک دے کر سندھ کے باشندوں کی طرف بھیجا تھا۔ ان کی تبلیغ کی وجہ سے کئی سندھیوں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ ان میں سے دو تو واپس چلے گئے تھے جبکہ باقی یہیں رہے۔ اول اول سندھ میں اسلام کی روشنی ان کے ذریعے پھیلی۔ وہ یہیں رہے۔ بعداز وصال ان کی قبریں بھی یہیں بنیں۔ کہا گیا ہے کہ وہ لوگ نیرن کوٹ کے مقام پر آئے تھے مگر یہ روایت غیر معتبر ہے۔

۶ ہجری کا آخر اور ۷ ہجری کا آغاز وہ زمانہ ہے جب حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے عرب اور دوسرے علاقوں کے حکمرانوں اور بادشاہوں کے نام خطوط روانہ کیے اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ چنانچہ عرب کے مشرقی علاقوں کے حکمرانوں کو بھی اسلام کی دعوت کے خط روانہ کیے گئے۔ عمان میں جیفر اور عیاذ کے پاس حضرت عمرو بن عاص سہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمامہ میں ثمامہ بن اثال کے پاس حضرت سلیط بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور بحرین میں منذر بن ساوی عبدی کے پاس حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط دے کر روانہ فرمایا۔ یہ تمام علاقے برصغیر کے سامنے واقع ہیں۔ ان علاقوں میں صدیوں سے ہندوستان کے لوگوں کا آنا جانا تاریخ سے ثابت ہے جیسا کہ پہلے تفصیل سے بیان ہو چکا ہے لہٰذا یہ خیال کہ برصغیر کے بالکل سامنے کے علاقوں کے نور اسلام سے منور ہو جانے کے باوجود برصغیر کے لوگ اس سے بے بہرہ رہے۔ ایک امر مستبعد ہے لیکن ہمارے پاس کوئی ایسی مستند روایت نہیں ہے کہ کوئی صحابی بھی عرب کے مشرقی سواحل سے آگے سمندر پار کے ہندوستانی ساحلوں تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دعوتی خط لے کر گیا ہو البتہ اس کے آٹھ نو سال بعد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ہندوستان جانے کی باقاعدہ مستند روایت موجود ہے۔ وصال نبوی کے صرف چار سال بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت کے ابتدائی سالوں میں جب مشہور صحابی رسول اور سالار اسلام حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بحرین کا حاکم بنایا گیا تو انھوں نے برصغیر پر تین طرف سے چڑھائی کی اور وہاں کی مشہور بندرگاہوں کو فتح کیا۔ یہ بات پہلے تفصیل سے بیان ہو چکی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سب سے زیادہ حرص اس بات کی ہوا کرتی تھی کہ لوگ برضا و رغبت اسلام میں داخل ہو جائیں چنانچہ آپ جب بھی کوئی لشکر روانہ فرماتے تو انہیں بطور خاص حکم فرماتے کہ پہلے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا اگر وہ قبول کر لیں تو ان سے تعرض نہ کرنا۔ اگر قبول نہ کریں تو انہیں صلح کی طرف لانا۔ اگر وہ اس طرف بھی نہ آئیں تو پھر ان سے جنگ کرنا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بھی آپ کی یہی سنت جاری تھی۔ چنانچہ ۱۵ ہجری میں جب صحابہ کے لشکر نے ہندوستان پر چڑھائی کی تو وہاں وسیع پیمانے پر دعوت اسلام بھی عمل میں آئی۔

اس حملے کے اسباب کیا تھے۔ پچھلے صفحات میں اشارۃً بیان ہو چکا ہے کہ اسلام کی روشنی بالکل ابتدائی دور میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ میں ہی برصغیر تک پہنچ گئی تھی جس کے یہاں مثبت اور منفی دونوں طرح کے اثرات مرتب ہوئے۔ مثبت اثرات تو یہ تھے کہ بہت سے لوگوں نے اسلام میں دلچسپی لینی شروع کی۔ کچھ باقاعدہ مسلمان ہو گئے اور کچھ نے اپنی زندگیوں میں اصلاحی تبدیلیاں پیدا کیں۔ جبکہ منفی اثرات یہ تھے کہ یہاں کے حکمران طبقے نے اور مذہبی اجارہ دار برہمن نے اسلام کو اپنے لیے ایک بہت بڑا خطرہ سمجھا اور اس کے خلاف مخاصمانہ کارروائیاں شروع کر دیں۔ انہی کارروائیوں کا ایک حصہ یہ بھی تھا کہ عرب تاجر جو کہ زیادہ تر مسلمان تھے۔ ان کے جہازوں پر سمندری ڈاکوؤں سے حملے کرواتے اور انہیں لوٹ لیتے۔ مسلمان حکمرانوں کے پاس اس بات کے بہت سے شواہد جمع ہو چکے تھے کہ ان بحری قزاقوں کو ہندوستان کے حکمرانوں کی پشت پناہی حاصل ہے۔ خاص طور پر ہندوستان کے بعض ساحلی علاقوں کا کردار اس معاملے میں خطرناک حد تک بڑھا ہوا تھا۔ ان ساحلی علاقوں پر حملہ ناگزیر ہو چکا تھا چنانچہ جب حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمان اور بحرین کی گورنری پر فائز ہوئے تو انھوں نے جلد ہی اندازہ لگا لیا کہ ہندوستان کی وہ بندرگاہیں جہاں سے یہ سمندری ڈاکو نکل کر کھلے پانیوں میں عرب تاجروں کے جہازوں کو گھیر کر لوٹ لیتے ہیں۔ ان پر حملہ کر کے بحری قزاقوں کا زور توڑنا ضروری ہو چکا ہے۔ چنانچہ آپ نے فدائیان اسلام کی ایک فوج تیار کی اور سمندری راستے سے برصغیر پر حملہ آور ہوئے۔ آپ نے تھانہ، بھڑوچ اور دیبل پر حملے کرائے اور انہیں فتح کیا۔ پہلا حملہ آپ کے بھائی حضرت حکم بن ابوالعاص ثقفی کی قیادت میں تھانہ پر ہوا۔ یہ اس دور کی اہم ہندوستانی بندرگاہ تھی۔ موجودہ جغرافیہ کی رو سے بمبئی کے قریب واقع تھی دوسرا حملہ حضرت حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی قیادت میں گجرات کاٹھیاواڑ میں واقع بھڑوچ نامی بندرگاہ پر کیا گیا وہاں بھی فتح و کامرانی نے مسلمانوں کے قدم چومے۔ تیسرا حملہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسرے بھائی حضرت مغیرہ بن ابوالعاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سالاری میں سندھ کی بندرگاہ دیبل پر ہوا۔ یہاں بھی کامیابی نے مسلمانوں کے قدم چومے اور دیبل کا

شہر مفتوح ہوا۔

دوسری طرف مسلمان خشکی کے راستے بھی برصغیر کے کئی مقامات پر حملہ آور ہوئے۔ اس کی وجہ ہندی راجاؤں کی طرف سے مسلسل اسلام دشمن سرگرمیوں کو جاری رکھنا تھا جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ جنگ ذات السلاسل میں سندھی لوگ پاؤں میں زنجیریں باندھ کر مسلمانوں کے خلاف لڑے۔ دشمن اسلام مسیلمہ کذاب کو مسلمانوں کے خلاف ہند وسندھ کے راجاؤں کی فوجی امداد حاصل تھی۔ فتنہ ارتداد میں بھی ہندی لوگ مسلمانوں کے خلاف برسر پیکار رہے۔ شاہان فارس کے ساتھ ہونے والی جنگوں میں بھی ہند وسندھ نے مسلمانوں کے خلاف بھرپور حصہ لیا۔ جب فارس فتح ہو گیا تو بھی برصغیر کے راجہ اسلامی مقبوضات پر حملہ آور ہوتے رہے چنانچہ مجبوراً مسلمانوں کو برصغیر پر حملہ آور ہونا پڑا۔ یہ حملے خشکی کے راستے کیے گئے تھے۔ مکران، سندھ، بجستان اور بلوچستان کے بہت سے علاقوں پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حملہ آور ہوئے۔ لاہور، بنوں، کوہاٹ اور ملتان پر بھی پہلی صدی ہجری میں اسلامی عساکر کے کامیاب حملوں کی مستند روایات موجود ہیں۔

یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری ہے۔ مستشرقین کا یہ کہنا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بحری سفر نہ کرتے تھے بلکہ وہ جزیرۃ العرب کے ریگزاروں اور پہاڑوں کی حدود سے کبھی باہر نہ نکلے تھے۔ یہ ایک کھلا جھوٹ اور ایک بدیہی حقیقت کا صریح انکار ہے۔ عرب کا ملک تین اطراف سے سمندر میں گھرا ہوا تھا۔ عرب لوگ مال تجارت لے کر مشرق میں چین تک اور مغرب میں روم تک جاتے تھے۔ عربوں کی جہاز رانی اور عربوں کے بحری اسفار ایک مسلمہ تاریخی امر ہیں۔ ان حقائق کی موجودگی میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عرب ہونے کے باوصف بحری سفر پر نہ نکلنا اور پہاڑوں اور ریگستانوں ہی میں مقید رہنا ناقابل فہم بات ہے۔ نہ ہی اسلام ایسا دین ہے کہ جس نے اپنے ماننے والوں کو بحری سفر سے منع فرمایا ہو یا مسلمانوں کو صرف عرب کے ریگزاروں اور پہاڑیوں میں مقید رہنے کی تعلیم دی ہو۔ سابق میں لسان العرب کے حوالے سے ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث گزر چکی ہے کہ سمندر میں سمندری سفر کی تکلیف سے بے ہوش ہونے والے کو شہید کا

ثواب ملے گا۔ یہ حدیث پاک اس حقیقت کی بین دلیل ہے کہ اسلام سمندری سفر سے روکتا نہیں بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ کوئی شخص قرآن و حدیث کی آیات و روایات کے وسیع ذخیرہ میں سے کوئی ایک سطر بھی ایسی نکال کر نہیں دکھا سکتا جس سے مستشرقین کے اس دعویٰ کو ثابت کیا جا سکے بلکہ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر بحری سفروں کے پرہول مناظر کو بیان کیا گیا ہے۔ بحری جہازوں اور کشتیوں کو اللہ کی نشانی اور ان کے سمندر میں چلنے کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار فرمایا گیا ہے۔ عرب کے مشرکین کو جہاز رانی کے ہیبت ناک مناظر بیان کر کے جھنجھوڑا گیا ہے اور انہیں دعوت توحید دی گئی ہے۔ اسی طرح ذخیرہ حدیث میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بحری سفروں کے بہت سے تذکرے موجود ہیں جن میں سے چند ایک کا ذکر خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

اسلام کی پہلی ہجرت جو نبوت کے پانچویں سال صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حبشہ کی طرف کی بحری راستے سے ہوئی تھی۔

ایک دفعہ قبیلہ اشعر کے تقریباً باون مسلمان سمندر کے راستہ سے یمن سے مدینہ منورہ روانہ ہوئے مگر ہوا کا رخ بدل جانے سے یہ لوگ حبشہ پہنچ گئے۔ وہاں پر مقیم مسلمانوں نے ان کا استقبال کیا اور انہیں اپنے پاس ٹھہرایا۔ بعد میں غزوہ خیبر کے موقع پر انہیں ساتھ لے کر مدینہ حاضر ہوئے۔ انہیں اہل سفینہ کا لقب ملا۔ یہ سب لوگ صحابی تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ یہ واقعہ صحیح مسلم میں موجود ہے۔

ایک مرتبہ شکاری صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی ایک جماعت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا۔

انا نرکب البحر ونحمل معنا القلیل من الماء۔	ہم لوگ سمندر میں سفر کرتے ہیں اور تھوڑا سا پانی اپنے ساتھ رکھ لیتے ہیں۔ (پینے کے لیے)

صحیح مسلم کی ایک روایت میں آیا ہے کہ لخم اور جذام کے تیس آدمی ساتھ لے کر مشہور صحابی رسول حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحر روم کے سفر پر گئے مگر مخالف ہوا کی وجہ سے چھوٹی چھوٹی کشتیوں پر سوار ہو کر ایک جزیرہ میں پہنچ گئے۔

خطیب بغدادی نے ''موضح اوہام الجمع والتفریق'' میں مسلم بن ابی عمران اسدی کے تذکرے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے۔

ان امراۃ رکبت البحر فنذرت ان تصوم شهراً فماتت قبل ان تصوم فاتت اختها النبی صلی اللہ علیه و آله وسلم فقال صومی عنها۔

ایک عورت نے سمندر کا سفر کیا اور منت مانی کہ وہ ایک مہینے کے روزے رکھے گی پھر وہ روزے رکھنے سے پہلے مر گئی اس کی بہن (دریافت مسئلہ کے لیے) نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ تو اس کی طرف سے روزے رکھ۔

صحیح مسلم میں ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شراب' مردار' خنزیر اور بتوں کی خرید فروخت کی حرمت کے بارے میں اعلان فرمایا تو لوگوں نے عرض کی مردار کی چربی کے بارے میں کیا حکم ہے کہ اسے کشتیوں' چمڑوں اور چراغوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ فرمایا: وہ بھی حرام ہے۔

اسی طرح حضرت حسن بصری نے حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔

کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یتجرون فی البحر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سمندر کے راستے تجارت کیا کرتے تھے۔

☆☆☆

باب پنجم

برصغیر پاک وہند میں
تشریف لانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

یوں تو برصغیر پاک وہند میں تشریف لانے والے صحابہ کرام کی تعداد ہماری کتاب میں شامل صحابہ کرام سے کہیں زیادہ ہے مگر ہم نے فقط ان اصحاب مکرمین کا ذکر خیر کتاب میں شامل کیا ہے جن کے بارے میں ہمیں مستند حوالوں سے معلومات حاصل ہو سکیں۔

حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ

بلاد ہند میں معرکہ آرائی کرنے والے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ایک بڑا نام حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی کا ہے۔ نوجوانی میں اسلام لائے۔ فضلائے صحابہ میں شمار ہوتے ہیں، علم وفضل، تقویٰ وطہارت، نیکی، پرہیزگاری اور کردار کی عظمت جیسے اوصاف کی وجہ سے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ کے قبیلے کا امام اور امیر مقرر فرمایا اگرچہ آپ اپنے قبیلے کے وفد کے لوگوں میں کم عمر تھے، دین کا درد اور علم دین کے حصول کا شوق آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ آپ کو بہت زیادہ مدت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں رہنے کا موقع میسر نہ آیا مگر پھر بھی آپ کا نام رواۃ حدیث کے سعادت مند گروہ میں شامل ہے۔ آپ سے ۲۹ مرویات منقول ہیں۔

حضرت سعید بن مسیب، حضرت نافع بن جبیر، امام ابن سیرین اور حضرت موسیٰ بن طلحہ رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے بڑے بڑے تابعی بزرگ ان کے راویوں میں شامل ہیں۔ حضرت خواجہ حسن بصری علیہ الرحمۃ آپ کے بڑے مداح اور عقیدت مند تھے۔ وہ آپ کے بارے میں فرماتے تھے کہ حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فضل و کمال میں اپنی مثال آپ ہیں۔ حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبیلہ بنو ثقیف سے تعلق رکھتے تھے۔ اس قبیلے کا مسکن طائف کا شہر تھا جو اپنی سرسبزی و شادابی میں پورے عرب میں ثانی نہ رکھتا تھا۔ بنو ثقیف نہایت درشت مزاج کے لوگ تھے، ہجرت سے پہلے نبوت کے دسویں سال حضور علیہ الصلوٰۃ السلام نے ان کی طرف اپنا مشہور تبلیغی سفر فرمایا تھا جو تاریخ اسلام میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سفر طائف کے نام سے مشہور ہے جس میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خاص طور پر اس قبیلہ کے تین بڑے سرداروں کو دعوتِ اسلام دی مگر انھوں نے آپ سے نہایت برا سلوک کیا۔ طائف والوں نے آپ پر اتنی سنگ باری کی کہ آپ زخموں سے چور ہو کر بالآخر ایک باغ میں پناہ گزین ہوئے۔ ۸ھ میں مسلمانوں نے طائف والوں کا محاصرہ کیا۔ انھوں نے شدید مزاحمت کی، تیر اور پتھر برسائے، بہت سے مسلمان زخمی اور شہید ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ یہی لوگ ۹ھ میں خود بخود شوکتِ اسلام کے سامنے جھک گئے اور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس وفد کے ساتھ تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں طائف والوں کا امام اور امیر مقرر فرمایا۔

حضرت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی آپ طائف کے امیر رہے۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی ابتدا میں فتنہ ارتداد پورے زور شور سے اُٹھا۔ سارا عرب اس کی لپیٹ میں آ گیا۔ کئی بدوی قبائل مرتد ہو گئے۔

تاریخِ اسلام کے اس نازک موڑ پر مہاجرین و انصار اور دیگر کبار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قدم بقدم حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی نہ صرف خود اسلام پر ثابت قدم رہے بلکہ اپنی قوم کو جمع کر کے ایک ولولہ انگیز خطاب فرمایا۔ اسلام کے فضائل اور برکات بیان

فرمائیں' جاہلیت کی نحوستوں کا ذکر کیا' ایمان کی قدر و قیمت پر روشنی ڈالی۔ بنو ثقیف کے تادیر ایمان سے محروم رہنے کی حسرتناک یاد کو تازہ کیا اور فرمایا کہ اب ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ جاہلوں اور منافقوں کی طرح ہم اسلام سے پھر جائیں۔ آپ کے اس اثر آفریں خطاب کا اثر یہ ہوا کہ اس نازک وقت میں آپ کی قوم کے قدم نہ ڈگمگائے اور وہ ارتداد کی زہرناکیوں سے محفوظ رہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سریر آرائے مسند خلافت ہوئے تو آپ نے حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طائف کی امارت پر بحال رکھا۔ ۱۴ھ میں سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم پر بصرہ کا شہر آباد ہوا۔ اطراف و اکناف سے مختلف مزاجوں' مختلف قوموں اور مختلف قبیلوں کے لوگ وہاں آ کر آباد ہوئے۔ ان سب لوگوں کو خیر کے ساتھ چلانے' دین پر قائم رکھنے اور اسلام کی خدمات سرانجام دینے کے لیے تیار کرنے کی خاطر ایک صاحبِ علم و فضل اور پختہ نظر و باتدبیر معلم کی ضرورت تھی۔ خلیفہ ارشد سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مردم شناس نگاہ نے اس عظیم ذمہ داری کے لیے حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا۔ چنانچہ دربارِ خلافت کے حکم پر حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بصرہ تشریف لے گئے۔ آپ کی قابلیت' اہلیت اور اعلیٰ اسلامی خدمات کے باعث ایک سال بعد مرکزِ خلافت کی طرف سے آپ کو بحرین اور عمان کی امارت سونپ دی گئی۔

حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمان کو اپنا مرکز بنایا اور بحرین میں اپنے بھائی حکم بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے نائب کے طور پر چھوڑا۔ عمان اور بحرین کی گورنری کے دوران آپ نے ہندوستان پر تین بڑے حملے کیے۔

ہندی راجاؤں تک اسلام کا پیغام پہنچ چکا تھا۔ اس کا سبب ہند کے وہ لوگ تھے جو عرب آتے جاتے تھے۔ نیز عرب تاجر بھی جہاں جاتے' اپنے دین کے پیغام کو عام کرتے جبکہ بہت سے گمنام مبلغین جن میں صحابی بھی تھے اور غیر صحابی بھی' عرب سے باہر دیگر ممالک میں جن میں ہندوستان بھی شامل تھا' تبلیغ دین کے لیے جاتے رہتے تھے اور لوگوں کو راہِ حق کی طرف بلاتے تھے۔ ہند کے راجہ مہاراجہ اور مذہبی پیشوا اسلام کو اپنے اقتدار کے لیے ایک عظیم خطرہ

تصور کرتے تھے۔ چنانچہ وہ اسلام کو گزند پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ جنگ یمامہ میں انھوں نے اپنے لوگ بھیجے اور مرتدین کا ساتھ دیا۔ ایران کے خلاف اسلام کی ترک و تاز میں وہ اسلام کی مخالفت میں ایرانی افواج کے ساتھ رہے۔ نیز سمندری پانیوں میں مسلمانوں کے آتے جاتے بحری بیڑوں کو بحری قزاقوں کے روپ میں اپنے گرگوں کے ذریعے سخت نقصان پہنچاتے رہے۔

حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ اسلامی قلمرو میں ہندوستان کے نزدیک ترین علاقوں میں سے ایک کے گورنر تھے۔ لہٰذا ان حالات کا آپ کی نگاہ میں آنا اور ان کے سدباب کے لیے آپ کا کوئی تدبیر کرنا ایک لابدی امر تھا۔

حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ عرصہ بعد ایک بحری بیڑا جنگی مقاصد کے لیے تیار کیا اور مجاہدینِ اسلام کا ایک لشکر اس بیڑے پر ہندوستان پر حملے کے لیے روانہ کیا۔ یہ بیڑا تھانہ نامی شہر پر حملہ آور ہوا اور اسے فتح کر لیا۔ یہ شہر گجرات اور کوکن بمبئی کی سرحد پر واقع تھا اور ہندوستان کی مشہور بندرگاہ تھا۔ اس حملے کا مقصد بحری قزاقوں کو ختم کرنا، ہندوستان کے حالات معلوم کرنا اور وہاں کے لوگوں کو اسلام کے بابرکت پیغام سے روشناس کروانا تھا۔ اس لیے مجاہدین اسلام نے وہاں زیادہ دیر اپنا قبضہ برقرار نہ رکھا۔ البتہ یہ لشکر کشی دعوت و تبلیغ اسلام کے سلسلہ کی ایک اہم کڑی ثابت ہوئی۔ جس کے دور رس نتائج آنے والے وقت میں ظاہر ہوئے۔ ہندیوں پر اسلام کی شوکت آشکار ہوئی۔ انہیں اسلام اور مسلمانوں کو قریب سے دیکھنے اور ان سے متعارف و متاثر ہونے کا ایک اچھا موقع میسر آیا۔ مؤرخین کے مطابق ہندوستان پر مسلمانوں کا یہ پہلا حملہ ہے۔ فتح مند لشکر اللہ رب العزت کی مدد و نصرت کے سائے میں غنائم سے بھرے جہاز لیے واپس لوٹا۔

مرکزِ خلافت کو جب اس لشکر کشی کی اطلاع کی گئی تو خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس امر کو پسند نہ فرمایا اور حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک تہدید آمیز خط لکھا جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک مسلمان عساکر کو بحری لشکر کشی کا کوئی زیادہ تجربہ اور مہارت حاصل نہ تھی۔ نیز دنیا کی دو بڑی طاقتوں قیصر و کسریٰ کے ساتھ

مسلمانوں کی جنگیں مسلسل جاری تھیں۔ان حالات میں امیر المومنین یہ پسند نہ فرماتے تھے کہ ایک تیسرے بڑے کافر ملک کے ساتھ جنگوں کا سلسلہ شروع کر کے مجاہدین کے لیے مشکلات پیدا کی جائیں لیکن حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہندوستان پر لشکرکشی کا سلسلہ جاری رکھا اور بعد میں دو بڑی مہمیں روانہ فرمائیں جن میں سے ایک کی قیادت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی حضرت مغیرہ نے کی اور دوسری کی سالاری بھی آپ کے دوسرے بھائی حضرت حکم بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی۔حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشہور ہندوستانی بندرگاہ دیبل کو تاراج کیا اور ایک روایت کے مطابق وہیں شہادت پائی جبکہ حضرت حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھڑوچ کو مسخر کیا اور فتح و کامرانی کے پھریرے لہراتے واپس ہوئے۔مرکزِ خلافت کی طرف سے بعد میں ان حملوں پر کسی قسم کی ناراضگی یا ناپسندیدگی کے اظہار کے بارے میں روایات خاموش ہیں۔جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے کی گئی اس لشکرکشی کے بعد میں قائل ہوگئے تھے اور باقی مہمیں آپ کی رضامندی ہی سے بھیجی گئی تھیں۔ وگرنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمان ثقفی ﷛ جیسے جلیل القدر صحابی امیر المومنین کے اظہار ناپسندیدگی کے بعد پھر وہی کام کرتے۔ یقیناً انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قائل کر لیا ہوگا اور بعد والی مہمیں ان کی اجازت سے بھیجی ہوں گی۔

حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عسکری صلاحیتوں میں بڑے فائق تھے۔ آپ ایک قابل جرنیل اور کہنہ مشق سپہ سالار تھے۔ ۲۱ھ میں جب خلیفہ راشد امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایرانیوں کی بڑھتی ہوئی شورشوں کو دیکھتے ہوئے ایران پر عام لشکرکشی کا ارادہ فرمایا تو حضرت عثمان ثقفی ﷛ کو مختلف ایرانی علاقوں کی تسخیر کے لیے بھیجے جانے والے لشکروں میں سے ایک بڑے لشکر کا سپہ سالار آپ کو مقرر فرمایا۔آپ کے سپرد اصطخر کو فتح کرنا تھا جو فارس کے اہم شہروں میں سے ایک تھا۔ایران پر لشکرکشی کے دوران آپ ایک مثالی سپہ سالار کے طور پر سامنے آئے۔ اہلِ فارس آپ کا مقابلہ کرنے کے لیے بڑی تعداد میں توج میں جمع تھے۔آپ جزیرہ ابرکاوان فتح کرنے کے

بعد توج پر حملہ آور ہوئے۔ ایرانی اپنی تمام تر تیاریوں کے باوجود مسلمان سپاہ کا مقابلہ نہ کر سکے اور شکست کھا گئے۔ فتح کے بعد حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ عرصہ توج میں قیام کیا۔ وہاں مساجد تعمیر کیں اور بہت سے عرب قبائل کو وہاں آباد کیا۔ بعد میں آپ نے اسلامی عساکر کو مختلف علاقوں میں پھیلا دیا۔ بہت جلد آپ کی فوجی حکمت کاری کے باعث اردشیر اور اصطخر جیسے اہم شہر مفتوح ہوگئے۔ فارس کا گورنر شہرک ایک بڑے لشکر کے ساتھ آپ کے مقابلے پر آیا۔ آپ نے اپنے بھائی حضرت حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کے مقابلے پر بھیجا۔ شہرک نے شکست کھائی اور اسی معرکے میں مارا گیا۔ اس جنگ میں رامشہر فتح ہوا' کچھ عرصہ بعد قلعہ شیر بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ جرہ' کازدرن' نوبند خان اور ان کے نواحی علاقوں پر خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حملہ کیا اور انہیں فتح کر لیا۔ اس دوران حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی مدد کے لیے بصرہ سے امدادی دستے روانہ کرنے شروع کیے اور بعد میں خود ایک بڑی فوج لے کر آپ کے ساتھ شامل ہوئے۔ دونوں لشکروں نے مل کر بہت سے اہم علاقوں پر قبضہ کیا۔ ۲۳ھ میں آپ نے فارس کے دارالحکومت سابور پر چڑھائی کر دی۔ وہاں فارس کے سابق گورنر شہرک کا بھائی حکمران تھا۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ مقابلے کی تاب نہ لا سکا۔ اس نے حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صلح کا پیغام بھیجا۔ یوں سابور بغیر لڑائی کے فتح ہو گیا۔ اس طرح فارس کا تمام علاقہ کہیں صلح اور کہیں جنگ کے ذریعے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر فتح ہو گیا۔

فتحِ فارس کے قریب قریب ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا سانحہ رونما ہوا۔ ان کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنے۔ خلافتِ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آغاز ہی میں سابور والوں نے بغاوت کر دی۔ ۲۶ھ میں حضرت عثمان بن ابی العاص اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مل کر ایک زوردار حملہ کیا اور سابور کو دوبارہ فتح کر لیا۔ انہی ایام میں اہلِ اصطخر بھی باغی ہو گئے۔ ۲۷ھ میں حضرت عثمان ثقفی نے اصطخر پر فوج کشی کی اور اسے دوبارہ اسلامی قلمرو میں شامل کر لیا۔ خلیفہ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ

عنہ اس کامیابی پر اتنے خوش ہوئے کہ انھوں نے حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بارہ ہزار جریب زمین بطورِ انعام عطا فرمائی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ کے بیان کے مطابق حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۵۵ھ کے لگ بھگ وصال فرمایا۔

حضرت حکم بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت حکم بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنو ثقیف کے مشہور جرنیل صحابی حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی تھے۔ ان کے ساتھ ہی اسلام قبول کیا اور خدمتِ اسلام میں تاحیات ان کے شریکِ کار رہے۔ آپ کی عسکری صلاحیتیں خداداد تھیں۔ امورِ مملکت کی تدبیر میں بھی یکتائے روزگار تھے۔ علم و عمل کے پیکر اور اسلام کے فدائی تھے۔ دین کی تبلیغ و اشاعت سے خصوصی لگاؤ تھا۔ آپ کی زندگی کے بارے میں جو واقعات روایات میں محفوظ ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی حیاتِ مستعار کا لمحہ لمحہ اسلام کے لیے وقف تھا۔ فتحِ ایران میں آپ کی جنگی کارروائیاں تاریخِ اسلام کا ایک روشن باب ہیں۔ ہندوستان پر حملہ کرنے والے جلیل القدر صحابہ میں آپ کا نام بھی شامل ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب آپ کے برادرِ معظم حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عمان اور بحرین کا والی بنایا تو انھوں نے حضرت حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بحرین میں اپنا قائم مقام بنایا اور خود عمان میں قیام فرمایا۔

جب ہندی راجوں، مہاراجوں نے اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے بحری کارروائیاں کرنا شروع کیں اور بحری قزاقوں کے روپ میں اپنے پالتو گرگوں کے ذریعے مسلمانوں کے جہازوں کو لوٹنا شروع کر دیا تو حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس فتنے کی سرکوبی کے لیے ہندوستان کی اہم بندرگاہوں پر حملہ کر کے ہندیوں کے زور کو توڑنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ اس سلسلہ کی ایک مہم کی سربراہی حضرت حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد فرمائی۔ آپ کی قیادت میں اسلامی لشکر کا بحری بیڑا بھڑوچ پر حملہ آور ہوا اور سرخرو ہو کے واپس آیا۔ تھانہ کی بندرگاہ بھی آپ نے مسخر فرمائی اور مالِ غنیمت کے ساتھ فتح کے علم لہراتے واپس ہوئے۔ دیبل اور

مکران پر ہونے والے حملوں میں بھی آپ شریک رہے۔

۲۱ھ میں حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایران پر وسیع پیمانے پر فوجی کارروائی کرنے کا ارادہ فرمایا۔ جن بڑے بڑے سپہ سالاروں کے سپرد آپ نے مختلف لشکروں کی سربراہی سونپی' ان میں حضرت حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بڑے بھائی مشہور صحابیٔ رسول حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے۔ حضرت حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس لشکر میں شامل تھے۔ ایران پر حملوں میں آپ نے اپنی عسکری صلاحیتوں کا خوب مظاہرہ کیا۔ ایک روایت کے مطابق جزیرہ ابرکاوان اور توج آپ کے ہاتھ پر فتح ہوئے۔ اس زمانے میں فارس کا گورنر شہرک نام کا ایک ایرانی سردار تھا۔ وہ بڑا جنگجو اور قابل جرنیل تھا۔ اس نے مسلمانوں کے حملے روکنے کے لیے ایک بڑی فوج جمع کی اور رامشہر میں پڑاؤ کیا۔ شہرک کا مقابلہ کرنے کے لیے حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا۔ ان کے ساتھ حضرت سوار بن ہمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ شہرک کے ساتھ بڑی سخت معرکہ آرائی ہوئی۔ ایرانی فوج اس کی قیادت میں بڑی پامردی سے لڑی۔ شہرک کا اعلان تھا کہ جو پیچھے ہٹا' اس کا سر قلم کر دیا جائے گا مگر ایرانی فوج اپنی شہرۂ آفاق بہادری اور شہرک جیسے جنگجو جرنیل کی قیادت کے باوجود مسلمانوں کے جوش و جذبے کا مقابلہ نہ کر سکی۔ حضرت حکم بن ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں بپھری ہوئی مسلمان فوج ایرانیوں کے لیے موت کا پیغام ثابت ہوئی۔ گھمسان کا رَن پڑا۔ اللہ رب العزت کی مدد و نصرت سے مسلمانوں نے فتح و کامرانی حاصل کی۔ ایرانی فوج عبرتناک انجام سے دوچار ہوئی۔ ان کا سردار شہرک میدانِ جنگ میں مارا گیا۔ حضرت حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قدرت نے عسکری صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ انتظامی قابلیت سے بھی نوازا تھا۔ آپ کو کئی دفعہ مختلف علاقوں کا والی اور امیر مقرر کیا گیا۔ آپ نے ہمیشہ اپنی ذمہ داری احسن طریقے سے سرانجام دی۔ آپ کے بھائی حضرت عثمان بن ابوالعاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب بصرہ کے معلم کی ذمہ داری سونپنے کے لیے مدینہ بلایا گیا تو انھوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم پر آپ کو اپنی جگہ طائف کا والی مقرر فرمایا۔ بعد میں حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کو عمان اور بحرین کی امارت دی گئی تو حضرت حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحرین میں ان کے نائب کے طور پر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ آپ خراسان کے والی بھی رہے۔ زیاد بن ابوسفیان آپ کی زیارت کو باعثِ برکت قرار دیتا تھا۔ حضرت حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زندگی کا آخری دور بصرہ میں گزارا۔ آپ کا وصال ۴۵ھ میں بصرہ میں ہوا۔

حضرت مغیرہ بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ

ترویج و اشاعتِ اسلام کے لیے ہندوستان پر حملہ آور ہونے والے صحابہ کرام میں حضرت مغیرہ بن ابوالعاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام بھی آتا ہے۔ آپ قبیلہ بنوثقیف کے اسلام قبول کرنے والے سرکردہ لوگوں میں سے تھے۔ حضرت عثمان بن ابوالعاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے طائف کے امیر اور امام مقرر ہوئے تھے۔ آپ کے بھائی تھے حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام بھی اسلام کے نامور سپہ سالاروں اور عسکری قائدین میں آتا ہے۔ آپ عمر بھر اپنے بھائی حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رہے اور ان کے ساتھ مل کر اسلامی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ آپ علم و فضل کے تابندہ ستارہ تھے۔ اسلام کی خاطر مرمٹنا آپ کی فطرت ثانیہ تھا۔ اسلام کی تبلیغ و اشاعت آپ کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا۔ آپ کے برادرِ محترم حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمان اور بحرین کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔ وہ اسلامی عساکر کی سالاری بھی فرماتے تھے۔ چنانچہ ان کی عدم موجودگی میں اکثر حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قائم مقام گورنر کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ دیبل پر حملے کے لیے حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو لشکر روانہ فرمایا' حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے سالار تھے۔ آپ بڑے عاقل' فہیم اور دُور اندیش بزرگ تھے۔ آپ کی عسکری اور انتظامی صلاحیتیں قابلِ تقلید تھیں۔ آپ کی قیادت میں لشکر اسلام نے دیبل پر حملہ کیا' بھرپور فتح حاصل کی۔ کچھ مؤرخین کا بیان ہے کہ آپ نے دیبل کے معرکے میں شہادت پائی مگر مؤرخین کی اکثریت اس طرف گئی ہے کہ آپ دیبل کے معرکے میں شہید نہیں ہوئے بلکہ فتح

مند ہو کر مالِ غنیمت کے ساتھ بحرین واپس لوٹے۔ دیبل اس وقت کے ہندوستان کی ایک بڑی اور اہم بندرگاہ تھی۔ دیبل کا فتح ہونا مسلمانوں کی ایک بہت بڑی کامیابی تھی۔ اس سے نہ صرف مسلمان تاجروں کے سمندری راستے محفوظ ہو گئے بلکہ اس فتح نے ہندوستان کے برہمنی راج کے ایوان میں ایسی دراڑ ڈال دی جو وقت کے ساتھ بڑھتی ہی چلی گئی یہاں تک کہ برہمن ازم کی بلند و بالا عمارت کو زمین بوس ہونا پڑا۔ آپ کا دیبل پر حملہ ہندوستان کے لوگوں کے لیے ایک نئی صبح کی نوید تھا۔ آپ کی ترک وتاز نے برصغیر میں اسلام کی تبلیغ کے لیے راہیں کشادہ کر دیں۔ یوں محمد بن قاسم کے حملے سے بہت پہلے ہندوسندھ میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کی داغ بیل پڑ گئی۔

ہند کے علاوہ آپ نے فارس پر اسلامی عساکر کے حملوں میں بھی شرکت کی۔ آخری عمر اپنے بھائی حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بصرہ میں بسر کی اور وہیں فوت ہوئے۔

حضرت ربیع بن زیاد مذحجی رضی اللہ عنہ

برصغیر پاک و ہند پر حملہ آور ہونے والے صحابہ کرام میں حضرت ربیع بن زیاد مذحجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام بھی شامل ہے۔ آپ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مشہورِ زمانہ صحابی ہیں۔ ان کا تعلق بنو مذحج سے تھا۔ گوری رنگت کے پتلے دُبلے کمزور جسم والے تھے مگر جرأت و بہادری میں اپنی مثال آپ تھے۔ شوقِ جہاد سے معمور دل رکھتے تھے۔ دشمنانِ دین کے لیے جتنے سخت تھے اپنوں کے لیے اتنے ہی نرم تھے۔ انکساری، تواضع، ملنساری اور خوش اخلاقی کا حسین پیکر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں میں آپ کو نہایت عزت و تکریم کا مقام عطا فرمایا تھا۔ آپ کے اطوارِ حیات کس قدر اعلیٰ تھے، اس بات کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک دفعہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خراسان کے لیے کسی کو امیر منتخب فرمانا تھا۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا مجھے کسی ایسے آدمی کے متعلق بتاؤ کہ جب وہ قوم کا امیر ہو تو ایسے رہے کہ امیر دکھائی نہ دے اور جب امیر نہ ہو تو ایسے رہے کہ لوگ اسے قوم کا امیر

سمجھیں۔لوگوں نے کہا امیر المومنین! اس طرح کے آدمی تو صرف حضرت ربیع بن زیاد مذحجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ چنانچہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں خراسان کا والی مقرر فرمایا۔آپ میں انتظامی صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔اس لیے آپ کی حیات مستعار کا ایک بڑا حصہ مختلف علاقوں کے انتظامی سربراہ کی حیثیت سے گزرا۔آپ ایک قابل جرنیل اور تجربہ کار عسکری کمانڈر تھے۔آپ نے اپنی زندگی میں بہت سی جنگیں لڑیں اور شاید ہی کوئی جنگ ایسی ہو جس میں دشمن کو شکست نہ دی ہو۔عہدِ فاروقی میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ماتحت رہ کر آپ نے کئی محاذوں پر عساکر اسلامی کی کمان کی۔ ایران کی فتح میں آپ کی خدمات لائق تحسین ہیں۔ بجستان پر آپ کی معرکہ آرائی عسکری تاریخ کا سنہرا باب ہے۔عہدِ فاروقی میں آپ نے زرنج' زالق' کابل' سیوستان' کرمان' مکران کے محاذوں پر دادِ شجاعت دی۔ برصغیر پاک و ہند میں آپ نے کرمان اور مکران میں مجاہدانہ تگ و تاز فرمائی۔ بجستان کے اکثر علاقے اس وقت کی سلطنت سندھ میں شامل تھے۔ وہ بھی آپ کی معرکہ آرائی کا مرکز رہے۔مکران کا اکثر حصہ آپ ہی کے ہاتھوں مفتوح ہوا۔ موجودہ بلوچستان کے اکثر اہم حصے اس وقت کے مکران میں شامل تھے' چنانچہ آپ پہلے صحابی رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو ساحل مکران اور بلوچستان پر حملہ آور ہوئے اور کامیاب و کامران رہے۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو کرمان' سیوستان اور مکران کے مفتوح ہو جانے والے علاقوں کا والی مقرر فرما دیا تھا۔آپ نے مقبوضہ علاقوں کا انتظام و انصرام بھی سنبھالا اور جہادی پیش قدمی کو بھی جاری رکھا۔حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ حکومت تک آپ کی پیش قدمی ان علاقوں میں جاری رہی۔حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ۵۳ھ یا اس سے کچھ بعد حضرت ربیع بن زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفات پائی۔

حضرت حکم بن عمرو ثعلبی غفاری رضی اللہ عنہ

حضرت حکم بن عمرو ثعلبی غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی رسول ہیں۔آپ نے بھی

برصغیر پاک و ہند کے بعض علاقوں میں تبلیغ دین کا کام کیا۔ آپ علم وعمل اور فضل وشرف میں بڑا امتیاز مقام رکھتے تھے۔ آپ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث کی روایت بھی کی ہے آپ قبیلہ بنو غفار کی مشہور شاخ بنو ثعلب سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ اعلیٰ درجے کے منتظم تھے۔ کئی علاقوں کی امارت پر فائز رہے۔ آپ کی عسکری قابلیت قابلِ رشک تھی۔ اپنا آبائی علاقہ چھوڑ کر آپ نے بصرہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۱۷ھ میں آپ کو مکران کا امیر مقرر فرمایا۔ اپنی امارت کے دوران آپ نے مکران اور اس کے نواح میں دینِ حق کی ترویج کے لیے بہت سے اقدامات کیے۔ جن میں سے ایک یہ تھا کہ آپ نے پورے مکران کو فتح کرنے کے لیے نئے سرے سے جہاد کا آغاز فرمایا۔ اس تگ و تاز میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جلد کامیابی عطا فرمائی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں پورا مکران اسلامی عساکر کے ہاتھوں مفتوح ہو گیا۔ اس زمانے میں وہاں کا حکمران راجہ راسل تھا جو ایرانی بادشاہ کا باجگزار تھا۔ اسے اور اس کی فوج کو زبردست شکست ہوئی۔ مسلمانوں کو بہت سا مال غنیمت حاصل ہوا جس میں چند ہاتھی بھی شامل تھے۔ حضرت حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے حضرت صحار عبدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فتح کی خبر دینے کے لیے بارگاہِ خلافت میں بھیجا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب فتح کی خوشخبری پہنچی تو بہت خوش ہوئے۔ حضرت صحار عبدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہاں کے حالات کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے وہاں کے حالات کچھ ایسے انداز میں بیان فرمائے کہ امیر المومنین نے اسلامی عساکر کو ہند کے اندرونی علاقوں کی طرف بڑھنے سے روک دیا۔

حضرت حکم بن عمرو ثعلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عہدِ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں خراسان کے والی مقرر کیے گئے۔ آپ نے اس ذمہ داری کو بھی بڑے احسن انداز میں نبھایا۔ آپ نے اپنی زندگی دین کی ترویج و اشاعت کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ آپ کا شمار برصغیر پاک و ہند کے اوّلین مسلم فاتحین میں ہوتا ہے۔ آپ کے حملوں اور تبلیغی کاوشوں سے ہندوسندھ کے

کفرستان میں توحید کی شمع روشن ہوئی۔ اسلام کے پھیلاؤ کی طرح پڑ گئی۔ ہندی اقوام دینِ فطرت سے روشناس ہوئیں۔ دین اسلام کے مبلغین کے لیے برصغیر پاک و ہند میں تبلیغ و اشاعت اسلام کے راستے کھل گئے۔ آپ بڑے زبردست مدبر تھے۔ زندگی کے مختلف ادوار میں آپ کو کئی علاقوں کی امارت سونپی گئی۔ آپ نے اپنے حسن انتظام سے ان علاقوں کے رہنے والوں کی نہ صرف دنیوی زندگی کی کایا پلٹ دی بلکہ ان کے سامنے دینِ اسلام کی آفاقی تعلیمات کا ایسا عملی نمونہ پیش کیا کہ ان میں سے اکثر نے بخوشی اپنے پرانے باطل دین کو چھوڑ کر اسلام کے رحمت بھرے سائے میں پناہ لے لی۔ آپ کی وفات ۵۰ھ بروایتِ دگر ۵۱ھ میں خراسان میں ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصاری صحابی ہیں۔ انصارِ مدینہ میں ان کو بڑا رتبہ اور مقام حاصل تھا۔ بڑے بہادر و شجاع تھے فنِ حرب کے ماہر اور آزمودہ کار جنگجو تھے۔ زہد و ورع اور تقویٰ و طہارت آپ کے کردار کے نمایاں وصف تھے۔ برصغیر پاک و ہند میں اشاعتِ اسلام اور جہاد کے لیے آنے والے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں آپ کا نام نامی بھی شامل ہے۔ آپ فتح مکران میں شامل تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب کوفے کا گورنر بنایا گیا تو حضرت عبداللہ بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے شریکِ کار اور معاون تھے۔ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ایران پر عام لشکر کشی کا ارادہ فرمایا تو حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ طلب فرمایا۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے پیچھے کوفے کے گورنر کے طور پر چھوڑا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ پہنچنے پر حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمایا کہ اپنے پیچھے کوفے کا والی کس کو بنایا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ حضرت عبداللہ بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تو فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوش ہوئے اور آپ کے اس فیصلے کو پسند فرمایا۔ بعد میں

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو اصفہان کی امارت کی ذمہ داری تفویض فرمائی۔ آپ ایک عرصے تک وہاں احسن انداز میں خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اس دوران آپ نے اصفہان میں جہاد کو بھی جاری رکھا۔ اہلِ اصفہان کو آخرکار آپ سے صلح کرنا پڑی۔

آپ نے اپنی عسکری استعداد کو کئی محاذوں پر اسلام کی خدمت کے لیے وقف کیے رکھا۔ فارس کے معرکوں میں بھی شریک ہوئے۔ فارس کے ایک مقام ''جی'' میں مسلمانوں اور ایرانیوں کے مابین بڑی خونیز جنگ ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس جنگ میں بھرپور حصہ لیا۔ آخر ''جی'' والوں نے مسلمانوں سے جزیہ پر صلح کی اور ذمی بن کے رہنا قبول کرلیا۔ صلح کا یہ معاہدہ حضرت عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا۔ یہ واقعہ ۲۳ھ میں پیش آیا۔ اسی سال آپ دربارِ خلافت کے حکم پر برصغیر پاک و ہند میں تشریف فرما ہوئے۔ مکران (بلوچستان) میں اس وقت مشہور صحابیِ رسول حضرت حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہاد کررہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں اسلامی عساکر کے ساتھ مل کر کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ یہاں تک کہ پورا مکران اسلامی قلمرو میں شامل ہوگیا۔

حضرت سہل بن عدی خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ

حضرت سہل بن عدی خزرجی انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور صحابی ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں اشاعتِ اسلام کے لیے آنے والے صحابہ کرام میں آپ کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔ انصارِ مدینہ کے سعادت مند گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا قبیلہ بنوخزرج تھا۔ آپ کے دو بھائی' حضرت ثابت بن عدی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی شرفِ صحابیت سے بہرہ ور تھے۔ حضرت سہل بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدری صحابہ میں سے ہیں' یہ تینوں بھائی غزوۂ احد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شانہ بشانہ شریک تھے۔ صحابہ میں ان کا مقام بڑا ممتاز تھا۔ ان کی مجاہدانہ زندگی اسلام کے لیے وقت تھی۔ مکران کی فتح میں انھوں نے نمایاں کردار ادا کیا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم پر آپ کو مکران کا والی مقرر کیا تھا۔

حضرت صحار بن عباس عبدی رضی اللہ عنہ

حضرت صحار بن عباس عبدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مایہ ناز صحابہ کرام میں سے ہیں۔ انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے چند احادیث روایت کرنے کا شرف بھی حاصل ہے۔ آپ اپنے وقت کے بہت بڑے خطیب اور ادیب تھے۔ علم وفضل میں پورے عرب میں مشہور تھے۔ زہد وعبادت اور خیرات وحسنات میں بلند مقام رکھتے تھے۔ غرض کوئی اسلامی صفت ایسی نہ تھی جو آپ کی ذات کا حصہ نہ ہو۔ فصاحت وبلاغت میں ثانی نہ رکھتے تھے۔ علم انساب کے ماہر تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصاص کا مطالبہ لے کر اُٹھنے والوں میں آپ بھی شامل تھے۔ اس سلسلہ میں ان کا مؤقف بڑا سخت تھا۔ جنگِ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے شریک ہوئے۔

برصغیر پاک وہند میں تبلیغی وجہادی سرگرمیوں کے سلسلہ میں آپ بھی تشریف لائے۔ آپ اس لشکر میں شامل تھے جس نے مکران پر حملہ کیا۔ جنگِ مکران میں دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ مل کر دشمنانِ دین کے خلاف کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ فتح مکران کے بعد حضرت حکم بن عمرو ثعلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں مدینہ منورہ فتح کی خوشخبری سنانے کے لیے بھیجا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت خلافت کے منصب پر فائز تھے۔ مکران کی فتح کا مژدہ سن کر بڑے خوش ہوئے اور حضرت صحار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہاں کے حالات پوچھے۔ آپ نے وہاں کے حالات کچھ اس طرح بیان فرمائے کہ امیر المومنین نے مجاہدین کا برصغیر کے اندرونی حصوں کی طرف مزید پیش قدمی کرنا مناسب نہ سمجھا اور اسلامی عساکر کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔

حضرت عاصم بن عمرو تمیمی رضی اللہ عنہ

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یہ صحابی بھی برصغیر میں اشاعتِ دین کے لیے تشریف لائے۔ آپ کا تعلق قبیلہ بنو تمیم سے تھا۔ اپنے قبیلہ میں بڑی ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔

بڑے ہی مہربان اور جود و سخا میں شہرت رکھنے والے تھے۔ آپ کا کردار اور اخلاق مثالی تھے۔ آپ نے اپنی زندگی دینِ اسلام کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ بڑے بلند پایہ شاعر تھے۔ جہادی مہموں میں شریک ہونا آپ کی زندگی کا بڑا مشغلہ تھا۔ حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قادسیہ کی جنگ میں حصہ لیا اور بڑی بہادری سے لڑے۔ عراق کی فتح پر آپ نے بہت سے اشعار بھی کہے۔

برصغیر پاک و ہند میں اشاعتِ دین کے لیے تشریف لائے۔ نواحِ سندھ میں آپ نے مجاہدانہ یلغار کی۔ بجستان کا وہ علاقہ جو سندھ سے ملحق ہے، وہاں آپ نے کئی جہادی معرکے سرانجام دیے اور اس علاقے میں اسلام کی عظمت و کامرانی کے جھنڈے گاڑ دیے۔

حضرت عبداللہ بن عمیر اشجعی رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن عمیر اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عالی مرتبت صحابی ہیں۔ آپ اہلِ مدینہ سے تعلق رکھتے تھے۔ مدینہ منورہ کے اہلِ علم میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ آپ کو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث پاک روایت کرنے کا شرف بھی حاصل ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں تشریف لائے اور اشاعتِ دین فرمائی۔ آپ جنگِ بجستان میں ۲۳ھ کو دربارِ خلافت کے حکم پر حضرت عاصم بن عمرو تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ آن کر شامل ہوئے تھے۔ حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ آپ نے اس علاقہ میں معرکہ آرائی فرمائی۔ یہاں تک کہ بلادِ بجستان سے لے کر سندھ کے اندرونی حصے تک کا وسیع علاقہ اسلامی قلمرو میں شامل ہو گیا اور برصغیر پاک و ہند کے یہ علاقے اسلام کی برکات و حسنات سے متمتع ہونے لگے۔

حضرت عبیداللہ بن معمر تیمی رضی اللہ عنہ

حضرت عبیداللہ بن معمر تیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور صحابی ہیں۔ قریش کے قبیلہ بنو تیم سے ان کا تعلق تھا۔ بعض مؤرخین نے انہیں صغار صحابہ میں شمار کیا ہے جبکہ بعض دیگر کی تحقیق کے مطابق جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال

ہوا تو ان کی عمر اکیس برس تھی۔ حضرت عبداللہ بن معمر تیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریش کے معززین میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کو رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث روایت کرنے کا شرف بھی حاصل ہے۔ آپ علم وفضل میں بلند مقام رکھتے تھے۔ حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگ تابعین آپ کے شاگرد تھے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مجاہد صحابی تھے۔ ساری زندگی اسلام کی ترویج اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے وقف کیے رکھی۔ آپ کے امتیازی اوصاف میں ایک یہ بھی ہے کہ آپ اشاعتِ اسلام کے لیے برصغیر پاک و ہند میں تشریف لائے۔ اس نواح میں آپ نے اسلام کی سربلندی کے لیے بہت سی جنگوں میں حصہ لیا اور بہادری کے جوہر دکھائے۔ خلیفہ ثالث حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو ایک لشکر دے کر سندھ اور مکران بھیجا تھا۔ آپ ایک عرصے تک ان علاقوں میں جہاد کرتے رہے۔ بعد میں آپ کو مقبوضہ علاقوں کا امیر مقرر کیا گیا۔ سندھ اور مکران کے علاوہ آپ نے خراسان، فارس اور اصطخر کی جنگوں میں حصہ لیا اور خوب دادِ شجاعت دی۔ اصطخر میں ہونے والے حق و باطل کے ایک معرکے کے دوران آپ نے شہادت پائی۔

حضرت عمیر بن عثمان بن سعد رضی اللہ عنہ

حضرت عمیر بن عثمان بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نامور صحابہ میں شامل ہیں۔ علم وفضل میں بڑا بلند مقام رکھتے تھے۔ عبادت گزاری میں اللہ کی برہان تھے۔ آپ کی حیات مستعار کا لحہ لحہ اسلام کی تبلیغ واشاعت میں صرف ہوا۔ آپ نے دشمنانِ دین کے خلاف کئی محاذوں پر معرکہ آرائی کی۔ آپ کا نام ان عظیم المرتبت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں شمار ہوتا ہے جنھوں نے برصغیر پاک و ہند میں تبلیغ اسلام کے لیے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں آپ کو مکران کی امارت تفویض فرمائی تھی۔ آپ طویل عرصے تک امیر مکران کے منصب پر کام کرتے رہے۔ اس

دوران آپ نے مکران سندھ اور دیگر ملحقہ ہندی علاقوں میں اسلام کی روشنی پھیلانے کے لیے دن رات کام کیا۔ مکران' سندھ' بلوچستان اور برصغیر کے دوسرے علاقوں میں اسلام کے پھیلاؤ میں آپ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔

عہدِ فاروقی میں آپ حمص کی ولایت و خطابت کے منصب پر بھی فائز رہے۔ آپ بہت بڑے فصیح اللسان خطیب تھے۔ آپ کے احکام اسلام کے بارے میں خطبات نہایت اثر انگیز اور متاثر کن ہوتے تھے۔ حضرت عمر فاروقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ سے بہت خوش تھے اور آپ کی خدمات کو سراہتے تھے۔ آپ نے زندگی کے آخری ایام شام میں گزارے اور وہیں وفات پائی۔

حضرت مجاشع بن مسعود سلمی رضی اللہ عنہ

حضرت مجاشع بن مسعود سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عظمت و جلالت کے حامل بڑے مشہور صحابی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں اور میرا بھائی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ ہم نے آپ کی بارگاہ میں ہجرت پر بیعت ہونے کی درخواست پیش کی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہجرت کا معاملہ تو گزر چکا ہے' دونوں بھائیوں نے عرض کی پھر ہم آپ سے کس بات پر بیعت کریں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ اسلام اور جہاد فی سبیل اللہ پر۔ چنانچہ ہم نے آپ سے بیعت کی۔ دونوں بھائی بیعت کیا ہوئے واقعی اسلام اور جہاد کے نام پر بک گئے اور انہیں کے ہو کے رہ گئے۔ حضرت مجاشع رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور عرب شاعر امراء القیس کی اولاد سے تھے۔ حضرت مجاشع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حدیث روایت کرنے کا شرف بھی حاصل ہے۔ بخاری' مسلم اور دیگر کتب حدیث میں آپ کی مرویات موجود ہیں۔

حضرت مجاشع رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان عظیم المرتبت صحابہ میں سے ایک ہیں جو تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے لیے برصغیر پاک و ہند میں تشریف لائے۔ اس زمانے میں کابل بلادِ ہند میں شمار ہوتا تھا۔ کابل پر حملہ کے وقت آپ عساکرِ اسلامی کے ساتھ تھے اور مجاہدین کے ایک

دستے کی کمان فرما رہے تھے۔ ایک خونریز جنگ کے بعد کابل فتح ہوا۔ وہاں ایک بہت بڑا بت کدہ تھا' آپ اس میں داخل ہوئے اور ایک بڑے بت کو ہاتھ میں پکڑ لیا اور لوگوں سے فرمانے لگے کہ یہ میں نے اس لیے کیا ہے تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع دے سکتا ہے۔ آپ نے موجودہ بلوچستان کے علاقوں میں بھی اسلامی عساکر کے ساتھ جنگوں میں حصہ لیا۔ نیز سجستان کی فتح میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ کابل اور بلادِ ہند میں حضرت مجاشع اور دیگر بزرگ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی کوششوں سے اسلام کے اصلاحی و تبلیغی کام نے خوب وسعت حاصل کی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ قرشی رضی اللہ عنہ

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بلند پایہ صحابہ میں سے ہیں' قرشی ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کا نام عبدالرحمٰن رکھا۔ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے۔ صاحبِ علم وفضل صحابہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ احادیث کی روایت کی سعادت بھی انہیں حاصل ہے۔ بہت سے بزرگ تابعین نے ان کی شاگردی کی۔ آپ کے ممتاز شاگردوں میں حضرت حسن بصری' حضرت محمد بن سیرین' حضرت سعید بن میتب اور حضرت عمار بن ابی عمار کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

اسلام کی خاطر ہونے والی جنگوں میں بھی آپ نے کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگِ تبوک میں شریک ہوئے۔ فارس اور عراق کی فتوحات میں آپ کا کردار بڑا اہم رہا۔ آپ نے کابل اور خراسان کی جنگوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو سجستان کا والی مقرر کیا۔ شہادتِ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک آپ اس منصب پر رہے۔

بلادِ ہند پر آپ کے حملے بڑے مشہور ہیں۔ رَن آف کچھ کا علاقہ جو گجرات' کاٹھیاواڑ اور راجستھان کے درمیان پڑتا ہے اور دیارِ ہند میں بڑی اہمیت رکھتا ہے' آپ کے ہاتھوں فتح ہوا۔ اس کے نواح میں واقع اور بھی بہت سے علاقوں کو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

فتح کر کے اسلامی مقبوضات میں شامل کیا۔ یوں برصغیر کے یہ تمام علاقے آپ کی ترک وتاز سے اسلام کی برکات وثمرات سے بہرہ ور ہوئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زندگی کے آخری ایام بصرہ میں گزارے اور وہیں ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں وفات پائی۔

حضرت خریت بن راشد ناجی سامی رضی اللہ عنہ

حضرت خریت بن راشد رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عالی مرتبت صحابی ہیں۔ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ زندگی بھر اسلام کی خدمت کے لیے وقف رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں فارس کے ایک علاقے کا امیر مقرر فرمایا۔ وہاں آپ نے اپنی ذمہ داریاں نہایت احسن طریقے سے انجام دیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں آپ مکران تشریف لائے۔ مکران اور برصغیر کے دیگر علاقوں میں آپ نے اشاعتِ اسلام کے لیے اہم خدمات سرانجام دیں۔

حضرت کلیب ابووائل رضی اللہ عنہ

حضرت کلیب ابووائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کرام میں سے تھے۔ برصغیر پاک وہند میں سیاحت فرمائی اور اسلام کا پیغام لوگوں تک پہنچایا۔ روایت میں آتا ہے کہ آپ جس علاقے میں گئے تھے' وہاں ایک درخت دیکھا جس کے ایک سرخ پھول پر سفید رنگ میں ''محمد رسول اللہ'' لکھا تھا۔

حضرت مہلب بن ابوصفرہ ازدی عتکی رضی اللہ عنہ

حضرت مہلب بن ابوصفرہ ازدی عتکی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ میں سے تھے۔ یہ قبیلہ بنوازد سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کو صغار صحابہ میں شمار کیا گیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے وقت بہت کم سن تھے۔ آپ کو اللہ رب العزت نے بہت سے اعزازات و امتیازات عطا فرمائے تھے۔ علم وفضل میں بڑا نام رکھتے تھے۔ آپ نے اپنی زندگی جہاد فی سبیل اللہ کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ قدرت نے آپ کو عسکری صلاحیتیں بڑی فیاضی سے عطا فرمائی

تھیں۔ انتظامی معاملات میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ ایک لمبا عرصہ آپ خراسان کے امیر کے طور پر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ برصغیر پاک و ہند میں تشریف لانے والے صحابہ میں آپ کا نام بھی شامل ہے۔ ۴۴ھ میں برصغیر پاک و ہند میں تشریف لائے۔

سندھ کی جنگوں میں حصہ لیا۔ سندھ کے ایک شہر قندابیل میں دشمن کو شکست دی۔ آپ نے ملتان کی طرف بھی پیش قدمی کی اور کئی علاقوں پر فتح کے علم لہرائے۔ حضرت مہلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۸۳ھ میں ایران کے شہر مرو میں فوت ہوئے۔

حضرت سنان بن سلمہ ہذلی رضی اللہ عنہ

حضرت سنان بن سلمہ ہذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بلند مرتبہ صحابی تھے۔ آپ کا تعلق قبیلہ بنو ہذیل سے تھا۔ آپ کا نام خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رکھا تھا۔ آپ علم و فضل میں نہایت بلند مقام رکھتے تھے۔ نظم و نسق اور تدبیر مملکت میں آپ کو خاص مہارت حاصل تھی۔ حضرت سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان صحابہ میں سے ہیں جنھوں نے برصغیر پاک و ہند کو اپنے بابرکت قدموں سے شرف بخشا۔

آپ ۴۲ھ میں مکران کے والی بنے۔ آپ سے پہلے حضرت راشد بن عمرو الجدیدی وہاں کے حاکم تھے۔ انھوں نے اسی سال حق و باطل کے ایک معرکے میں شہادت پائی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دورِ حکومت تھا۔ انھوں نے حضرت سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکران کا نیا امیر مقرر کیا۔ حضرت سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکران میں بہت سی اصلاحات فرمائیں۔ جس سے وہاں اسلام کو بہت تقویت حاصل ہوئی۔ اور اسلام کی اشاعت کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ حضرت سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس علاقے میں کفار و مشرکین سے بہت سے معرکے ہوئے جس سے اس نواح میں اسلامی فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا۔

حضرت منذر بن الجارود عبدی رضی اللہ عنہ

حضرت منذر بن الجارود عبدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے عظیم المرتبت صحابی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دولت و ثروت کی فراوانی عطا فرمائی تھی۔ آپ جود و سخا میں بہت زیادہ

شہرت رکھتے تھے۔ بڑے ملنسار، ہمدرد اور اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں ان کے ساتھ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو اصطخر کا والی مقرر کیا تھا۔ ۶۰ھ میں اسلامی سپاہ کے ساتھ برصغیر پاک و ہند میں تشریف لائے۔ بوقان، قلات اور خضدار کی جنگوں میں بہادری کے جوہر دکھائے۔ سندھ کے مفتوحہ علاقوں کے گورنر بھی رہے۔ قریباً ساٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔

☆☆☆

کتابیات

۱- القرآن الکریم
۲- صحاح ستہ و دیگر کتب احادیث و سیر
۳- الکامل از ابن اثیر
۴- الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب از حافظ ابن عبدالبر
۵- الاصابۃ فی تمیز الصحابہ از حافظ ابن حجر عسقلانی
۶- دلائل النبوۃ از ابونعیم
۷- مدارج النبوۃ از مولانا عبدالرحمٰن جامی
۸- الحلیہ از ابونعیم
۹- تاریخ طبری از امام طبری
۱۰- الدرۃ المضیہ از علامہ سفارینی
۱۱- عقیدہ سفارینی از علامہ سفارینی
۱۲- الروضۃ الندیہ شرح العقیدۃ الواسطیہ از ابن تیمیہ
۱۳- علوم الحدیث از ابن صلاح
۱۴- مسامرہ از ابن الہمام
۱۵- کتاب الازمنۃ والامکنۃ از علامہ ابوعلی مرزوقی
۱۶- المسالک والممالک از ابن خرداذبہ
۱۷- فتوح البلدان از علامہ بلاذری
۱۸- سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان از میر آزاد بلگرامی
۱۹- تحقیق ماللہند از البیرونی
۲۰- عجائب الہند از بزرگ بن شہریار ناخدا
۲۱- عرب و ہند کے تعلقات از سید سلیمان ندوی
۲۲- عرب و ہند عہد رسالت میں از قاضی اطہر مبارکپوری
۲۳- کرامات صحابہ از عبدالمصطفیٰ اعظمی
۲۴- ضیاء النبی از پیر محمد کرم شاہ الازہری
۲۵- شان صحابہ از سید محمود احمد رضوی
۲۶- تمدن ہند از گستاؤلی بان
۲۷- مسلم ثقافت ہندوستان میں از عبدالمجید سالک
۲۸- گوتم بدھ، راج محل سے جنگل تک از کرشن کمار
۲۹- مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا از لیوس مور
۳۰- انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا
۳۱- انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ فیتھ از جیمز ہیسٹینگس
۳۲- ورلڈ سولائیزیشن از رالف اینڈ برگ

صحابۂ رسول ﷺ ہندوستان میں

- عرب و ہند کے قبل از اسلام تعلقات
- ظہورِ اسلام کے وقت ہند کی حالت
- ظہورِ اسلام اور دعوت و تبلیغِ اسلام
- ہند اور اسلام
- اسلام برصغیر پاک و ہند میں محمد بن قاسم کے حملے سے بہت پہلے پہنچ چکا تھا
- صحابۂ رسول ﷺ کے ہند پر حملے
- برصغیر پاک و ہند میں تشریف لانے والے صحابۂ رسول ﷺ، اس کے علاوہ برصغیر پاک و ہند میں عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ ؓ میں تبلیغِ اسلام کے حوالے سے چونکا دینے والے حقائق اور بیش بہا معلومات۔

ISBN 978-969-8810-23-8
8810-23-8

طٰہٰ پبلی کیشنز
اُردو بازار لاہور فون: 0333-4470509